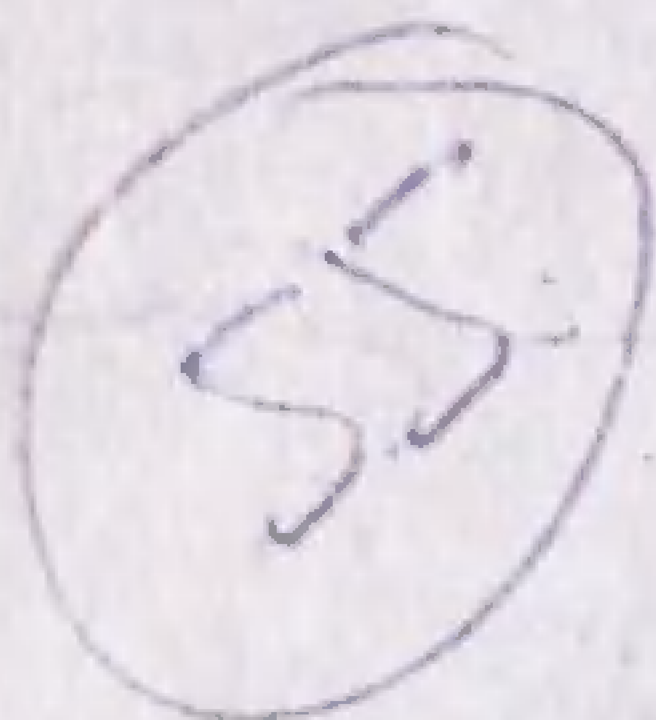
طلوعِ اسلام

حصّہ اوّل



رشید اختر ندوی

تاج کمپنی لمیٹڈ قرآن منزل لاہور

طبع اوّل ـــــــــــــ تعداد اشاعت دو ہزار

قیمت تین روپے

عرب کے اس چاند کے حضور ایک حقیر نذر جو کوہِ فاران سے طلوع ہوا، اور جس کی شعاعیں سارے عالم میں پھیل گئیں۔

رشید اختر ندوی

عرضِ مُصنّف

برسوں سے جی چاہ رہا تھا، کہ اسلام کے عروج اور مسلمانوں کے زوال کی تاریخ کچھ اس انداز میں لکھوں کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کے کام بھی آئے ۔ اور اصحابِ علم بھی اسے پڑھیں تو منہ نہ بسودریں۔

مجھے نہ اپنے علم پر ناز ہے اور نہ میں اپنے قلم کی معجز بیانی کا مدعی ہوں البتہ یہ قلم پچھلے گیارہ برس سے متواتر گھستا چلا آیا ہے ۔ اور کچھ الٹا سیدھا لکھنا جان گیا ہے ۔ میں چاہتا ہوں ۔ کہ زندگی میں اس قلم سے کوئی ایسا کام بھی لے لوں جو مجھ گنہگار کے لئے وجہِ نجات بن سکے لوحشر کے دن میری سیاہ کاریاں اور بداعمالیاں جب شمار کی جائیں تو زیادہ رسوائی نہ ہو۔

تاریخ اور داستان دونوں ایک ہی ماں کی اولاد ہیں ۔ پچھلے کئی سال سے میں نے سب کام چھوڑ دیئے ہیں اور صرف ناول لکھنے لگا ہوں ۔ میرے چھ ناول اب تک ایک بار نہیں کئی بار چھپ چکے ہیں ۔ نہ جانے کیوں ، لوگ میرے ناول پسند کرنے لگے ہیں اور بار بار میرے ناولوں کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے ۔ اس بڑھتی ہوئی مانگ کے باوجود میں نے طلوعِ اسلام کے عنوان سے تاریخ کا یہ لمبا سلسلہ لکھنا شروع کر دیا ہے میں چاہتا ہوں ، رسول اللہ صلعم کے وقت سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کے وہ حالات واقعات اور رجحانات نہایت آسان اور صاف زبان میں قلمبند کر دوں ، جو میرے نزدیک احاطۂ تحریر میں لائے جانے چاہئیں ۔ میں تاریخ کے پرانے انداز کا قائل نہیں ہوں ۔ میں واقعات و حالات کے تسلسل کو ضروری نہیں سمجھتا ۔ ان کی ترتیب

اور کیفیت میرے نزدیک زیادہ اہم ہے۔

یہ سلسلہ جسے میں نے شروع کیا ہے اور جس کے تین حصے میں مرتب کر چکا ہوں اور جس کا یہ پہلا حصہ آپ کے سامنے ہے اسی نقطۂ خیال کے ماتحت لکھا گیا ہے۔

میرا علم محدود ہے، اور ذرائع بھی کچھ ایسے نہیں کہ میں تاریخ کی ساری بڑی کتابوں کو اپنے پاس جمع کر سکوں لیکن اس کے باوجود میں نے حتی الوسع اس بات کی پوری کوشش کی ہے۔ کہ کوئی واقعہ ایسا نہ لکھوں جو کمزور روایت پر مبنی ہو اور جس کا ذکر میرے نزدیک غیر ضروری ہو۔

اسلام کی تاریخ اس سے پہلے بھی لکھی گئی ہے لیکن جس انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کے لحاظ سے ناچیز کی یہ تالیف کسی حد تک مختلف ہوگی میں نے عام مسلمان مورخوں کی طرح کسی خاص عقیدے یا کسی خاص سیاسی زاویے کی پابندی نہیں کی۔ اور نہ یہ میرا مسلک ہے۔ میں ایک عام گنہگار مسلمان ہوں مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہوا اسلامی درسگاہوں میں تعلیم پائی مسلمان معلموں سے اسلامی تاریخ پڑھی۔ اور زیادہ تر مسلمانوں کی لکھی ہوئی تاریخی کتابیں دیکھیں۔ مگر میری یہ تالیف، ایک اس شخص کی تالیف ہوگی جو محاسن کے بیان کو کافی نہیں سمجھتا۔ جو غلطیوں، کوتاہیوں اور برائیوں کا ذکر بھی اسی ذوق کے ساتھ کرتا ہے جس شوق سے محاسن کو گنواتا ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک جہاں محاسن کا ذکر ضروری ہے وہاں کوتاہیوں اور لغزشوں کی داستان بھی قابل بیان ہے۔ دونوں چیزیں قومی تعمیر کے لئے ایک جیسی اہمیت رکھتی ہیں مسلمان قوم بہت گرتی جاتی ہے کبھی وہ وقت تھا جب مسلمان سب سے اونچے تھے، اور وہ وقت بھی آیا جب مسلمان اپنے لئے ہی باعث شرم بن گئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وقت بہت بعد میں آیا لیکن میرے نزدیک یہ وقت خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد ہی شروع ہو گیا جناب امیر معاویہؓ نے، ریل کی پٹری کا کانٹا کچھ ایسا بدلا کہ اسلامی گاڑی سمت

ف کی طرف بھاگنے لگی۔

ملوکیت اسلام کے بالکل متضاد چیز تھی، جناب امیر معاویہؓ کے طرزِ عمل سے مسلمانوں ملوکیت آگئی اور مسلمان اپنی دنیوی سربلندیوں کے باوجود وہ نہ رہے جیسے کہ ول اللہؐ چاہتے تھے۔

یہ بحث اپنے وقت پر اسی سلسلہ کے دوسرے حصہ میں ہوگی۔ یہاں میں صرف ات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اسلام میں ملوکیت نہ آتی تو آج کمیونزم عالمِ وجود ں نہ آتا اور دنیا کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کی اندرونی زندگی سے گھبرا کر کمیونزم دامن میں پناہ نہ لیتا۔ میری خواہش ہے کہ میری یہ تالیف ان سب لوگوں کی نظروں ل پہنچ جائے۔ جو کمیونزم کے سوا اور کسی نظام کو اس دنیا کے لئے مفید نہیں سمجھتے! اسے وہ لوگ بھی پڑھ لیں جو اسلام کو عقیدتاً اس دنیا کے ہر مرض کا علاج سمجھتے ہیں میں پ اپنی اس تالیف کے ذریعہ یہ بات اچھی طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کو یا کے امراض کا سب سے عمدہ اور بہتر نسخہ ماننے کے باوجود کمیونزم کے بانیوں میں کمیونزم ے جراثیم کیوں پیدا ہوئے میرے نزدیک اس جرم کے مرتکب وہ مسلمان ہیں جنھوں نے لام کے دامن میں ملوکیت کا بت چھپا لیا اور اسے اس طرح پوجنے لگے جس طرح دوسری یں پوجتی چلی آتی ہیں

بہرحال میری یہ تالیف اس اعتبار سے اردو زبان میں بالکل نئی ہوگی۔ کہ میں خوبیوں ے ساتھ ساتھ خرابیوں کا ذکر بھی کرتا جاؤں گا۔ تاکہ آئندہ ذاتی مسلمان نسل اور نوجوان ے بزرگوں کے کارناموں کے ساتھ ساتھ خامیوں سے بھی آگاہ ہوجائے اور زندہ ی ذی قوم پھر سنبھل جائے۔

رشید اختر ندوی

صحرائے عرب

پہلا باب

اسلام سے پہلے عرب کو کون جانتا تھا۔ ایک بنجر اور بے آب و گیاہ ریگستان، کسے ضرورت تھی کہ اس ریگستان کے حالات معلوم کرے۔ لیکن جس طرح کوئی پتھریلی اور عام گزرگاہ سے دُور افتادہ زمین کبھی سونا اُگلتی یا اپنے چھپے خزانے نظرِ انسانی کے سامنے ڈال دیتی ہے تو اس کی قسمت دفعتاً چمک اٹھتی ہے اسی طرح عرب کے بنجر اور ویران ریگستان نے اپنی تمام تر غیر زرخیزی کے باوجود ایک بیش بہا اور غیر معمولی موتی اُگلا اور اس کی قسمت جاگ اٹھی۔ سارے عالم کی نگاہیں اس کی طرف اٹھنے لگیں۔ اس کے گوشے گوشے اور کونے کونے کی چھان بین ہوئی۔ آبادی کا اندازہ، ہوا، محل وقوع اور اطراف و حدود معلوم کئے گئے۔ جغرافیہ مرتب ہوا اور دنیا کا یہی بنجر علاقہ منبعِ نور و چشمۂ رشد و ہدایت ہونے کی وجہ سے محبوبِ عالم بن گیا۔

(خلیج فارس، بحرِ عمان، بحرِ عرب اور بحرِ قلزم میں گھرا ہوا یہ مستطیل قسم کا جزیرہ نما جسے دنیا عرب کہتی ہے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مرکز میں واقع ہے۔

مشرق، جنوب اور مغرب کے تینوں گوشے پانی سے ڈھکے ہیں۔ مشرق میں خلیج فارس

بحر عمان، مغرب میں بحر قلزم، نہر سویز اور جنوب میں بحر عرب اپنی تمام تر وسعتوں سمیت پھیلے ہیں۔

رقبہ بارہ لاکھ مربع میل جس میں سے چار لاکھ مربع میل تو خالص ریگستانی علاقہ ہے جنوب میں الدھنا کا وسیع ریگستان. ڈھائی لاکھ مربع میل کے اندر پھیلا ہے خلیج فارس کے ساحل سے متصل تقریباً شمال میں بحرین کا سرسبز علاقہ ہے۔ جو ساحل سے قریب ہونے کی وجہ سے اس خزاں رسیدہ سرزمین میں بہار کا منظر پیش کرتا ہے۔ شمال مشرق میں صوبہ عمان ہے جو بحر عمان کے ساحل پر ہونے کی وجہ سے عمان مشہور ہوا مسقط اس صوبہ کا مرکزی شہر ہے۔ بحر عرب سے قریب جنوب مشرق میں حضرموت اور مہرہ آباد ہیں۔ جنوب مغرب میں بحر عرب اور بحر قلزم کے ساحل سے قریب یمن واقع ہے۔ نجران اور عسیر یمن کے دو مشہور صوبے ہیں۔ صنعاء یمن کا مرکزی شہر ہے احقاف جہاں کبھی قوم عاد آباد تھی. یمن ہی کا حصہ ہے۔ سطح سمندر سے تین چار ہزار فٹ بلند جو سرسبز اور میدانی علاقہ عرب کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ اسے نجد کہتے ہیں۔ یمامہ جہاں مسیلمہ کذاب نے علم نبوت بلند کیا۔ نجد کا جنوبی علاقہ ہے۔ نجد کی مشرقی جانب بحرین، شمال میں شام اور مغرب میں حجاز ہے۔ یہی وہ حجاز ہے۔ جسے اسلام سے پہلے حرم کعبہ اور اسلام سے بعد چراغ نبوت نے روشنی بخشی! اور یہ دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی کا مذہبی مرکز بن گیا۔ مکہ، مدینہ اور طائف اس کے مشہور شہر ہیں۔ مکہ پہلے حضرت ابراہیمؑ کے بنا کردہ حرم مقدس اور کعبۃ اللہ کی وجہ سے مشہور ہوا۔ پھر محمد سرورِ کون و مکاںؐ کے پاک وطن ہونے کے باعث غلامانِ محمدؐ کی عقیدتوں کا مرکز بنا اور اب۔ اسے دونوں حیثیتیں حاصل ہیں، ساری دنیا کے مسلمان ہر سال، حج کے دنوں میں یہاں آتے ہیں اور محمد سرورِ کون و مکاںؐ کی ہدایت پر سیدنا ابراہیمؑ کی سالانہ یادگار مناتے ہیں۔ عرب کی قدیم تاریخ کہتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بھی خانہ کعبہ کا وجود تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے از سر نو اس مقدس مقام

کی بنا رکھی۔)

مکہ کے شمال میں ۲۷۰ میل دور مدینہ آباد ہے اس شہر کو پہلے یثرب کہا جاتا تھا بعض تاریخی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ شہر حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے سولہ سو سال پہلے آباد ہوا اس کے سب سے پہلے باشندے عمالیق تھے پھر قحطانی قبیلہ کی دو شاخیں، اوس اور خزرج یہاں آن بسیں پھر یہودی آئے حضور سید کون و مکاں ؐ نے اسی مقام کو ہجرت کے بعد اسلام کا مرکز بنایا۔ یہیں مسلمانوں نے دشمنوں سے پناہ پائی یہیں سے اسلام پھیلا اور اسی سرزمینِ پاک میں سارے جہاں سے افضل اور سارے جہاں کے آقا آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ یہ دنیائے اسلام کے محبوب کا شہر ہے یہی وہ زمین کا ٹکڑا ہے جو عرش کے بعد سارے جہاں سے اونچا اور پاک ہے۔ مکہ کی طرح مدینہ کی زمین خشک اور بے آب و گیاہ نہیں۔ یہاں کاشت ہوتی ہے کچھ پھل دار درخت بھی ہیں اور موسم بھی بہتر ہے۔ عاشق کی نگاہ اسے محبوبِ عالم کا فیض سمجھتی ہے لیکن مورخ اسے محل وقوع کا اثر کہتا ہے۔

مکہ و مدینہ کے بعد طائف زیادہ مشہور شہر ہے، یہی وہ طائف ہے جس کے بد دماغ لوگوں نے سید کون و مکاں کے عالمِ غربت اور بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر حضورؐ کو پتھر مارے تھے، طائف دامن کوہ کا ایک سرسبز و شاداب مقام ہے۔ یہ مکہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ حجاز کے امرا اور عمائدین سلطنت گرمیوں میں یہاں آتے ہیں۔

جدہ اور ینبوع حجاز کی مشہور بندرگاہیں ہیں۔ جدہ سے حاجی بیت اللہ کے لئے جہاز سے اترتے ہیں۔

ینبوع مدینہ جانے والوں کی بندرگاہ ہے۔ جدہ چونکہ بڑی بندرگاہ ہے اس لئے اسے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حکومتِ حجاز کا ایک معتمد نمائندہ یہاں رہتا ہے۔

مدینہ کے شمال میں حجر کا علاقہ پھیلا ہے۔ عربی میں پتھر کو حجر کہتے ہیں پتھروں کی

کثرت کی وجہ سے یہ علاقہ حجر کہلاتا ہے۔کسی زمانہ میں حجر ہی کی کھوؤں میں مشہور قوم ثمود آباد تھی۔ حجر کے مغرب میں مدین آباد تھا۔ جہاں شعیب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اسی علاقہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ یہیں وہ مشہور سینا پہاڑ ہے، جہاں حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی۔

ریگستان کی آب وہوا عموماً گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت ٹھنڈی ہوتی ہے ایک تو ریگستانی علاقہ، دوسرے گرمیوں میں جب سخت تیز دھوپ پڑتی ہے اور ہر طرف تیز و تند لو چلتی ہے تو چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اونٹ ریگستان کی خاص پیداوار ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اونٹ شدتِ لو کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

اس ریگستانی علاقہ میں چونکہ کوئی خاص دریا، یا ندی نالہ نہیں۔ اس لئے اکثر زمین بنجر اور غیر زرخیز ہے۔ سمندر کے کناروں پر جو علاقے ہیں وہاں کچھ سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے ریگستانی علاقہ میں پانی کی چونکہ قلت ہے۔ اس لئے آبادی دور دور ہے۔ سینکڑوں کوس کے بعد اگر کہیں کوئی آبادی ملتی ہے تو وہ محض اس لئے کہ وہاں زمین کی چھاتی سے کوئی چشمہ پھوٹ نکلا ہے۔ یہ آبادیاں کبھی ویرانوں میں بھی بدل جاتی ہیں۔ چشمے جیسے ہی خشک ہو جاتے ہیں، خانہ بدوش عرب اپنے گھر کندھوں پر لاد کر ایسی جگہوں پر جا آباد ہوتے ہیں جہاں نئے چشمے دریافت ہوتے ہیں۔ اب تو ذرائع آمد و رفت کسی قدر بہتر ہو گئے ہیں لیکن پہلے زمانہ میں عرب کے مختلف حصوں میں آنے جانے میں بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

باشندے

دوسرا باب

(عرب اس دنیا کی بہت پرانی آبادی ہے۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد جب دنیا نئے سرے سے آباد ہوئی تو زمین کا یہ خطہ سب سے پہلے آباد ہوا۔ حضرت نوحؑ کے ایک بیٹے سام تھے۔ وہ باپ سے کٹ کر عرب آ گئے اور یہیں بس گئے۔ ان کی اولاد عرب کے نام سے مشہور ہوئی۔ دنیا کی قدیم تاریخ میں سام کی اولاد کو تین طبقوں میں بانٹا گیا ہے۔ عرب عاربہ، عرب متعربہ اور عرب بائدہ۔ بائدہ عرب یہاں کے سب سے پرانے باشندے تھے لیکن وقت نے اس نسل کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے۔ یہ نسل سام کے بیٹے ارم سے چلی تھی اور آگے چل کر عاد، ثمود، طسم، عمالقہ، عبیل، جدیس، امیم، جرہم، حضرموت اور عبد ضخم کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ عاد نسل نے بہت شہرت پائی۔ عاد اس قوم کا جدِ اعلیٰ اور سب سے طاقتور بادشاہ تھا۔ عاد کے تین بیٹوں، شداد، شدید اور ارم نے اپنے باپ کے نام کو قائم رکھا۔ ان سے تین جدا جدا نسلیں چلیں۔ مگر یہ نسلیں طاقت اور قوت کے غرور میں راہِ راست سے بھٹک گئیں۔ قدرت کا آہنی کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا اور یہ ایسی تباہ ہوئیں کہ اب ان کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ قرآنِ حکیم اور توریت میں ان کا

کہیں کہیں ذکر آیا ہے۔ قرآن نے ان قوموں کو خدا اور اس کے قانون کا باغی قرار دیا ہے اور ان کی تباہی کو انسانیت پر ایک بہت بڑے احسان سے تعبیر کیا ہے! اب بھی عرب کے بعض مقامات پر محکمۂ آثارِ قدیمہ کی کوششوں سے چند ایسے آثار ملے ہیں، جن سے ان قوموں کی عظمت اور ترقی کا کچھ کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

عاد وہی قوم ہے جس کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے لیکن اس قوم نے حضرت ہود ؑ کی شخصیت نہ پہچانی! اور سرکشی کی۔ ہود ؑ کا مذاق اڑایا! اُن پر پتھر پھینکے اس گستاخی کی پاداش میں قدرت نے عاد قوم کو سزا دی اور ساری کی ساری قوم تباہ کر دی گئی۔

قوم عاد تباہ ہوئی تو عرب میں عبیل، عمالقہ، ثمود اور عبد ضخم پھیلے، نہیں کہا جا سکتا کہ عبیل، عمالقہ اور عبد ضخم کی رہنمائی کے لئے کون کون سے نبی آئے۔ قرآن حکیم سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت صالح ؑ قوم ثمود کی ہدائت پر مامور ہوئے مگر یہ سرکش اور خاطی قوم بھی اپنے اسلاف کی طرح سیدھی راہ پر نہ آ سکی۔ نبی ہمیشہ غریب خاندان میں پیدا ہوتے ہیں، حضرت صالح ؑ بھی غریب خاندان کے فرد تھے۔ اُن کے حواری بھی غریب ہی تھے، آلِ ثمود ایسے غریب نبی پر کس طرح ایمان لے آتی۔ اس نے حضرت صالح ؑ سے بے رخی کی، اور قدرت کے عذاب کی شکار ہوئی۔ آلِ ثمود غالباً اس نسل کی آخری کڑی تھی۔

اس کی تباہی کے بعد عرب ایک اور نسل سے واقف ہوا، قحطان نامی شخص نے یہ انسانی بیج بویا۔ قحطان کون تھا۔ مورخین اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔ ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ قحطان کے ایک بیٹے کا نام یعرب یا یمن تھا! اسی نے یمن آباد کیا یعرب بڑی قوت و طاقت کا مالک تھا اس نے اس وقت کے عرب میں اپنی قوت کا خوب مظاہرہ کیا، کمزور قوموں کو ایسا دبایا کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

یعرب کی اولاد عرب کی حاکم بنی اور ان میں سے دو قبیلے حمیری اور ازدی سارے عرب میں پھیل گئے۔ ازدی جنوبی عرب میں آباد ہوئے اور حمیری شمالی عرب میں ملکہ بلقیس ازدی خاندان میں سے تھی۔ اس خاندان نے بہت دنوں تک حکومت کی۔ یمن میں بھی یہی خاندان آباد رہا۔ بعد میں اس خاندان کی ایک شاخ خزاعہ مکہ میں آ بسی، دوسری شاخ مدینہ پہنچی۔

ازد کا بیٹا نصر، تہامہ پہنچا اور خزاعہ کا بیٹا عمران، عمّان گیا۔ عمران کا ایک اور بھائی غسّان شام کی طرف نکل گیا اور مشہور غسّانی خاندان کی بنا ڈالی۔

سیّدنا ابراہیمؑ

عربی میں مستعرب یا مستعربہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اصل میں تو عرب کا باشندہ نہ ہو لیکن بعد میں عرب میں آکر آباد ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب کے باشندے نہ تھے، فارس کے رہنے والے تھے۔ خدا کے حکم پر وہ اپنی بیوی ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکّہ کے بے آب و گیاہ مقام پر چھوڑ گئے۔ یہ خدا کا حکم تھا ابراہیم علیہ السلام سرتابی نہیں کر سکتے تھے۔ قدرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کو عرب میں آباد کرنا چاہتی تھی۔ حضرت ہاجرہؑ اپنے معصوم بچے سمیت یہاں رہنے لگیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کے اعجاز سے زمزم کی صورت میں زمین کی چھاتی سے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا ایک بے نظیر چشمہ نکلا۔ اور وہاں جہاں کوئی متنفس آباد نہ تھا۔ قافلے پر قافلے آنے شروع ہو گئے۔ بادیہ نشین عربوں نے میٹھے پانی کا ایسا دلفریب چشمہ کہاں دیکھا تھا۔ عربوں کے لئے یہ خدا کی بہت بڑی نعمت تھی۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی طفیل انہیں یہ نعمت نصیب ہوئی، وہ اس بچے کی بڑی عزّت کرنے لگے! وہ بچہ بڑھنے لگا۔ کئی سال بعد سیدنا ابراہیمؑ پھر تشریف لائے۔ بچے کو کھلانے اور اس کی پیشانی پر محبّت کا ہاتھ پھیرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے خدا کے حضور قربان کرنے کی خاطر۔ صابر بیوی ہاجرہ نے بچے کو صاف ستھرے کپڑے پہنا کر باپ کے ساتھ بھیج دیا۔ بزرگ باپ اسے مضبوط دل کے ساتھ ذبح کرنے بیٹھے، آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی! اوپر سے آواز آئی، ابراہیم ہم نے تمہارا امتحان لیا تھا۔ تم ثابت قدم نکلے تمہاری قربانی منظور ہو گئی۔ باپ، بیٹا، اور ماں تینوں خوش تھے کہ ان کے خدا نے ان کی نذر قبول بھی کر لی اور ان کو کسی قسم کی اذیت بھی نہ پہنچی! ابراہیمؑ کچھ دن یہاں رہے

پھر واپس تشریف لے گئے اور اسماعیل اور ان کی ماں دونوں ایک ساتھ رہنے لگے۔ حضرت اسماعیلؑ پندرہ سال کے تھے کہ حضرت ہاجرہ انتقال فرما گئیں۔ مکہ والوں نے اس بزرگ بچے کی شادی عمالقہ کی ایک لڑکی سارہ سے کر دی۔ بزرگ باپ پھر کہیں سے آ نکلے۔ بہو انہیں پسند نہ آئی، شائد خدا کا یہ حکم تھا۔ اسماعیلؑ نے فرمانبردار بیٹے کی طرح اسے طلاق دے دی اور سیدہ بنت مضاض سے نکاح کر لیا۔

باپ بیٹا اب ایک ساتھ رہنے لگے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی، باپ معمار تھا اور بیٹا مزدور، مقدس معمار اور پاک مزدور نیکی اور پاکیزگی کی بنا پر خدا کے گھر کی دیواریں بلند کر رہے تھے اور دونوں کی زبان پر ایک ہی سے الفاظ تھے۔

"مولا، اس محنت کو قبول فرما" [1]

اور ان کے مولا نے یہ محنت قبول فرمالی۔ خانہ کعبہ دنیا کے سب معبدوں سے زیادہ محترم بن گیا۔ عرب کے تمام لوگ دُور دُور سے اس گھر کی طرف کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور مکہ کی شہرت ملک بھر میں پھیل گئی۔ حضرت ابراہیمؑ تو خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد وطن لوٹ آئے مگر اسماعیل علیہ السلام یہیں رہے انہیں بارگاہِ قدسی سے نبوت کا منصب عطا ہوا۔ باپ کی جگہ انہیں عرب کی ہدایت و رشد کا کام سونپا گیا۔ جرہم اور عمالقہ کے قبیلے حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اسماعیلی دین پھیل نکلا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر سال حج کے لئے تشریف لایا کرتے اور بیٹے کے کام میں مفید مشورے دیتے۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد خوب پھیلی اور یہ آہستہ آہستہ مکہ سے نکل کر سارے عرب میں پھیل گئی۔

---

[1] قرآن حکیم [2] طبری۔

عدنان حضرت اسماعیلؑ کے پوتے تھے۔ انہوں نے بڑی ناموری پائی۔ ان ہی کے ایک پوتے فہر بن مالک قریش کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ قریش میں زیادہ شہرت عبد مناف کی اولاد کو ملی اور اس اولاد میں سب سے زیادہ سعادت ہاشم کے حصہ میں آئی کہ رسول اللہ ان کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔

زندگی کا اندھیرا

تیسرا باب

تمدن یا تہذیب یہ دونوں، آسودگی، سکون، دلجمعی اور دولت کی پیداوار ہیں۔ وہی قوم ایک خاص تمدن اور تہذیب کی بنا ڈالتی ہے جسے یہ سب نعمتیں میسر ہوں، مگر عرب کے ریگستان میں بسنے والے وحشی عرب کسی تمدن و تہذیب کی بنا نہ رکھ سکے۔ ان میں سے اکثر تو خانہ بدوشی کے سوا کچھ جانتے نہ تھے وہ کبھی اس چشمہ پر ہوتے تو کبھی کسی دوسرے کی تلاش میں سرگرداں پھرتے نظر آتے۔ جو قوم اپنے کندھوں یا اونٹوں پر اپنا گھربار لادے لادے پھر رہی ہو وہ کسی تمدن یا تہذیب کی داغ بیل کیسے ڈال سکتی ہے۔ سچ پوچھئے تو حضورؐ سے پہلے کا عرب ہمارے سامنے اپنے تمدن کا کوئی خاکہ پیش نہیں کر سکا۔ خانہ بدوشی! بات بات پر قتل و خونریزی! تمدن انسانی کو برباد کر سکتی ہے اس کی تعمیر نہیں کر سکتی البتہ ایک بھونڈی سی معاشرت وجود میں آجاتی ہے ایسی ہی معاشرت عربوں کی تھی اس معاشرت کو تہذیب کہہ لیجئے یا کوئی اور نام دے لیجئے عربوں کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا اور معاشرت بھی کیسی تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ لڑائی نہ صرف سالوں چلتی تھی بلکہ وہ ... [illegible]

سلسلہ جاری رہتا اور یہ لڑائی کن باتوں پر ہوتی، زید نے اپنے اونٹ کو پہلے کیوں پانی پلایا۔ اور عمر کا اونٹ کیوں پیچھے ہٹا دیا گیا۔ یہ لڑائی کی ابتدا تھی، اور انتہا کئی کئی خاندانوں کے خاتمہ پر ہوتی۔ عرب کا ریگستان اس انسانی خون کو چوس جاتا اور عرب بھول جاتے کہ فلاں وقت پر کتنا خون بہا۔ ان کے دماغ البتہ ابتدا کو ضرور یاد رکھتے۔ اور یہ یاد نسلاً بعد نسل دماغوں میں منتقل ہوتی جاتی۔ اور عداوت کا یہ رشتہ کبھی ٹوٹنے نہ پاتا۔ لڑائی جہاں انسانی خون کی ارزانی کا باعث ہوتی ہے۔ وہاں انسانی طبائع میں جرأت و بہادری کا جوہر بھی پیدا کرتی ہے۔ عرب بڑے بہادر، جری اور حوصلہ مند تھے۔ کہیں سے آواز آئی کہ ہماری چراگاہ میں اس قبیلے کے مویشی پہنچ گئے، سارا خاندان اس آواز پر لپکتا، مویشی پکڑ کر ذبح کر دیئے جاتے اور جو مدافعت کرتا۔ اس کے گلے پر چھری پھر جاتی۔

یہ کاروبارِ زندگی کا ایک دلچسپ کھیل تو ہے لیکن اس سے قومیں بنا نہیں کرتیں البتہ بگڑ ضرور جاتی ہیں۔ عرب بھی بگڑ گئے تھے۔ شراب، جوا، زنا، چوری، ڈاکہ اور جھوٹ ان کی شریفانہ خصلتیں تھیں۔ عرب ان پر فخر کرتے اور جس میں یہ خوبیاں نہ پائی جاتیں اسے ذلیل سمجھا جاتا۔ یوں عشق اور شاعری گو اس قبیل سے بہت مختلف ہے لیکن عربوں کی شاعری اور عشق بھی معیار سے بہت پست تھا۔ عاشق اپنی محبوبہ کی بدنامی کو انتہائے عشق سمجھتا۔ کوچہ بکوچہ اور صحرا بصحرا اس کے حسن کی تعریف میں شعر گاتا پھرتا۔ شاعری عشق کی پیداوار ہے۔ اس لئے عربوں کی شاعری، زیادہ تر عشق اور کسی حد تک حماسہ یعنی بہادری اور جرأت کے کارناموں پر مشتمل ہے۔ شاعری اور بہادری انسانی تمدن کے اجزا ضرور ہیں لیکن صرف ان ہی سے انسانی تمدن کی تعمیر نہیں ہوتی۔ عرب شاعری لڑائی، عشق، جوئے، چوری، زنا، ڈاکے اور جھوٹ کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے بہادر آدمی مہمان نواز ضرور ہوتا ہے، عرب بھی مہمان نواز تھے۔ دشمن گھر پر آ جاتا اس کی مہمان نوازی میں سارا خاندان مصروف ہوتا۔ بہادر صاف گو بھی ہوتا ہے عرب

صاف گو بھی تھے۔ اور ان کی یہی صاف گوئی ہمیشہ ان کے ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھتی
ہر غیر متمدن قوم کی طرح عرب بھی عورت سے بُرا سلوک کرتے۔ لڑکی کی پیدائش
خاندان کے لئے سب سے بڑی نحوست تھی۔ زندہ بچیاں زندہ درگور کر دی جاتیں۔ اس
وقت عصمت عورت کا جوہر نہیں تھا بے عصمتی ہی اس کی خوبی تھی۔ اس وقت کی
عورت عصمت کی حفاظت کر بھی نہیں سکتی تھی جبکہ مرد عصمت دری کو شرافت نہ
سمجھتے تھے۔

محبوبہ کی تعریف میں شعر کہنے والے تو بہت تھے۔ مگر ان کے ساتھ انسانیت و
شرافت کا سلوک کرنے والے بہت کم تھے۔ ایک عورت کئی کئی مردوں سے شادی
کر سکتی تھی۔ مرد جتنی عورتوں سے ازدواجی تعلقات چاہتا رکھ سکتا۔ وہ مظلوم
عورتیں جنہیں عرب کسی دوسرے خاندان سے لڑائی لڑنے کے بعد جیت کر پکڑ لاتے
لونڈیاں کہلاتیں (اور عرب اپنی لونڈیوں سے اعلانیہ بدکاری کراتے۔ عربوں کی آمدنی
کا یہ بھی ایک شریفانہ ذریعہ تھا) اولاد کی خاطر ایک منکوحہ عرب عورت دوسرے مرد
کے پاس جا سکتی تھی اور خود خاوند اسے شرافت کے وقت دوسرے مردوں
کے پاس بھیجتا۔ یہ ذلت نہیں تھی اور نہ ہی اس میں کوئی قباحت تھی۔ شریف سے
شریف مرد اسے غیرت کے خلاف نہیں سمجھتا تھا۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ شرافت
اور رذالت، یہ انسان کی اپنی فطرت کی پیداوار ہے۔ وہ جسے ذلت سمجھ لیتا ہے وہ
ذلت ہو جاتی ہے اور جسے شرافت قرار دیتا ہے وہ شرافت بن جاتی ہے۔ عربوں
کی فطرت نے رذالت اور شرافت کا جو معیار قائم کیا تھا۔ وہ عام انسانی فطرت کے
مطابق نہ ہو لیکن عربوں کی فطرت کے مخالف نہ تھا۔

غور کا مقام ہے کہ عرب جس عورت سے عشق کرتے وہ جب ان کی ہو جاتی تو اس
کی حیثیت لونڈی سے بہتر نہ سمجھی جاتی۔ مرد جب چاہتا اسے ٹھکرا دیتا اسے ماں کہہ دیتا

اُسے بہن بنالیتا۔ یا اپنے گھر میں مردانہ زنجیروں میں باندھ کر ڈال دیتا! اس کی حکومت تھی! اسے کون روک سکتا تھا۔

آپ کی بیویاں بیٹے کو وراثت میں ملتیں اور وہ اپنی حقیقی ماں کے علاوہ سب سے ازدواجی تعلقات قائم کرلیتا! انسانی شرافت اس گھناؤنی تصویر کو دیکھ کر انگلی دانتوں میں دبالیتی ہے لیکن عربوں کی شرافت یہی تھی۔ سینکڑوں سال کی عادت نے اس ذلت کو بھی شرافت بنادیا تھا۔ پھر یہ شراب بھی پیتے! اور شراب کے عالم میں عورت سے مٹی کے حقیر کھلونے کی طرح کھیلا جاتا! اس بے چاری کو وہ جوئے میں بھی ہار دیا کرتے۔

عرب جوّا خوب کھیلتے اور وہ بھی عجیب وحشیانہ انداز سے۔ ہر گاؤں، ہر بستی اور ہر قافلے کے پاس تیروں کا ایک بنڈل ہوتا۔ یہ تیر صرف جوّا کھیلنے کے کام آتے۔ انہوں نے انہیں نام کا شرف بھی بخشا تھا۔ فذ، توام، رقیب، نافس، حلس، سبل، معلّٰی، فسیح، منیح اور وغد، ان کے نام تھے) تیروں کے علی الترتیب حصے متعین کردئیے گئے تھے۔ مثلاً فذ کا ایک، توام کے دو، رقیب کے تین، نافس کے چار، حلس کے پانچ، سبل کے چھ، معلّٰی کے سات، باقی تین بدنصیبی کی علامت تھے۔ تیروں کے ذریعے جوّا عموماً گوشت کو مقصود بنا کر کھیلا جاتا۔ دس اشخاص بکریاں خرید لیتے! انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا۔ پھر برابر برابر اٹھائیس ڈھیریاں بنائی جاتیں تیر کسی غیر جانبدار شخص کے ہاتھ میں سونپ دیئے جاتے۔ وہ ایک ایک تیر شرکاء میں بانٹ دیتا۔ جس کو جو تیر ملتا اسی حساب سے اُسے گوشت کے حصے مل جاتے۔ جن کو آخری تین تیر ملتے وہ حصوں سے محروم سمجھے جاتے۔ جوّا کھیلنے کا ایک اور طریقہ بھی تھا! اور وہ یہ کہ ریت کی دو ڈھیریاں بنا کر ان میں سے کسی ایک میں کوئی چیز چھپا دی جاتی۔ اور پھر پوچھا جاتا۔ کہ چیز کس ڈھیری میں چھپی ہے۔ جو بھی صحیح پتہ دے دیتا اُسے وہ چیز مل جاتی۔ چند اور طریقے بھی تھے مثلاً کنکریاں پھینکنا۔ اناج کی ڈھیری پر چادر ڈال دینا۔

(وحشی قومیں عموماً چوری اور ڈاکہ میں بہت نامور ہوتی ہیں۔ عرب بھی وحشی تھے اس لئے چوری اور ڈاکہ ان کے شریفانہ پیشے تھے وہ راہ چلتے مسافروں کو لوٹ لینا اور انہیں قتل کر دینا بڑی بہادری سمجھتے تھے۔ وہ راستوں پر چھپ کر بیٹھ جاتے جو قافلہ گزرتا اسے غافل پاکر اس پر حملہ کر دیتے۔ عورتیں پکڑ لیتے۔ یہ لونڈیاں بنائی جاتیں اور قوی مرد عموماً مار ڈالے جاتے۔ بچوں کو غلامی کی منحوس چادر میں چھپا لیا جاتا اور پھر غلاموں کی نسل چلتی۔ جہالت کے دور میں عربوں نے شاعری میں بہت نام پیدا کیا۔ تقریباً ہر خوش فکر عرب فی البدیہہ شعر کہتا۔ عشق اور حماست عام موضوع تھے۔ عرب شاعر اشعار میں اپنی زبان سے اپنی اور اپنے خاندان کی بہادری کی تعریف کرتا اس کا فکر اپنی تحریف میں بڑی روانی دکھاتا۔ عورتوں کے عشق میں علانیہ اشعار کہے جاتے۔ بعض اشعار تو حد سے زیادہ فحش ہوتے اور شاعر اس فحش گوئی کو بہت بڑا کمال سمجھتے۔

سالانہ میلوں۔ دعوتوں اور حج کے دنوں میں شاعری کی بڑی بڑی محفلیں منعقد ہوتیں اور مشہور شاعر قصائد لکھ کر لاتے، جو قصیدہ سب سے اچھا ہوتا وہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا جاتا جس شاعر کا یہ قصیدہ ہوتا وہ سال کا بہترین شاعر سمجھا جاتا۔

عرب انتہا درجہ کے توہم پرست تھے انہیں جنگلوں اور ویران مقامات میں خبیث ارواح چھاؤنیاں ڈالے نظر آتیں، کوئی جگہ ایسی نہ ہو گی جہاں عربوں کے خیال میں کوئی نہ کوئی خبیث روح نہ رہتی تھی مگر یہ دماغ ایسے ہی توہمات کا مرکز ہوتے ہیں۔ بچپن میں جب ہمارا دماغ کچا ہوتا ہے تو ہم جنوں، پریوں، اور بھوتوں کے قصے مزے لے لے کر سنتے ہیں۔ مگر جوں جوں حقیقت و واقفیت کی نگاہ کھلتی جاتی ہے یہ جادو اترتا جاتا ہے۔ عرب دماغی اعتبار سے بچے تھے اور پھر بہت ہی کم عمر بچے وہ ہر بیماری کو کسی آسیب کا اثر سمجھتے۔ بیماریوں کے نام سے انہوں نے بھوتوں کے نام

رکھے تھے، وہ جس بیماری میں مبتلا ہوتے اسے اس نام کے بھوت کی طرف منسوب کر دیتے مصیبت کے وقت وہ گھر کے اصلی دروازے سے نہیں، پچھلی دیوار توڑ کر اندر آتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح مصیبت اُن کا پیچھا چھوڑ دے گی۔

// انسانی خیالات کی یہی پستی بت پرستی کا موجب بنتی ہے۔ عربوں نے بھی بہت سے خیالی بُت بنا رکھے تھے، کوئی رزق کا دیوتا تھا، کوئی بارش کا، کسی سے رحم منسوب تھا اور کسی سے غضب، قدم قدم پر بتوں کی دنیا آباد تھی۔ اس دنیا کی آبادی دن بدن بڑھتی تھی گھٹتی نہ تھی۔ عرب کا ہر فرد، ہر دن کوئی نہ کوئی نیا بت تلاش کر لیتا تھا۔ عربوں کو گویا بت بنا کر پوجنے کی ایک عادت پڑ گئی تھی، بتوں سے انہیں ایک قسم کا عشق تھا اور یہ عشق تعددِ محبوب کی طرح تعددِ الٰہ کا قائل تھا۔ خانہ کعبہ جسے اسکے مقدس معمار ابراہیمؑ نے توحید کی بنیادوں پر استوار کیا۔ بتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ سب سے پہلے کعبہ میں جس شخص نے بت رکھے۔ وہ حجاز کا بدبخت بادشاہ عمرو بن لحی تھا۔ اساف اور نائلہ زمزم پر اور ہبل خانہ کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا! اور عربوں سے کہا گیا، کہ ان بتوں کی پوجا کریں۔ عرب خود دل سے یہی چاہتے تھے انھوں نے نہ صرف ان بتوں کی پوجا کی بلکہ خود نئے نئے بت بنا کر خانہ کعبہ میں رکھے۔ یہاں تک کہ ان بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچ گئی۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی قبیلہ کا نمائندہ تھا عرب حج کے دنوں میں مکہ آتے تو ان سب نمائندہ بتوں کی پوجا کرتے۔

خانہ کعبہ کی طرح بتوں کے کئی اور مرکز بھی تھے لیس، ذوالخلصہ، سعیدہ، ذوالکعبات اور کعبہ نجران، ان کو خانہ کعبہ سا تقدس اور حرمت بخشی گئی۔ عرب ان مقامات کا بھی خانہ کعبہ کی طرح حج کرتے ہبل کے ساتھ خانہ کعبہ میں شمس بھی ایک بت تھا اور یہ اور ہبل سب سے بڑے بُت تھے، خانہ کعبہ میں ان بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم علیہا السلام کے بُت بھی تھے اور ان کی پوجا

بھی ہوتی۔ بتوں کے نام پر قربانیاں بھی کی جاتیں، بت پرست جب حج کو آتے۔ تو اپنے ساتھ قربانی کے لئے جو جانور لاتے انہیں بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا۔ ان کا خیال تھا کہ بت خون بہانے سے خوش ہوتے ہیں، قربانی کے جانوروں کے گلوں میں جوتوں کے ہار ڈالے جاتے۔ اُن کے کوہان زخمی کر دیئے جاتے تاکہ دوسرے عام اونٹوں اور ان میں امتیاز ہو سکے۔

ریگستان کی رات ہو، اور آسمان پر ستارے چمک رہے ہوں، تو دل خود بخود ان کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ عربوں میں بھی غالباً ستارہ پرستی کی رسم اسی طرح آئی، پہلے وہ ستاروں کو اچھا سمجھتے تھے۔ بعد میں ان کی پرستش کرنے لگے۔

چاند ان سب معبودوں میں زیادہ حسین اور زیادہ محبوب سمجھا جاتا۔ یہی ان کی تاریک اور لمبی راتوں کو روشن کرتا۔ یہ سمجھتے، انہیں ٹھنڈی اور میٹھی روشنی بخشنے والا اُن داتا ہے۔ انہیں کسی نے یہ سمجھایا نہ تھا، اور اگر سمجھایا تھا تو وہ بھول گئے تھے۔ کہ خود چاند کی روشنی مستعار ہے۔ وہ خود مخلوق ہے۔ اور وہ خود ان ہی کی طرح محتاج ہے۔ اس پر بھی عدم کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ ان کی آنکھیں اسے غروب ہوتا دیکھتیں مگر وہ حقیقت تک نہ پہنچ پاتیں۔

تو ہم پرستی، بتوں، اور ستاروں کی پوجا، دماغ میں جو اختلاط پیدا کرتی ہے اس کا نتیجہ کہانت یا غیب دانی پر ایمان لانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ عرب غیب کی باتیں معلوم کرنے کے بہت مشتاق تھے۔ جہاں غیب کی باتیں معلوم کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے وہاں غیب دان خود بخود پیدا ہونے لگتے ہیں۔ عربوں میں بھی جگہ بہ جگہ ان لوگوں نے جنم لیا اور جاہلوں کی جہالت سے خوب فائدہ اٹھایا۔

کہانت کے عام رواج نے اسے ایک فن کی حیثیت دے دی تھی اور اس کی

بھی کئی قسمیں بن گئی تھیں، پچھلی باتیں بتانے والے کو کاہن اور اس علم کو کہانت کہا جاتا۔ آئندہ کے حالات بتانے والے کو عراف کا نام ملا۔ کہانت کا دروازہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے کھلا تھا۔ مردوں کو مرد کاہن بے وقوف بناتے۔ اور عورتوں کو کاہنہ عورتیں اپنے قابو میں رکھتیں۔ جو لوگ آئینہ دیکھ کر یا برتن میں پانی بھر کر آئندہ واقعات کی پیشین گوئی کرتے انہیں ناظر کہا جاتا تھا۔ کچھ لوگ کنکریاں پھینک کر بھی قسمت کا حال بتاتے تھے۔ ایسے لوگ طارقین حصیٰ کہلاتے، کچھ ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تعویذ گنڈے کرتے۔ غرض عرب کے باشندے توہم پرستی کے جال میں بری طرح پھنسے تھے اور یہ نشہ ایسا سخت تھا۔ کہ اسے اس وقت تک کوئی ترشی اتار نہ سکی تھی۔

چند شعاعیں

چوتھا باب

عربوں کو زندگی کے اندھیرے سے نکالنے کے لئے اللہ نے اپنے کئی بندوں کو بھیجا۔ قرآن حکیم نے حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کا ذکر بہت سی جگہوں پر کیا ہے حضرت ہودؑ قوم عاد اور حضرت صالحؑ قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ دونوں قومیں انبیا کے پیغام کو ٹھکرانے کی سزا میں ہلاک ہوئیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشریف لائے۔ مکّہ ان کا مرکز تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تو یہیں بس گئے تھے البتہ حضرت ابراہیمؑ سال میں ایک دو دفعہ تشریف لایا کرتے۔ مکّہ کے آس پاس کے قبائل حضرت اسمٰعیلؑ پر ایمان لائے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد وقت کی چکّی نے وہ دماغ پیس ڈالے جنہیں حضرت اسمٰعیلؑ نے روشنی بخشی تھی۔ اور آنے والی نسل اندھیرے کی بھول بھلیوں میں کھو گئی، حضرت شعیبؑ نے ایک نئی راہ نکالی، وہ خود اس پر چراغ ہاتھ میں لے کر بڑھے انھوں نے کہا اس چراغ کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ مگر لوگ اندھیرے سے مانوس ہو گئے تھے انھوں نے شعیبؑ کے چراغ سے کچھ فائدہ

نہ اٹھایا۔ پھر موسیٰؑ ایک بڑا چراغ لے کر آئے۔ انھوں نے یہ چراغ حجاز میں نہیں مصر میں روشن کیا۔ اور اس کی روشنی فرعون مصر کی آنکھوں کو خیرہ کرتی۔ بنی اسرائیل کی رہنما بنی۔ بنی اسرائیل، دنیا میں پھلے پھولے۔ مگر بخت نصر نے۔ یہ پھل اور سایہ دار درخت اکھیڑ ڈالے۔ موسیٰؑ کے ماننے والوں کو مصر کی سرزمین سے نکال دیا گیا۔ ان میں سے کچھ حجاز میں آن بسے۔ اور بت پرست عربوں پر زندگی کی ایک اور راہ کھلی۔ مگر یہ راہ بھی ہوتے ہوتے دھندلی پڑ گئی۔ موسیٰؑ کے نقش پا ایک ایک کر کے سارے کے سارے مٹ گئے۔

تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں مسیحؑ کے ماننے والے عرب پہنچے انتہائی نرم روی اور ضرورت سے زیادہ انکسار اپنے ساتھ لائے۔ عرب، جنگجو، ڈاکو اور خونی تھے۔ اور عیسائی مبلغ انہیں رحم کا دیوتا بنانا چاہتے تھے۔ ان دونوں میں خوب جنگ ہوئی۔ عیسائی مبلغوں کی پشت پر رومی حکومت تھی اس لئے عرب کے سرحدی علاقے عیسائیت کو قبول کر گئے۔ باقی عرب اپنی راہ پر چلتے رہے۔

عربوں کے اندر خود ایسی جماعت موجود تھی جو بت پرستی کو برا سمجھتی، جو اوہام پر ایمان نہ لاتی۔ مگر یہ لوگ بہت تھوڑے تھے۔ اور تھوڑے ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر ان کی اپنی راہ روشن نہ تھی۔ وہ کہتے، بت پرستی بری ہے۔ بت بے جان و بے حقیقت ہیں۔ یہ تاریکی کا باعث ہیں۔ لوگ ان سے پوچھتے۔ پھر روشنی کہاں ہے۔ نور کا مینار کس سمت ہے؟ جن سے یہ بات پوچھی جاتی انہیں خود کچھ معلوم نہ تھا، وہ خود دھندلکے میں الجھے تھے۔ روشنی کا چہرہ انہیں، خود نظر نہ آیا تھا۔ وہ کس سمت اشارہ کرتے۔ اور کیسے روشن مینار سے تعبیر کرتے۔

چاند طلوع ہوا

پانچواں باب

اچانک افقِ عالم پر چھائے ہوئے بوجھل سیاہ بادل چھٹ گئے۔ گناہ کے جیرے کانپنے لگے۔ کہ آمنہ کی گود میں جس ماہِ منیر نے طلوع فرمایا اس کی روشنی ، کائنات کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا تھا۔ فرشتوں نے مسرت کے گیت گائے۔ روں نے مبارک وسلامت کے نغمے الاپے۔

آمنہ کی گود میں طلوع فرمانے والے اس چاند کا نام دادا نے محمد رکھا۔ آمنہ اس ند کو دیکھتیں۔ تو اس کی پیشانی سے پھوٹنے والے نور کے چشمے آمنہ کے دل و دماغ تابناک بنا دیتے۔

گھر بھر میں، خوشی اور مسرت عجب والہانہ ناچ ناچ رہی تھی۔ عبدالمطلب مسکرا ہے تھے۔ کہ پوتے کی نورانی صورت دیکھی اور عبدالمطلب کے عقیدت مند خوش تھے۔ کہ بدالمطلب کے چہرے پر مسرت کی لہریں پھر پیدا ہونے لگی ہیں۔ جناب عبداللہ کی موت نے ناب عبدالمطلب کا شیشہ دل توڑ دیا تھا۔ اب یہ پھر جڑتا ہوا محسوس ہوا۔ آمنہ کا م بھی جاتا رہا۔ اب انہیں شوہر کی جیتی جاگتی نشانی مل گئی تھی! اور وہ اس نشانی کو

سینہ سے لگائے اتنی خوش تھیں جیسے تخت شاہی پر بیٹھ گئی ہوں۔
شرفائے قریش کے ہاں جو بچے پیدا ہوا کرتے انہیں بچپن کے چند سال کھلی فضا میں گزارنے کے لئے کسی نہ کسی گاؤں میں بھیج دیا جاتا۔ حضورؐ کو پیدائش کے تین چار دن تک حضرت آمنہؓ دودھ پلاتی رہیں۔ پھر ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ اور پھر یہ چاند ان دونوں گودیوں کو سنوار کرنے کے بعد حلیمہ سعدیہؓ کی گود کی زینت بنا۔ وہ حضورؐ کو دودھ پلانے اور پالنے کی خاطر اپنے گاؤں لے گئیں۔ ان کے گھر میں افلاس اور غربت اور بدنصیبی کا اندھیرا ہر طرف پھیلا تھا۔ محمدؐ کی خوش بختی نے یہ ساری تاریکیاں دُور کر دیں۔ اور ان کے صدقے حلیمہ سعدیہؓ کے نصیب جاگ اٹھے۔
حلیمہ حضورؐ کو سال میں دو دفعہ مکہ لایا کرتیں۔ اور حضرت آمنہؓ اور جناب عبدالمطلب سے ملا کر پھر گاؤں لوٹ جاتیں۔ حضورؐ چار سال کے تھے۔ کہ جناب آمنہؓ نے حضورؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ حضورؐ دو سال تک حضرت آمنہؓ کے ساتھ رہے۔ چھ سال کی عمر میں حضورؐ کو ساتھ لے کر حضرت آمنہؓ مدینہ تشریف لے گئیں۔ واپسی میں ابواء میں تھیں کہ فرشتۂ اجل آ پہنچا۔ حضورؐ کے باپ پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔ اب ماں بھی دوسری دنیا کو سدھاریں تو شفیق دادا نے ماں کی محبت اور باپ کی پوری ذمہ داری سے حضورؐ کی پرورش شروع کی۔ دو سال بعد دادا کا بھی انتقال فرما گئے۔ اب حضور اپنے چچا ابوطالب کی سرپرستی میں آ گئے۔
جناب ابوطالب نے حضورؐ کی پرورش میں انتہائی محبت اور شفقت کا مظاہرہ کیا۔ نہ جانے کیا بات تھی، کہ ابوطالب اس متاعِ گراں کی بڑی حفاظت کرتے۔ دن کو تو حضورؐ جہاں چاہتے جاتے۔ مگر رات کو ابوطالب انہیں اپنے پاس سلاتے۔
بچپن میں بچوں کی دُنیا، کھیل کود سے آباد ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت کھیلنے کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں لیکن سید کون و مکان کا بچپن سب سے نرالا تھا۔ حضور

بچوں کے ساتھ کھیل کود میں کبھی شریک نہ ہوتے اس وقت، بچوں کو یقیناً اس انوکھے بچے پر تعجب ہوتا ہوگا۔ وہ سمجھتے ہوں گے، یہ عجیب بچہ ہے، نہ کھیلتا ہے نہ کودتا۔ یہ سچ مچ عجیب بچہ تھا، جو اس دنیا میں کھیلنے اور کودنے کے لئے نہیں آیا تھا۔

حضورؐ کے چچا ابوطالب تاجر تھے، وہ اکثر شام کا سفر کیا کرتے۔ ایک دفعہ وہ شام جانے لگے۔ تو حضورؐ نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر صرف بارہ سال تھی، چچا انہیں ساتھ لے گئے۔ رستہ میں تھے کہ بصریٰ کے ایک عالم اور صاحب بصیرت راہب بحیرہ نے حضورؐ کو دیکھا اور نبوت کی نشانیاں پہچان لیں انھوں نے جناب ابوطالب کو حضورؐ کی عظمت سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ جیسے بھی ہو اس بیش بہا سرمایہ کو مکہ واپس لے جاؤ۔ جناب ابوطالب شام جا رہے تھے وہاں یہودیوں کی آبادی تھی، بحیرہ کا خیال تھا کہ شاید یہودی حضورؐ کو کوئی تکلیف پہنچائیں، جناب ابوطالب نے بحیرہ کی بات مان لی اور آگے نہیں بڑھے وہیں سامان تجارت فروخت کیا اور پہلے سے زیادہ نفع کمایا اور مکہ واپس آگئے۔

حضورؐ نے بچپن میں بکریاں بھی چرائیں اور اس پر فخر بھی کیا۔ چند سال گلہ بانی میں کٹے، حضورؐ پندرہ سال کے ہوگئے کہ حرب فجار کے شعلے چوتھی بار بلند ہوگئے۔ یہ لڑائی عکاظ کے میلہ کی پیداوار تھی۔ عکاظ میں ہر سال بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ عربوں کے مشہور اور غیر مشہور خاندان سب اس میں شریک ہوتے تھے ایسے میلہ میں ہوازن اور قریش میں چل گئی۔ اور بات یہاں تک بڑھ گئی کہ طرفین نے ہتھیار اٹھالئے اور خوب لڑائی ہوئی۔ باہمی عداوت کا یہ بیج جو ایک دفعہ بو یا جاچکا تھا، دبایا نہ جاسکا۔ چار دفعہ پوری تیاری کے ساتھ دونوں خاندان ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے۔ قبائل قیس ایک طرف تھے اور قبائل کنانہ دوسر

طرف، چوتھی لڑائی کے وقت حضورؐ کی عمر پندرہ[1] سال کی تھی، اس لیے حضورؐ بھی جنگ
شریک ہوئے۔ حضورؐ چونکہ بچّے تھے اس لئے حضورؐ کے ذمہ صرف یہ کام لگایا گ
آپ اپنے چچاؤں کو تیر دیتے رہیں۔

---

[1] طبری، سیرت ابن ہشام۔ کامل ابن اثیر اور ابن خلدون نے عمر کے باب میں اختلا
کیا ہے ان کا خیال ہے کہ حضورؐ کی عمر اس وقت دس سال کی تھی۔

شعاعیں پھوٹ نکلیں

چھٹا باب

جوانی میں فطری رجحان کے باعث حضورؐ تجارت پر متوجہ ہوئے۔ شرفائے قریش کے جو قافلے مالِ تجارت ساتھ لے کر شام یا دوسرے سواحل کی طرف جاتے، حضورؐ ان کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ سفر انسانی کردار کو آزمانے کا بہترین آئینہ ہوتا ہے۔ حضورؐ کے ساتھ جو لوگ گئے انھوں نے حضورؐ کو ہر معاملہ میں نیک نیت، اور راستباز پایا۔

شام کے ایک سفر میں جبکہ حضورؐ کا قافلہ ایک عیسائی عبادت گھر کے قریب ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ ایک عیسائی راہب اور عالم نے حضورؐ کو دیکھا، اسے حضورؐ کی صورت کچھ جاذبِ توجہ معلوم ہوئی۔ وہ حضورؐ کے پاس آیا۔ باتیں کیں، نقش و نگار دیکھے تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کے متعلق توریت اور انجیل میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں۔ اس نے حضورؐ کو اس احساس سے آگاہ بھی کر دیا لیکن کون جانے حضورؐ نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کیا رائے قائم کی۔

یہ تجارتی سفر بخیر و خوبی ختم ہوا، حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔ کبھی کبھی سوچتے

عیسائی راہب نے ان سے جو باتیں کیں کیا وہ سچ ہوں گی۔ حضورؐ کی خوش معاملگی، نیکی اور راست بازی کا شہرہ پھیلتا جا رہا تھا۔ مکّہ کی بیوہ عورتیں اور غریب لوگ اپنے زیور اور پونجیاں لے لے کر حضورؐ کے پاس آنے لگے۔ تاکہ حضورؐ انہیں اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیں۔ حضورؐ ان امانتوں کی جان سے زیادہ حفاظت کرتے اور مطالبہ پر ہر چیز جوں کی توں واپس کر دیتے۔ حضورؐ اپنی اس خصوصیت کے باعث مکّہ بھر میں عزیز ہو گئے۔ اور ہر کوئی آپؐ کو امین سمجھنے لگا۔ حضورؐ امین ہونے کے ساتھ ساتھ سچے بھی تھے۔ وہ جس سے وعدہ کرتے اسے پورا کرتے۔ عبداللہ بن ابی مکہ کے ایک عام آدمی تھے۔ ایک دن یہ حضورؐ سے باتیں کر رہے تھے۔ حضورؐ اور وہ دونوں کھڑے تھے۔ عبداللہ کو کوئی ضرورت پیش آئی، وہ وہاں سے جانے لگے۔ اور حضورؐ سے کہہ گئے کہ آپ یہیں ٹھیریئے میں ابھی آتا ہوں۔ عبداللہ آنا بھول گئے۔ تیسرے دن ادھر سے ان کا گزر ہوا۔ دیکھا تو محمدؐ سید کون و مکاں اسی جگہ کھڑے تھے۔ یہ کتنی انوکھی بات ہے۔ مگر حضورؐ تین دن یہیں کھڑے رہے محض اس لئے کہ ایک شخص سے یہیں ٹھیرے رہنے کا وعدہ کیا ہے۔

عرب جیسے بداخلاق ملک میں یہ عظیم الشان کردار ایک عجوبہ تھا۔ یہ بات جس نے سنی اس نے حیرت سے انگلی دانتوں میں داب لی۔ مگر یہ انوکھی بات پسند ہر ایک کو آئی۔ مکّہ کی ایک مالدار اور صاحب حسب و نسب بیوہ خدیجہ نے بھی یہ بات سنی تو ان کے دل میں حضورؐ کے لئے آپ ہی آپ محبت و اخلاص کے جذبات پیدا ہو گئے۔ اور ان کا جی چاہا کہ حضورؐ سے تعلق پیدا کر لیں۔ وہ کارندوں کے ذریعہ تجارت کا کاروبار کرتی تھیں اس کاروبار کو انھوں نے باہمی تعلق کا ذریعہ بنایا۔ اور اپنے بھتیجے خزیمہ کے ذریعہ آپ کو کہلا بھیجا کہ میرے تجارتی قافلے اپنی نگرانی میں شام لے جائیے۔ معاملہ طے ہو گیا۔ اور حضورؐ نے خدیجہ کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور

ان کے لئے کئی تجارتی سفر کئے۔ خدیجہ حیران تھیں، محمدؐ کتنے سچے، کتنے امین اور کتنے پارسا ہیں۔ اور یہ ایک عجیب حقیقت تھی، اور پھر ایسے ماحول میں جہاں امانت اور پارسائی کی کوئی قیمت نہ تھی۔ خدیجہ جوہر شناس تھیں۔ انھوں نے زمانہ دیکھا تھا! چالیس سال کی عمر ہو گئی تھی۔ ان کے سامنے کئی بچے جوان ہوئے اور جوان بڑھاپے کی منزل میں پہنچے۔ مگر ان کے سامنے ایسا کوئی جوان نہ آیا تھا جس کی نگاہ میں شرم اور دل انتہائی پاکباز ہوتا۔ اس لئے خدیجہؓ نے محمدؐ سے درخواست کی۔ مجھے اس پاکباز زندگی میں اپنا ساتھی بنا لیجئے۔ حضورؐ کو اس وقت صرف پچیس سال کے تھے۔ مگر عام جوان نہ تھے۔ حضورؐ کے نزدیک عورت کی جوانی کی قیمت تھی نہ حسن کی، حضورؐ تو صرف سیرت کے شیدا تھے اور خدیجہؓ میں سیرت کی ساری خوبیاں تھیں۔ حضورؐ نے یہ درخواست قبول کر لی اور خدیجہؓ سے نکاح کر لیا۔

اب حضورؐ متاہل زندگی گزارنے لگے۔ پچیس برس کے جوان رعنا نے چالیس سال کی بیوی کے دامن میں اپنے لئے عجیب سکون پایا، اور خدیجہؓ کو ایسا محسوس ہوا جیسے خزاں رسیدہ چمن میں اچانک بہار آ گئی ہو۔ یہ بہار عجیب تھی۔ خدیجہؓ کے باغ زندگی کی ایک ایک پتی ہری ہو گئی۔ سوکھی ہوئی شاخیں ترو تازہ پتوں اور پھولوں سے لد گئیں۔

حضورؐ اب بھی امین تھے۔ ان کے پاس لوگ اب بھی اپنی امانتیں لے کر آتے۔ سرداران قریش کے غلام اور لونڈیاں حضورؐ کے پاس اپنی اپنی شکایتیں لے کر آتے۔ حضورؐ ان کے ساتھ ہمدردی فرماتے، ان کے کام آتے اور دستگیری کرتے۔

سال بیتتے گئے۔ حضورؐ پچیس سے پینتیس سال کے ہو گئے۔ اسی دوران میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا جس سے حضورؐ کی دانائی اور ہوشمندی کا پتہ چلتا ہے۔ خانۂ کعبہ میں آگ لگ جانے سے حرم محترم کی عمارت خراب ہو گئی تھی۔ عرب قبائل مل کر اس

مقدس مقام کی از سرِ نو تعمیر کر رہے تھے

تعمیر کا کام قریب قریب ختم سے کے تھا۔ اور حجرِ اسود کو نصب کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ ہر عرب قبیلے کا سردار یہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کے نصب کرنے کا شرف اسے ملے۔ یہ خواہش بڑھتے بڑھتے تو تو میں میں کی صورت اختیار کر گئی۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں، کہ کچھ دانا لوگ سامنے آئے اور تجویز پیش کی کہ کل صبح تڑکے جو شخص سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہو اسے حکم مان لیا جائے۔

بات معقول تھی، سردارانِ قبائل کے ہاتھ تلواروں کے قبضہ سے اٹھ گئے۔ رات کے وقت سردارانِ قبائل کا ایک بوڑھا اس خدمت پر مامور ہوا۔ کہ سحر کے وقت خانہ کعبہ کے دروازہ پر پہرہ دے۔

ابھی اندھیرا تھا، رات کی تاریکی اپنا دامن ہر چہار سو پھیلائے تھی کہ ایک درمیانہ قامت سایہ خانہ کعبہ کے قریب آیا۔ یہ سایہ دروازہ میں داخل ہوا ہی تھا کہ عرب سردار بھاگے بھاگے آئے۔ دیکھا تو یہ حضورؐ تھے، سردارانِ عرب دیکھتے ہی پکارے، فیصلہ امین آگئے۔ یہ سب لوگ حضورؐ کو امین کہا کرتے۔ امین کے معنی ہیں سچا اور امانت دار۔ حضورؐ ان سب کے نزدیک سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ امانت دار تھے۔ یہ سب لوگ، خوش تھے کہ فیصلہ امین کے سپرد ہوا۔

سب لوگ بلائے گئے۔ حضورؐ نے حکم دیا۔ ایک چادر بچھاؤ۔ چادر بچھ گئی۔ حضورؐ نے حجرِ اسود کو چادر کے دامن میں ڈالا، اور حکم دیا، سب سردار مل کر چادر کو اوپر اٹھائیں چادر کے دامن میں رکھا ہوا حجرِ اسود اوپر اٹھتا گیا۔ جب نصب کے مقام کے قریب پہنچا تو حضورؐ نے پتھر اٹھا کر اصل جگہ پر رکھ دیا۔

سب لوگ خوش تھے کہ حضورؐ نے انتہائی دانائی سے کام لے کر ایک بڑے مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا

جو حدیثیں [illegible] پیش کی جاتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ [illegible]

ساتواں باب

حضورؐ کے گرد و پیش کا ماحول اتنا مکروہ اور تکلیف دہ تھا۔ کہ حضورؐ اس سے گھبرا گئے۔ وہ اکثر سوچتے، یہ عرب کتنے احمق ہیں، کہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ بات بات پہ جھوٹ بولتے۔ زنا کا فخریہ ذکر کرتے اور جوا کھیلتے ہیں۔ کیا یہ سیدھی راہ پر نہیں آسکتے۔ حضورؐ سوچتے سوچتے اکثر گھبرا جاتے اور آبادی سے دور نکل جاتے۔ غارِ حرا سکون کی بہترین جگہ تھی۔ حضورؐ زیادہ تر وہیں رہنے لگے۔ اپنے ساتھ ستو، کھجوریں اور پانی لے جاتے۔ اور دنوں غارِ حرا میں چھپے، معبودِ حقیقی کے تصور میں محو رہتے، ذکر و فکر انسانی دماغ کی پوشیدہ قوتیں بیدار کر دیتا ہے۔ حضورؐ کا سینہ بھی ایک نامعلوم نور سے روشن ہونے لگا، دل میں ایک سکون اور دماغ میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور حضورؐ اپنے رب سے دن بدن قریب ہوتے گئے۔

حضورؐ میں کسی قسم کی اخلاقی کمزوری تو پہلے سے نہ تھی۔ عبادت و ریاضت نے حضورؐ کو روحانی عروج کی اس منزل پہ پہنچا دیا۔ جہاں پہنچ کر بندے اور خدا میں محض مخلوق و خالق کا ایک رسمی سا حجاب رہ جاتا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں یہ منزل نبوت کا نام پاتی ہے

رمضان کی پچیسویں رات تھی، کہ حضورؐ حسبِ معمول غارِ حرا میں بیٹھے عبادت میں مصروف تھے، کہ حضورؐ نے دیکھا، آسمان کی بلندیوں سے ایک پاکیزہ صورت شخصیت نیچے اتر رہی ہے۔ یہ حضرت جبرائیلؑ تھے۔ حضرت جبرائیلؑ نے قریب

آتے ہی حضورؐ سے کہا۔ اِقرأ، پڑھ، حضورؐ بولے، ما انا بقادیٔ، میں تو ان پڑھ ہوں، جبرائیلؑ آگے بڑھے، حضورؐ کو سینہ سے لگایا، اور کہا پڑھ، حضورؐ نے پہلے سا جواب دیا، جبرائیلؑ نے دوبارہ سینہ سے لگایا اور کسی قدر بھینچا، پھر کہا پڑھ، حضورؐ نے پھر پہلے سا جواب دیا۔ تیسری دفعہ جبرائیلؑ نے پہلے سے زیادہ بھینچا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

گویا یہ پہلی وحی تھی، خدا اور بندے میں یہ پہلی بات چیت تھی حضورؐ کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ڈر گئے۔ حضورؐ کی سمجھ میں یہ انوکھی بات نہ آسکی کانپتے جسم اور مضطرب دل کے ساتھ گھر واپس آئے، غم خوار بیوی حضرت خدیجہؓ سے یہ ساری داستان کہ سنائی اور رازدارانہ لہجہ میں فرمایا۔

خدیجہ! مجھے ڈر ہے۔ کہ کہیں میری جان پر نہ بن آئے۔ سمجھدار خدیجہ، اپنے پاک شوہر کے کردار اور اخلاقِ حسنہ کو آزما چکی تھیں انہیں علم تھا کہ محمدؐ نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا ہمیشہ رشتہ داروں کا خیال رکھا۔ ہمیشہ سچ بولا، ہمیشہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کی اس لئے فوراً بول اٹھیں۔

میرے آقا! آپ مطمئن رہیں، خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں کریگا۔
آپ سرخرو ہوں گے۔

اور پھر اس سربلندی کی وجہ بھی کہ دی۔

آپ رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں، آپ سچ بولتے ہیں، غریبوں اور محتاجوں کے ہمدرد اور مددگار ہیں۔ آپ مہمان نواز ہیں،

اور آپ نیکی میں نیک لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا خدا آپ کا ساتھ نہ دے۔

اور سچ مچ اس نے حضورؐ کا ساتھ دیا۔ پاک خدیجہؓ کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے وہ گویا آنے والے واقعات کی تمہید تھے۔ حضرت خدیجہؓ مزید اطمینانِ قلب کے لئے حضورؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل، اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضورؐ کی داستان سنی تو کہنے لگے، یہ تو وحیِ الٰہی ہے، تمہیں وہی منصب عطا ہوا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا۔ اے کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک جیتا رہتا جب تمہاری قوم تمہیں تمہارے وطن سے نکال دے گی۔

حضورؐ نے تعجب سے پوچھا، کیا میری قوم مجھے سچ مچ نکال دے گی؟

ورقہ بولے، ہاں ہر نبی کے ساتھ دنیا والوں نے یہی سلوک کیا ہے۔

پہلی وحی کے بعد کچھ دن تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ ہم بیٹھے بیٹھے تختِ سلطنت پر بٹھا دیئے جائیں تو ہمیں کتنی خوشی ہوتی ہے! اور اگر کسی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو جائے کہ یہ سلطنت شاید چھن جائے گی، تو ہمیں کتنی بے قراری ہوگی۔ یہی حال حضورؐ کا تھا۔ حضورؐ کو انسانیت کا سب سے بلند منصب عطا ہوا۔ مگر وحی رک گئی اور حضورؐ بہت بے تاب ہوئے، یہ بے تابی تھوڑے دن بعد ختم ہو گئی۔ حضورؐ غارِ حرا سے گھر تشریف لا رہے تھے کہ جبرائیل پھر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضورؐ کانپنے لگے۔ کانپتے کانپتے گھر پہنچے، کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ کہ پکارنے والے نے ایک عجیب شان میں پکارا۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

۱۔ صحیح بخاری اور مسلم

اے کمبل اوڑھ کر سونے والے اٹھ کہ وقت آپہنچا۔ تجھے دنیا بھر کو خدا
سے قریب کرنے اور گناہوں سے پاک کرنے کا منصب عطا ہو چکا
اللہ کی اس بخشش پر اس کی بڑائی بیان کر، اور پاک ہو جا۔

یہ تھی اصل خوش خبری نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے کی، اسی میں نبوت کے فرائض بھی بتا دیئے گئے۔ اب وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ جبرائیلؑ وقتاً فوقتاً تشریف لایا کرتے۔

حضورؐ غار حرا میں تھے۔ کہ ایک دن جبرائیلؑ آئے۔ حضورؐ کو ساتھ لے کر دامن کوہ تک گئے، وہاں پانی سے وضو کیا اور کرایا، اور پھر نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔ اور خود بھی نماز پڑھی، گویا نبوت کے بعد حضورؐ کو اصلاح نفس کا جو پہلا سبق ملا۔ وہ نماز پڑھنے کا سبق تھا۔ نماز خدا اور بندے کے مابین راز و نیاز کی باتیں کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور یہی وہ نماز ہے جسے حضورؐ نے معراج المومنین فرمایا۔

مورخین نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ نبوت کے چاند کی نورانی کرنیں سب سے پہلے کن مبارک وجودوں کے دل و دماغ روشن کرنے کا موجب ہوئیں۔ یا حضورؐ پر سب سے پہلے کون لوگ ایمان لائے، اگر غور کیا جائے تو سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ ثابت ہوتی ہیں۔ حضورؐ گھر میں کمبل اوڑھے پڑے ہیں کہ یہ ندا سنتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ پاس ہیں۔ انہیں سب سے پہلے یہ پیغام اور خوشخبری سناتے ہیں۔ وہ حضورؐ کو خوب جانتی تھیں۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ جس پاک وجود نے کسی بڑی سے بڑی بات میں جھوٹ نہیں بولا۔ وہ خدا پر کیسے اتہام لگا سکتا ہے۔ اس لئے فوراً بول اٹھیں۔

صَدَقْتَ سَیِّدِیْ وَاٰمَنْتُ بِكَ

میرے آقا! آپ نے سچ کہا اور میں آپ پر ایمان لائی۔

حضرت خدیجہؓ حضورؐ کو ورقہ کے پاس لے گئیں، تصدیق کے لئے نہیں، خوشخبری سنانے کے لئے، ورقہ کا آخری وقت تھا، مگر اس آخری وقت میں بھی انہیں ایمان لانے کی سعادت مل گئی اور انہوں نے بے اختیار ہوکر کہہ دیا

"محمدؐ سچ کہتے ہیں"

علیؓ حضورؐ کے چچازاد بھائی، اور زید بن حارث حضورؐ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰؓ حضورؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے انھوں نے بھی یہ خوشخبری سنی اور ایمان کی دولت سے مالامال ہوئے۔

دوستوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ حضورؐ کے عزیز دوست اور مکہ کے باثر اور پاکباز تاجر ایمان لائے۔

یہ وہ لوگ تھے جو حضورؐ سے اچھی طرح واقف تھے انھوں نے حضورؐ کے ساتھ زندگی گزاری تھی، اور سچ بات تو یہ ہے کہ ہماری برائی اور اچھائی کی پرکھ، دوست، عزیز اور بیوی سے زیادہ اور کوئی نہیں کرسکتا، یہی وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے ہماری کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں اگر ہم اچھے ہیں۔ تو اس کے شاہد بھی یہی لوگ ہیں اور اگر برے ہیں تو بھی یہی اصل سند ہیں۔

حضورؐ پر سب سے پہلے یہی لوگ ایمان لاتے ہیں، اگر حضورؐ خدانخواستہ غلط بیانی کرتے، یا حضورؐ میں اس قسم کی کوئی کمزوری ہوتی۔ تو یہ لوگ حضورؐ کے پیغام پر کبھی کان نہ دھرتے، مگر ان لوگوں نے نہ صرف حضورؐ کے پیغام کو سنا بلکہ اسے پھیلانے اور عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

حضرت صدیقؓ کی کوششوں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، وہ یہ ہیں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ حضرت ابوسلمہؓ۔ عبدالاسد بن ہلالؓ حضرت

عثمان بن مظعون۔ حضرت قدامہ بن مظعون۔ حضرت سعید بن زید۔ حضرت فاطمہ بنت الخطاب۔ حضرت عمر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت جعفر بن ابی طالب۔ اور حضرت ارقم رضؓ

نبوت کا چاند جو پہلے آمنہ کی گود میں طلوع ہوا تھا۔ خدیجہ کے دامن کو نور سے بھرتا، اور پرکو ابھرا اس کی کرنیں مادی بدلیوں سے چھن چھن کر انسانی سینوں کو روشنی بخش رہی تھی۔ اسلام کی عمارت آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی ابھی حضور نے نبوت کا اعلانِ عام کیا تھا۔ اور نہ حضورؐ کے فدائیوں نے یہ راز کھولا۔ نبوت ابھی راز تھی۔ اور یہ راز ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں منتقل ہوتا جاتا۔ مگر یہ راز زیادہ دنوں تک چھپایا نہ جا سکا۔ اور چھپایا بھی کس طرح جاتا۔ جب اسلام قبول کرتے ہی بُت پرستی اور دوسری حرکات بد سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اور دیکھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ محمدؐ کا اثر رنگ لا رہا ہے۔ قریش ان ایمان لانے والوں کا مذاق اڑانے لگے۔ اور بعض مواقع پر تو جسمانی تکلیفیں بھی پہنچاتے رہے۔

مسلمان اس وقت تک چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن وقاص اپنے چند مسلمان ساتھیوں سمیت پہاڑ کی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکینِ مکہ میں سے کچھ لوگوں نے انہیں دیکھ لیا۔ اور نماز سے روکا۔ حضرت سعدؓ نے تلوار بے نیام کر لی۔ اور ایک مشرک کا سر قلم کر دیا۔ دوسرے بھاگ گئے حضرت سعدؓ وہ پہلے صحابی ہیں۔ جنھوں نے اسلام کی خاطر سب سے پہلے تلوار بے نیام کی۔

حضورؐ کو جناب ابوطالب سے بہت محبت تھی۔ اور ہوتی بھی چاہیئے تھی کہ اس بزرگ نے حضورؐ کو حقیقی باپ کی طرح پالا۔ اور ہر طرح دستگیری کی، حضورؐ کی خواہش تھی کہ ابوطالب بھی ایمان لے آئیں۔ اتفاق کی بات کہ حضورؐ حضرت علیؓ کے ساتھ ایک

گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوطالب ادھر آنکلے، کچھ دیر تک کھڑے دیکھتے رہے۔ پھر پوچھا، بیٹو کیا کر رہے تھے، حضورؐ نے جواب دیا۔ نماز پڑھ رہے تھے! ابوطالب کے لئے یہ نئی چیز تھی۔ پوچھا، تم نے یہ کونسا طریقہ اختیار کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ دینِ ابراہیمؑ ہے۔ آپ بھی اس میں شامل ہو جائیے۔

ابوطالب بولے، میں بڑھاپے میں اپنے باپ دادا کے مذہب سے پھرنا نہیں چاہتا۔ البتہ علیؓ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں اور دیں۔ ابوطالب نے آخری الفاظ علیؓ اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں ابوطالب نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ محمدؐ سچے ہیں۔ یہ دوسری بات تھی۔ کہ وہ سچ کو سچ جانتے ہوئے بھی اختیار نہ کر سکے۔

خاموش تبلیغ کا دور ختم ہوا۔ بارگاہِ قدسی سے حکم دیا گیا۔ کہ اب اپنی نبوت کا اعلانِ عام کر دو۔ حکم کی دیر تھی کہ حضورؐ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے! اور ندا دی۔

"اے قریش!"

پھر قریش کے کئی قبائل کا نام لے لے کر ہر ایک کو پکارا۔ تھوڑی دیر میں ایک بہت بڑا مجمع جمع ہو گیا۔ حضورؐ ابھی پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ وہیں سے فرمایا۔ تم میرے متعلق کیا جانتے ہو۔ عرب بولے۔ تم سچے۔ ایماندار اور امین ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر میں یہ کہوں کہ صبح یا شام دشمن تم پر حملہ کر دیں گے۔ تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے۔ عرب بولے کیوں نہیں آپ کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔ یہ تمہید تھی اعلانِ عام کی! نباضِ فطرت نے نبضِ انسانی پر ہاتھ رکھا تھا مریض اب اپنے علاج سے انکار کرے تو یہ اور بات تھی لیکن وہ اپنے مرض کا اعتراف کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر رک کر حضورؐ نے پھر زبان کھولی۔

"تو سنو، اللہ کا عذاب قریب ہے اس عذاب سے بچنے
کی کوشش کرو اور میری بات مان لو۔"

بد دماغ عرب ہنس دیئے، دامن کوہ میں قہقہوں کی آواز گونج اٹھی۔ ابولہب ضبط نہ کر سکا، اس نے کہا۔ تم تباہ ہو، کیا ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟

بدنہاد ابولہب یہ بات کہہ کر چلتا بنا۔ اس کے ساتھی بھی حضورؐ کا مذاق اڑاتے ہوئے اٹھے اور لوٹ گئے۔ پاکوں کے پاک محمدؐ کو ایک ذلیل انسان نے بددعا دی تھی، ادھر سے اس کا جواب آیا۔

تبّت یدا ابی لهبٍ وتبّ

محمدؐ نہیں ابولہب تباہ ہو۔ محمدؐ تو اس کائنات کی تخلیق کا باعث ہیں، زندگی کا یہ باغ تو انؐ کے لئے لگایا گیا۔ وہی تو اس باغ کی رونق ہیں۔ وہی تو اس چمن کی بہار ہیں۔ بہار جاتی رہے تو چمن میں کیا دلچسپی رہے گی۔ مگر ابولہب اور اس کے غافل ساتھی، قدرت کا یہ پیغام سُن نہ سکے! ان کے دل کے کان تو بند تھے انہیں یہ آواز کس طرح سنائی دیتی۔ یہ آواز تو وہی لوگ سُن سکتے تھے جنکے دلوں کے کان کھلے تھے! دران میں کفر اور بداخلاقی کی میل نہیں جمی تھی۔ کفار حضورؐ کا مذاق اڑاتے رہے لیکن حضورؐ تبلیغِ حق کا کام کرتے رہے۔

چند دن بعد قریبی عزیزوں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم آیا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے ایک دعوت کا انتظام کیا۔ حضرت علیؓ خاص خاص رشتے داروں کو بلا لائے۔ سب لوگ کھانا کھا چکے، تو حضورؐ نے مہمانوں کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ روح کی خوراک تھی۔ مگر اس خوراک کا مزہ وہی چکھ سکتا تھا جسے اس کی اشتہا ہوتی۔ حاضرین میں ایسا خوش بخت کون تھا۔ سب ہنس کر چل دیئے اور کسی نے اس گرانبہا دولت سے جھولی بھرنے کی خواہش نہ کی۔

دوسری دفعہ پھر حضورؐ نے ان ہی لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد حضورؐ نے مہمانوں سے بڑے ہی درد بھرے انداز میں کہا۔

"میں تمہارے پاس ایک ایسی دولت لے کر آیا ہوں۔
جیسی دولت کوئی بھی آج تک اپنے دامن میں بھر کر نہیں
لایا۔ کہو تم میں سے کون یہ دولت حاصل کرے گا۔ اور
کون میرا ساتھی ہوگا۔"

مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ علیؓ اسی مجمع میں بیٹھے تھے۔ بے قرار ہو کر پکار اٹھے۔

محمدؐ۔ میرے آقا۔ میں گو سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں مگر
میں آپ کا ساتھ دوں گا!

خود کو کمزور کہنے والے اس علیؓ نے ساری عمر محمدؐ کا ساتھ دیا، اور ایسے موقعوں پر ساتھ دیا، جب سب جواب دے چکے تھے۔

رشتہ داروں کا یہ گروہ ایک ایک کر کے بکھر گیا اور رسول اللہؐ اور علیؓ کھڑے رہ گئے۔

مطلع ابر آلود تھا

آٹھواں باب

محمدؐ کے پیغام پر عزیز ہنستے اور قہقہے لگاتے رہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مکدر نہ ہوا۔ وہ سوچتے، ان کے دل آنکھیں نہیں رکھتے۔ کہ مجھے پہچان سکیں اس لئے مجھے دیکھ کر ہنستے ہیں، اور مذاق اڑاتے ہیں۔ رسول اللہؐ کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا، تو دل ہار دیتا۔ مگر حضورؐ نے دل نہیں ہارے۔ ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں پڑی۔ لوگ مذاق اڑاتے، حضورؐ سکون اور صبر کے ساتھ ان کے مذاق کو برداشت کرتے۔ اور خدا کا پیغام ان تک پہنچاتے رہتے، وہ کانوں میں روئی بھر لیتے۔ پاس سے بھاگ جاتے۔ تو حضورؐ ان کے پیچھے جاتے، ان سے کہتے، دل کی آنکھیں کھولو، ہوش کرو، میں تمہارا دشمن نہیں محسن ہوں۔ میں تمہارے فائدے کی باتیں کہتا ہوں، اور تم مجھ سے دور بھاگتے ہو جن کے کان وا تھے، جن کے دلوں پر تعصب کے تالے نہ پڑے تھے وہ حضورؐ کے موثر انداز گفتگو سے بے حد متاثر ہوتے اور حضورؐ کو اپنا پیشوا مان لیتے۔

مکہ بت پرستی کا مرکز تھا، مکہ کی یہی مرکزیت قریش کی سرداری اور دنیاوی عزت کا باعث تھی، رسول اللہؐ بتوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ سادہ لوح عربوں کو بت پرستی

سے روک رہے تھے۔ گویا دوسرے لفظوں میں قریش کی عیش و عشرت کی زندگی کو بے مزہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قریش اس سرداری اور عزت و سربلندی کو کیسے چھوڑ دیتے۔ جو بتوں کے مجاور ہونے کی وجہ سے انہیں حاصل تھی! اس لئے انھوں نے حضورؐ اور حضورؐ کے رفقاء سے سخت انتقام لینے کی ٹھانی۔ حضورؐ بازار میں نکلتے۔ تو حضورؐ کا مذاق اڑایا جاتا۔ حضورؐ پر آوازے کسے جاتے۔ بدبخت حضورؐ کی طرف اشارہ کر کے چیختے۔ یہ جادوگر ہیں۔ یہ دیوانے شاعر ہیں۔ بدبختوں نے حضورؐ سے چھیڑ چھاڑ کو عادت بنالیا! انہیں اس میں مزہ ملتا چھیڑ چھاڑ سے ایذا رسانی پر کمر باندھی! اور حضورؐ جن راستوں پر رات کے وقت گزرتے، قریش کے سرداران پر کانٹے بچھا دیتے! تاکہ اندھیرے میں حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ عقبہ بن ابی معیط نے تو ایک موقع پر جب حضورؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے گلے میں چادر ڈال کر پیچھے کی طرف کھینچا۔ حضورؐ کی آنکھیں شدت کرب سے پھٹ نکلیں۔ صدیق اکبرؓ کو اس گستاخی کی اطلاع ہوئی تو دوڑے! یہ جاگے آئے اور حضورؐ کو چھڑایا۔ مگر خود بری طرح پٹے۔

حضورؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار سجدہ میں تھے کہ اسی عقبہ نے ابوجہل کے اشارہ پر حضورؐ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی۔ اوجھڑی میں غلاظت بھری تھی۔ حضورؐ کے تمام کپڑے ناپاک ہو گئے۔ مگر حضورؐ نے محبوب کی چوکھٹ پر سے سر نہ اٹھایا۔ حضرت فاطمہؓ حضورؐ کی صاحبزادی کھیلتی کھیلتی ادھر آنکلیں۔ مقدس باپ کی یہ حالت دیکھی تو ننھی سی آنکھوں میں خون اتر آیا! اوجھڑی اٹھائی! اور اسے باہر پھینک آئیں۔ ننھی بچی نے کئی بار ٹھوکر کھائی! اور قریش کے سردار بیٹھے ہنستے رہے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ حضورؐ کو پتھر مارے جاتے۔ اور آپ کے مکان میں غلاظت ڈال دی جاتی۔

کفار کی طرف سے سارے جہان کے اس آقا کے حضور میں جو گستاخیاں

کی جاتیں، ان سے حضورؐ کے استقلال اور عزم میں کوئی تزلزل نہ پیدا ہوا۔ اور آپؐ پہلے سے زیادہ دلجمعی کے ساتھ خدا کا پیغام عام کرتے رہے۔

حضورؐ کی طرح آپ کے ساتھیوں پر بھی بڑی سختیاں کی گئیں۔ حضرت زبیر بن عوام ایک مشہور صحابی ہیں، اُن کے چچا انہیں چٹائی میں بند کر کے دھونی دیتے، حضرت سعدؓ بن وقاص کو ان کے رشتہ داروں نے بہت دفعہ مارا، حضرت عثمانؓ سے بھی یہی سلوک ہوا۔ ان کے چچا نے انہیں کئی دفعہ رسیوں میں جکڑ کر ایمان لانے کی سزا دی۔ یہ تو وہ لوگ تھے، جو صاحبِ حیثیت تھے۔ مگر وہ مسلمان جو بدقسمتی سے قریش کے غلام یا غریب تھے، ان کے ساتھ کفار نے انتہائی بے رحمی کا سلوک کیا، حضرت عمارؓ اپنے والد اور والدہ سمیہ سمیت اسلام لے آئے تھے۔ ابوجہل نے حضرت سمیہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ حضرت زنیرہ ایک صحابیہ تھیں، ابوجہل نے غرور اور تکبر کے نشہ میں انہیں مار مار کر اندھا کر دیا۔

حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے، وہ حضورؐ پر ایمان لے آئے۔ ان کے آقا امیہ بن خلف نے انہیں انتہائی شرمناک سزائیں دیں۔ انہیں سخت دھوپ میں تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا، اور سینہ پر گرم پتھر رکھ دیا جاتا۔ وہ گھنٹوں اسی طرح تپتی ریت پر پڑے رہتے۔ انہیں درختوں سے باندھ کر ان کی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش کی جاتی۔ دنوں کھانے کو کچھ نہ دیا جاتا۔ لونڈے، ان کے گلے میں رسّی ڈال کر انہیں بازاروں میں گھسیٹتے۔ چند لونڈے پیچھے سے کنکر مارتے، بلالؓ کو یہ ساری سزائیں اس لئے دی جاتیں۔ کہ وہ ایک اللہ پر ایمان لائے تھے۔ بلالؓ کی عظمت اور ایمان کی پختگی دیکھو، کہ وہ مار کھاتے رہے ان کی چھاتی پر کئی من کے پتھر رکھے گئے، مگر وہ اللہ احد، اللہ احد کہتے رہے انھوں نے جس بات کو سچ جان لیا تھا اس سے منہ نہ موڑا، دوسرے مسلمانوں کی بھی یہی حالت تھی۔ جو ایک بار

ایمان لے آئے، جو ایک بار محمدؐ کی غلامی میں آ گئے انہیں پھر اس سعادت سے محروم نہ کیا جا سکا۔ یہ دولت جس سے وہ اپنے دامن بھر چکے تھے! ان سے چھینی نہ جا سکی۔

قریش کا خیال تھا، کہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے سے یہ تحریک کمزور ہو جائیگی، ان کا یہ خیال غلط نکلا، اسلام کا یہ نشہ کوئی ترشی اتار نہ سکی۔ سختی کو ناکام دیکھ کر قریش نے حضورؐ کو دولت اور ثروت کا لالچ دیا، اور کہلا بھیجا:۔

"اگر دولت چاہتے ہو تو ہم تمہارے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیں گے۔

اگر سرداری چاہتے ہو، تو ہم سب تمہیں اپنا سردار مان لیتے ہیں۔

اگر خوبصورت سے خوبصورت عورت سے شادی کے خواہشمند ہو۔ تو ہم اس کا انتظام بھی کر دیں گے! اور اگر یہ سب باتیں چاہو، تو ہم تمہاری تمام خواہشیں پوری کرنے پر آمادہ ہیں۔"

یہ بہت بڑا لالچ تھا، جو قریش کے سرداروں نے حضورؐ کو دینا چاہا۔ قریش کا خیال تھا، کہ حضورؐ اتنی بڑی چیزیں پا کر بتوں کی مخالفت چھوڑ دیں گے، یہ خیال کچھ بعید از قیاس نہ تھا۔ غور کیا جائے، تو اس زندگی میں آدمی یہی چیزیں چاہتا ہے۔ سرداری، دولت، اور حسن، یہی آدمی کی جد و جہد کی آخری منزل ہے مگر حضورؐ عام آدمی نہ تھے، وہ ایک مشن لے کر آئے تھے، وہ ساری دنیا کی اصلاح چاہتے تھے، وہ آدمیت کا معیار اونچا کرنے کے کام پر لگائے گئے تھے۔ وہ اس رشوت کو کس طرح قبول کر لیتے۔ حضورؐ نے عتبہ سے جو قریش کا پیام لیکر گیا تھا۔ فرمایا، میں تمہیں جو بات کہتا ہوں یہی حق کی بات ہے۔ اسے مان لو

ورنہ یاد رکھو، تم اسی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جس میں عاد کی قوم مبتلا ہوئی تھی
عتبہ یہ جواب لیکر قریش کے پاس آیا۔ اور مشورہ دیا۔ کہ میری بات مانو تو محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو! اگر کامیاب ہوئے، تو گویا تمہیں کامیابی ملی، اور اگر ناکام ہوئے تو آپ مٹ جائیں گے۔

مگر قریش نے عتبہ کا مشورہ نہ مانا۔ اور حضورؐ کی مخالفت سے باز نہ آئے۔
عتبہ کو حضورؐ کے پاس یہ پیغام لے کر گئے ابھی چند دن ہوئے تھے کہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، اسود، اور ابوالبختری کو ساتھ لے کر ابوطالب کے پاس آئے، اور رسول اللہؐ کے خلاف شکایت کی۔ تمہارے بھتیجے اب حد سے بڑھ گئے ہیں! ابوطالب نے جواب دیا، تم لوگوں نے بھی تو اس پر بہت سختیاں کی ہیں۔ کفار یہ سُن کر لاجواب ہو کر واپس ہو گئے۔ مگر دوسرے دن پھر آئے اب ابوطالب نے حضورؐ کو بھی بلوایا، عتبہ نے پہلے دن جو باتیں کہی تھیں اس وقت بھی وہی کہیں، حضورؐ نے جواب دیا۔

"مجھے خدا کی طرف سے تمہاری ہدایت کا کام سپرد ہوا ہے، تم اگر راہ پر آجاؤ تو تمہیں فائدہ ہوگا۔"

قریش بولے، اگر تم نبی ہو تو پھر اس ریگستان کو لہلہاتے باغ میں کیوں تبدیل نہیں کر دیتے۔ ان پہاڑیوں کو یہاں سے سرکا کیوں نہیں دیتے۔ اور مرے ہوئے آبا و اجداد کو زندگی کیوں نہیں بخشتے؟"

یہ سوال کتنا مہمل تھا۔ نبی اس لئے تو نہیں آتے، کہ سینکڑوں برس کے مُردوں کو زندہ کریں۔ وہ اس لئے تو نہیں آتے، کہ ریگستانوں کو باغات میں تبدیل کر دیں۔ ان کا کام تو مردہ روحوں کو زندگی کی حرارت بخشنا ہوتا ہے، وہ اخلاق و کردار کی کھیتی کو سینچا کرتے ہیں۔ وہ تو اس لئے آتے ہیں کہ تعویذ و

خلق

طہارت اور سچائی و پاکیزگی کے آبِ حیات سے بے کار اور لغو زندگی کا مرجھایا ہوا چمن ہرا کریں۔ حضورؐ نے قریش کو یہی بات سمجھائی، ان سے کہا، میں تمہیں زندگی کی حرارت بخشنے آیا ہوں، میری باتیں سنو! قریش شکایت کرنے آئے تھے ایمان لانے نہیں آئے تھے اور وہ ابوطالب کو ڈرا دھمکا کر واپس ہو گئے۔

یہ لوگ چلے گئے، تو ابوطالب نے حضورؐ کو سمجھایا، بیٹا! میں تمہیں تمہارے مذہب سے نہیں روکتا، لیکن ان کے بتوں کی مخالفت نہ کرو۔ حضورؐ نے جواب دیا۔

چچا! اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج رکھ دو اور دوسرے پر چاند، تو پھر بھی میں اللہ کا پیغام عام کرنے سے باز نہیں رہوں گا۔

ابوطالب نے یہ استقلال دیکھا تو محبت سے کہنے لگے، اچھی بات ہے بیٹا، تم اپنے مشن پر قائم رہو، میں جب تک زندہ رہوں گا، تمہارا ساتھ دوں گا۔ رسول اللہؐ کی پیشانی چمک اٹھی، اور انھوں نے چچا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
کفار کی سختیاں بڑھ گئیں، حضورؐ اور حضورؐ کے ساتھیوں کا خانہ کعبہ میں جانا بند کر دیا گیا۔ حضورؐ اور حضورؐ کے ساتھی بازاروں میں نکلتے تو ان پر کنکر پھینکے جاتے لونڈے، ان کے پیچھے ہو جاتے اور ان پر آوازے کستے،
مکہ زیارت گاہِ عالم تھا، وہاں باہر سے بہت سے لوگ آتے۔ حضورؐ ان کے پاس پہنچتے، حیرت کا مقام ہے، کہ کنواں پیاسے کے پاس چل کر جاتا، مگر پیاسے آگے سے بھاگتے۔ جہالت اور گناہ، انسانی شعور و احساس کو مٹا دیتے ہیں اور عربوں کا شعور اور احساس بھی ختم ہو چکا تھا۔ حضورؐ ان کے پاس جاتے تو وہ کانوں میں انگلیاں رکھ لیتے کہ کہیں حضورؐ کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ جائے، اور دل اس آواز پر جیدا نہ ہو جائے۔ قریش نے حضورؐ کے ساتھ اپنے خاص رضا کا

لگا رکھے تھے، کوئی قافلہ آتا، اور حضورؐ قافلہ والوں سے ملنے جاتے، تو قریشی رضا کار بھی ساتھ جاتے، اور ان لوگوں سے کہتے "یہ دیوانہ ہے اس کا دماغ صحیح نہیں" یہ خود دیوانے تھے۔ دیوانے نہ ہوتے تو صحابہؓ کو حضورؐ سے ملنے سے کیوں روکتے۔ اور ان کا بائیکاٹ کیوں کرتے، انھوں نے صحابہؓ کا بائیکاٹ کر دیا، اور ان پر زندگی کی تمام راہیں بند کر دیں۔ یہ تکلیف دہ زندگی ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی، کہ حضورؐ نے صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ بن عفان، ان کی بیگم صاحبہ، حضرت ابو حذیفہؓ حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت سہیل بن بیضا اور حضرت جعفر بن ابی طالب، زیادہ ممتاز تھے۔ یہ لوگ رات کے وقت مکہ سے نکلے۔ اور جدہ کی راہ ایک جہاز میں سوار ہو کر حبش پہنچ گئے۔ قریش نے تعاقب تو کیا مگر ناکام واپس آئے۔

صحابہؓ میں سے اکثر اب حبش کی طرف ہجرت کرتے جارہے تھے۔ اور ہوتے ہوتے سو کے قریب صحابی حبش پہنچ گئے۔

قریش کے لئے یہ صورت اور بھی زیادہ پریشان کن تھی، انھوں نے سوچا، اگر صحابہ کی جماعت اسی طرح بڑھتی گئی اور یہ لوگ حبش پہنچکر زندگی کے لطف اٹھانے لگے تو پھر اس تحریک کو دبانا مشکل ہو جائے گا۔ ادھر تو انھوں نے مکہ میں رہنے والے صحابہ پر زیادہ سختی شروع کر دی، ادھر، شاہِ حبش کے پاس عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو ایک وفد کی صورت میں بھیجا۔

وفد حضورِ شاہ میں باریاب ہوا۔ اس نے بادشاہ سے شکائت کی، کہ چند قریشی غلام بھاگ کر حبش آگئے ہیں۔ یہ لوگ کسی نئے مذہب کے ماننے والے ہیں انہیں

ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ شاہِ حبش سمجھدار اور حق پسند تھا! اس نے کہا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا بیان غلط ہو۔ میں تحقیقات کرلوں، پھر تمہاری شکایات سنوں گا۔

مسلمان دربار میں بلائے گئے، جعفر بن ابی طالب نے مسلمانوں کی طرف سے نیابت کی، حضرت جعفر بن ابی طالب نے شاہِ حبش کو حضورؐ کی زندگی اور مشن سے آگاہ کیا۔ اور کہا، کہ ہمارا جرم صرف اسی قدر ہے کہ ہم نے حضورؐ کی سچی باتیں مان لیں اور ان پر عمل شروع کر دیا۔ کفار یہ نہیں چاہتے تھے انھوں نے ہم پر سختیاں کیں اور ہم مکہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں آگئے۔"

بادشاہ نے کہا کہ تمہارے نبیؐ پر جو کتاب نازل ہو رہی ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں اہلِ دربار اور خود بادشاہ پر بہت اثر ہوا اس نے قریش کے وفد کو ڈانٹا اور مہاجر صحابہؓ کو حبشہ میں رہنے کی اجازت دے دی، وفد ناکام لوٹا۔ تو قریش کو بہت دکھ پہنچا۔ اور وہ حضورؐ سے اس ناکامی کا بدلہ لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

ایک دن حضورؐ صفا کے قریب کہیں بیٹھے تھے۔ کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے حضورؐ کو اکیلے بیٹھا دیکھ کر حضورؐ کی شان میں گستاخی کی، گالیاں بکیں اور جب حضورؐ کی طرف سے خاموشی کے سوا اسے کچھ جواب نہ ملا تو اس نے حضورؐ پر ایک پتھر پھینکا۔ پتھر حضورؐ کی پیشانی پر لگا۔ خون نکلا حضورؐ اسی عالم میں گھر لوٹے۔ پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ گھر والے، یہ حال دیکھ کر گھبرا گئے۔ یہ خبر عام ہو گئی۔ شام کے وقت حضورؐ کے چچا اور دودھ شریک بھائی حضرت حمزہؓ شکار کھیل کر واپس آئے۔ تو ابوجہل کی زندگی نے ان سے بھی یہ بات کہہ دی حضرت حمزہ بڑے خوددار، بہادر اور جری تھے، انھوں نے یہ داستان سنی تو ان کی

آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ انھوں نے کمان کندھے پر رکھی اور وہاں پہنچے۔ جہاں ابوجہل بیٹھا تھا۔ اور جاتے ہی اپنی کمان اس زور سے اس کے سر پہ ماری، کہ سر پھٹ گیا، ابوجہل کے ساتھی حضرت حمزہؓ پر ٹوٹ پڑے۔ مگر ابوجہل نے ان سب کو روک لیا۔ وہ حضرت حمزہؓ کی بہادری سے واقف تھا اسے علم تھا کہ حمزہ سے اگر لڑائی چھڑ گئی۔ تو انجام اچھا نہ ہو گا۔

حضرت حمزہؓ انتقام لینے کے بعد حضورؐ کے پاس آئے اور فرمایا، محمدؐ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔ میں نے اس کا سر اسی طرح زخمی کر دیا ہے جس طرح اس نے تمہارا سر زخمی کیا۔

حضورؐ مسکرائے۔ فرمایا!

چچا! میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن میری پیاس تمہارے انتقام لینے سے نہیں بجھی۔ میری پیاس تو اس وقت بجھے گی جب تم ایمان لے آؤ گے۔

حضرت حمزہؓ کے دل پر اس بات نے اثر کیا، اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت حمزہؓ کے ایمان لے آنے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت عمرؓ ایمان لائے۔ حضرت عمر ایمان لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ ابوجہل اور ان میں گہرا دوستانہ تھا۔ دونوں یہ چاہتے تھے۔ کہ اسلام کی تحریک ختم ہو جائے۔ ابوجہل، عمر جتنا بہادر نہ تھا۔ وہ محض سازشی تھا، اور عمر عملی آدمی تھے، ایک دن انھوں نے ابوجہل سے کہا۔ میرا تو جی چاہتا ہے۔ محمدؐ کا کام تمام کر دوں، ابوجہل مسکرایا، بولا، تمہارا نام عرب کی تاریخ میں زندہ رہ جائے گا۔ عمرؓ نے تلوار میان سے نکال لی! اور ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر رسول اللہ صلعم کے مکان کی طرف چلے۔ ان کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ہاتھ

میں ننگی تلوار تھی۔ جس نے دیکھا راہ کترا کر نکل گیا۔ حضرت سعدؓ بھی کہیں سے آ رہے تھے۔ عمر پر نظر پڑی اور یہ عجیب حال دیکھا، تو پوچھا۔

عمر! میرے دوست۔ کیوں، خیر تو ہے۔ یہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کدھر چلے ہو۔

عمرؓ نے جواب دیا۔ محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ سوچتا ہوں روز روز کا جھگڑا ختم کر دوں۔

سعدؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ محمدؐ اس دنیا میں اس لئے نہیں آئے کہ عمر کی تلوار ان پر لپکے۔ انھوں نے طنز کی۔

عمر! بڑے نادان ہو۔ اتنی بڑی بات کو اتنا آسان سمجھتے ہو۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تم انہیں قتل نہیں کر سکتے۔

عمر غصہ میں بھر گئے۔ ننگی تلوار ہاتھ میں تھی۔ اسے لے کر سعد پر لپکے سعدؓ نے عمرؓ کے دل میں چٹکی لی۔ بولے ایسے ہی مرنے مارنے پہ تلے ہو تو پہلے اپنے گھر کی خبر کیوں نہیں لیتے۔ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تو میری طرح مسلمان ہو چکے ہیں۔

سعدؓ کی بات عمرؓ کے دل میں تیر بن کر چبھی۔ انھوں نے تلوار کا رخ پھیر لیا۔ اور بہن اور بہنوئیؓ کے گھر کی راہ لی۔ جس وقت عمرؓ اپنی بہن کے ہاں پہنچے۔ ان کی بہن اور بہنوئیؓ دونوں حضرت خبابؓ سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ عمرؓ نے دستک اور آواز دی۔ تو دونوں ڈر گئے قرآن کے اوراق اور خباب کو چھپا دیا۔ دروازہ کھولا، عمرؓ اندر آگئے اور آتے ہی بہنوئی کو پیٹنے لگے بہن نے مدافعت کی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بھی پیٹا یہاں تک کہ ان کے سر سے خون بہ نکلا۔ خون بہ کر بہن کے چہرہ کو رنگ رہا تھا

عمرؓ نے ہاتھ روک لیا بہن کے چہرہ پر ایک بھائی کی نگاہ ڈالی۔ دل کی کشتی ڈول گئی۔ جہاں کھڑے تھے وہیں بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں نادم تھیں۔ تھوڑی دیر رک کر پوچھا۔

جب میں نے دروازہ پر دستک دی تو تم دونوں
کیا پڑھ رہے تھے۔ تم دونوں کی آواز آرہی تھی۔
دونوں نے عمرؓ کا انداز بدلا بدلا دیکھا تو بولے۔
ہم قرآن پڑھ رہے تھے۔ کیوں سنیں گے
آپ بھی!
عمرؓ کو اشتیاق پیدا ہوا کہنے لگے۔
ہاں سنوں گا۔

عمرؓ نے عمر میں پہلی دفعہ دل کے کانوں سے قرآن کی چند آیات سنیں۔ دل کے کان کھل چکے تھے۔ دل کی آنکھیں بھی وا ہوگئیں۔ سوچنے لگے کتنا برا تھا میں بھی کہ محمدؐ کی مخالفت پر اڑا تھا محمدؐ تو دل کا زنگ دھونے والے ہیں۔ انھوں نے بہن اور بھائی دونوں کو گلے لگا لیا۔ اور اپنی سختی پر معافی چاہی عمرؓ کے دل کا قفل کھلا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے تڑپے۔ انھوں نے تلوار پھر ہاتھ میں لے لی اور باہر آئے۔ حضورؐ اس وقت بیتِ ارقم میں تشریف فرما تھے۔ چند صحابہؓ پاس بیٹھے تھے۔ عمرؓ نے دروازہ پر پہنچ کر دستک دی۔ صحابہؓ دروازہ کھولنے کے لئے بڑھے۔ عمرؓ کو ہاتھ میں ننگی تلوار لئے دروازہ پر کھڑا دیکھا۔ تو ڈر گئے۔ حضورؐ نے پوچھا۔

کون ہے؟
صحابہؓ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

عمر ہیں۔

حضورؐ نے نبی کی شان میں فرمایا۔

اندر آنے دو۔

عمرؓ اندر آئے۔ تلوار ابھی تک ہاتھ میں تھی۔ آتے ہی حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ ابھی تک بیٹھے تھے۔ آپ نے بیٹھے بیٹھے عمرؓ کے کرتے کے دامن پر ہاتھ رکھا۔ اسے زور سے کھینچا اور فرمایا۔

عمر! اب تو ایمان لے آؤ۔

عمرؓ کو نہ جانے کیا ہوا۔ بڑی طرح رونے لگے۔ اور روتے روتے بولے

میرے آقا! اسی لئے حاضر ہوا ہوں۔

صحابہؓ کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔ عمرؓ مکہ کے بڑے آدمی تھے۔ ان کے ایمان لے آنے سے صحابہؓ کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

آندھیاں اور طوفان

نواں باب

حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ تو حضورؐ سے عرض کیا ہم تو خانہ کعبہ میں نماز پڑھیں گے۔ سچ مچ خانہ کعبہ میں اعلانیہ نماز پڑھی جانے لگی۔ عمرؓ اور حمزہؓ دو بہادر اور جری سپاہی مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ کفر بیچ وتاب کھانے لگا، دشمنی اور عداوت کا ایک نیا طوفان اٹھا۔ اور کفار نے مل کر آپس میں ایک عہد نامہ کیا۔ کہ بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور مسلمانوں سے مکمل بائیکاٹ کیا جائے ان سے لین دین اور دوسرے سماجی تعلقات ختم کر دیئے جائیں ایسا ہی ہوا۔ اور عہد نامے کی تحریر کعبہ کے اندر محفوظ کر دی گئی۔

جناب ابوطالب، بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لیکر ایک پہاڑی کے درّے میں چلے گئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کھانے پینے کا کچھ سامان بھی لے گئے تھے لیکن یہ سامان بہت تھوڑا تھا۔ ہوتے ہوتے ختم ہو گیا اور رسول اللہ اور آپ کے ساتھیوں کو کئی دن بھوکے رہنا پڑا۔ حج کے دن قریب تھے اس لئے اطمینان تھا کہ حج کے موقعہ پر مکہ جا سکیں گے اور خوراک کا سامان لے آئینگے

حج آیا اور گزر گیا۔ اور اسی طرح کئی حج آئے اور گزر گئے۔

حضورؐ اور ان کے ساتھیوں کو تین سال تک اس درّہ میں رہنا پڑا۔ اور ان تین سال میں بے انتہا مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خود قریش ان مصائب سے متاثر ہوتے رہے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے تیار ہو گئے تھے، جو اس معاہدہ کو توڑ دیں۔ یہی دن تھے کہ حضورؐ کو وحی ہوئی اور آپؐ نے جناب ابوطالب کو اطلاع دی، کہ عہد نامہ کی تحریر دیمک کی نذر ہو چکی ہے۔ ابوطالب یہ خبر لے کر سرداران قریش کے پاس آئے۔ سچ مچ دیکھا گیا تو تحریر کو دیمک چاٹ چکی تھی۔ صرف وہی جگہ باقی تھی جہاں اللہ کا نام باقی تھا۔ قدرت نے یہ عہد نامہ خود بخود ختم کر دیا۔ اور مصیبت زدہ مسلمان اور حضورؐ کے رشتہ دار پھر مکہ آ کر اپنے گھروں میں رہنے لگے۔

قدرت ایمانداروں کا امتحان لینے کی عادی ہے۔ امتحان کی آگ میں ابھی ایمان کا سونا اور پگھلایا جانے والا تھا۔ تھوڑی مدّت بعد جناب ابوطالب انتقال فرما گئے۔ ابوطالب کی وفات کا مسلمانوں پر بہت برا اثر پڑا۔ ابوطالب کی وجہ سے قریش مسلمانوں کو زیادہ تکلیفیں نہیں دے سکتے تھے۔ مگر اب یہ بند بھی ٹوٹ گیا۔

ابوطالب کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ تھا۔ کہ حضرت خدیجہؓ انتقال فرما گئیں حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی اس وقت ساتھی بنیں جب کوئی دوسرا نہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کی اس وقت غمخواری کی، جب دوسرے حضورؐ پر ہنسا کرتے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر بڑے سخت دن آئے۔ مصیبتوں کا یہ دور پہلے دور سے زیادہ سخت تھا۔ قریش اب بہت گستاخ ہو گئے تھے، وہ حضورؐ کے ساتھ اعلانیہ گستاخیاں کرتے۔

مکہ کے لوگوں سے مایوس ہو کر حضورؐ طائف کی طرف تشریف لے گئے۔ طائف مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور شہر ہے! اور زرخیزی اور سرسبزی کے اعتبار سے عرب کا کشمیر کہلاتا ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے سرکش اور مغرور تھے۔ طائف کے رستہ میں قبیلہ بنی بکر، اور محیان آباد تھے، حضورؐ نے ان پر بھی اسلام پیش کیا۔ مگر اس پا پیادہ سرگرداں پھرنے والے وجودِ گرامی کی بات پر کوئی کان متوجہ نہ ہوا۔ حضورؐ پیدل طائف پہنچے، آپؐ کے ساتھ زید بن حارث بھی تھے، حضورؐ طائف کے سرداروں سے ملے۔ مگر غرور و تکبر کے ان پتلوں میں سے کسی نے بھی حضورؐ سے سیدھے منہ بات نہ کی، وہ حضورؐ کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنسنے، کہنے لگے! اس نبیؐ کو دیکھو پیدل جوتیاں چٹخاتا پھرتا ہے۔ کیا نبیؐ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ نبیؐ کا کام شان و شوکت کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ وہ تو دلوں کی صفائی کا کام کرتا ہے اور اس سے ظاہری شان و شوکت کو کیا تعلق؟

طائف کے سرداروں سے مایوس ہو کر حضورؐ عام لوگوں کے پاس پہنچے۔ مگر جن کی آنکھیں بینائی سے محروم ہوں۔ وہ آفتاب سے کیا فائدہ اٹھائیں گے۔ طائف والوں کی بصیرت کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ حضورؐ کو پہچان نہ سکے انھوں نے حضورؐ کا مذاق اڑایا، شہر کے بدمعاش لونڈے، آپؐ کے پیچھے لگ گئے ان کے ہاتھ میں پتھر تھے۔ اور یہ پتھر حضورؐ پر برسائے جا رہے تھے، یہ اوباش لونڈے تین میل تک آپؐ کو پتھر مارتے ہوئے آپؐ کے پیچھے آئے۔ زیدؓ اور حضورؐ آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ بدن سے خون بہ رہا تھا، پاؤں سوج گئے تھے، جوتے خون سے بھر گئے تھے۔ جانتے ہو یہ کون تھے یہ محمدؐ تھے سارے جہان کے آقا اور سارے جہاں سے افضل۔

تم ہوتے یا ہم۔ کوئی بھی اس مصیبت پر صبر نہ کر سکتا۔ ہماری زبان سے مارنے والوں کے حق میں خدا جانے کیا کچھ نکلتا۔ مگر محمدؐ کی زبان پر صرف ایک ہی جملہ تھا۔

"میرے ربّ ان کی بصیرت کی آنکھیں کھول دے
تاکہ یہ مجھے پہچان لیں۔"

بصیرت کی آنکھیں کھولنے کی دعائیں مانگتے ہوئے حضورؐ غارِ حرا تک جس تکلیف اور مصیبت سے پہنچے، اس کا اندازہ ہم اور آپ نہیں کر سکتے۔ حضورؐ اور زیدؓ کے حواس تک قائم نہ تھے۔ جسم زخموں سے چور چور تھا۔ غارِ حرا میں بیٹھے طائف سے ناکام لوٹنے والے نبیؐ سوچ رہے تھے، مکہ میں کیسے جائیں۔ سردارانِ قریش سے باری باری ضمانت دینے کی درخواست کی گئی۔ مگر کوئی نبیؐ کا ضامن بننے پر آمادہ نہ ہوا۔ البتہ مطعم بن عدی اپنے عزیزوں سمیت اس پیغام کو سُن کر غارِ حرا تک آئے اور حضورؐ کو اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔

آثار

دسواں باب

طائف سے ناکام واپسی، گویا اس بات کی دلیل تھی کہ عربوں کے دلوں پر کفر اور شرک کا جو غبار بیٹھ چکا ہے وہ آسانی سے دُور نہیں کیا جا سکتا۔ مگر نبی تمام انسانوں کی سطح سے بہت بلند ہوتے ہیں۔ طائف سے پہلے بھی حضورؐ کئی ناکامیاں دیکھ چکے تھے۔ ان ناکامیوں کا اثر حضورؐ کی طبیعِ گرامی پر کچھ نہیں ہوا۔ حضورؐ پہلے سے زیادہ محنت اور توجہ سے تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ مکّہ بیت اللہ اور بتوں کا مرکز ہونے کی وجہ سے مرجع خاص و عام تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ ہوتا جب باہر سے قافلے نہ آتے۔ حضورؐ ان قافلوں کے پاس جاتے۔ مکّہ کے آس پاس جو قبائل آباد تھے۔ حضورؐ ان کے پاس بھی تشریف لے گئے اور قبیلہ بنو عبداللہ اور بنو کندہ اور بنو خصر کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔ مگر ان بھری آبادیوں میں کوئی بھی ایسا نہ نکلا۔ جو محمد ؐ کی زبان سے اس گوہر یکتا کی حیات بخش صدا پر کان دھرتا۔

مکّہ میں ایک موقعہ پر بنو عامر کا ایک قافلہ آیا۔ حضورؐ قافلہ والوں کے

پاس پہنچے۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ کمزور اور ناکارہ اشخاص ہر کام میں مادی فوائد کی تلاش کرتے ہیں۔ قافلہ والوں نے پوچھا۔

"محمدؐ! اگر ہم تمہارا ساتھ دیں تو کیا تمہارے بعد ہمیں حکومت حاصل ہوگی"؟

یہ موقعہ ایسا تھا کہ سیاست کی زبان سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جا سکتا تھا۔ کہ ہاں ایسا ہی ہوگا۔ مگر محمدؐ اس مادی سیاست کے قائل نہ تھے، حضورؐ تو دنیا کو اس لئے مسلمان بنانا چاہتے تھے۔ کہ خود غرضی کا خاتمہ ہو جائے انسان دنیاوی فوائد کی خاطر نہیں اللہ کی خاطر کام کرنے لگے۔ حضورؐ نے اس سوال کا جو جواب دیا۔ وہ کتنا سادہ اور کتنا صحیح تھا۔

حضورؐ نے فرمایا۔

حکومت و خلافت تو اللہ کے بس کی چیز ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے۔ میرے بعد وہی خلافت پائے گا، جسے خدا چاہے گا"۔

خود غرضی کے مریض بنو عامر اس چیز کو کیا سمجھتے، ہنس کر بولے "اگر دیں ہم کٹوائیں اور کامیابی کا لطف دوسرے لوگ اٹھائیں ہم ایسا مہنگا اور بے لطف سودا نہیں کر سکتے"۔

مگر سب باہر سے آنے والے بنو عامر کی طرح نہ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے محمدؐ سید کون و مکان کی باتیں سنیں اور دل میں رکھ لیں۔ ان میں سوید بن صامت، ایاس بن معاذ، ضماد ازدی، طفیل بن عمر ودوسی، ابو ذر غفاری اور مدینہ کے چند افراد زیادہ ممتاز ہیں۔

سوید بن صامت، اوس کے فرد تھے۔ مکہ آئے۔ حضورؐ ان سے ملے، سوید

بن صامت کو اپنے علم و حکمت پر بہت ناز تھا۔ حضورؐ نے اس سے کہا میرے پاس ایک گرانبہا امانت ہے میں اسے تمہیں سونپنا چاہتا ہوں، وہ بولا میرے پاس بھی تو کچھ ہے۔ حضورؐ نے پوچھا، تمہارے پاس کیا چیز ہے، اس نے جواب دیا، حکمتِ لقمان اور شعر۔ اس نے چند شعر پڑھے، حضورؐ نے اس کے کلام کی تعریف کی۔ اور فرمایا، اب میری بات سنو، حضورؐ نے قرآن حکیم کی چند آیات پڑھیں، سوید کی آنکھیں کھل گئیں، اور دل نورِ ایمان سے روشن ہو گیا۔ سوید کی طرح ایاس بن معاذ بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مدینہ سے مکہ آئے۔ یہ لوگ قریش سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ حضورؐ ان سے ملے، اسلام کی دعوت دی۔ ایاس پر اثر ہوا۔ ایمان لے آیا۔ مگر دوسرے ساتھی پہلے ہی کی طرح رہے۔

ضماد ازدی کا واقعہ کسی قدر زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ یہ شخص یمن کا مشہور جادوگر تھا، اسے ناز تھا کہ جنات اور ارواحِ خبیثہ کا اثر اتارنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں، یہ مکہ آیا تو قریش نے حضورؐ سے متعلق اسے یہ غلط خبر دی، کہ حضورؐ پر جنات کا اثر ہے۔ کمالِ فن کا مظاہرہ کرنے کا یہ ایک اچھا موقعہ تھا ضماد حضورؐ کے پاس پہنچا، حضورؐ نے ایک خطبہ دیا، قرآن کی چند آیات پڑھیں، اور اس جادوگر کے اپنے دل پر کفر اور شرک کا جو جادو چڑھا تھا، وہ اتر گیا اس نے محمدؐ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور اس کی زبان پر بے اختیار یہ کلمات آ گئے:

"محمدؐ میرے آقا مجھے اپنا غلام بنا لیجیے"

طفیل دوسی، دوس کے ایک مشہور شاعر اور صاحبِ اثر سردار تھے، مکہ آئے، قریشِ مکہ نے ان کی دنیاوی شان و شوکت کے مطابق ان کی آؤ بھگت کی طفیل جیسے عزیز مہمان کے کان میں یہ بات ڈال دی گئی، کہ محمدؐ جادوگر ہیں

ن کے کلام میں کچھ ایسا اثر ہے کہ جو سنتا ہے ان کا ہو جاتا ہے طفیل بھی
یب تھا، شعر و حکمت نے اس کے دماغ پر کچھ بہتر اثر نہیں کیا تھا۔ اس
نے یہ بات سنن کر اپنے کانوں میں روئی بھر لی۔ طفیل خانہ کعبہ جاتا تو کانوں
ں روئی رکھے۔ اتفاق کی بات ایک دن حضورؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے
تھے حضورؐ کی نماز کا انداز اتنا پیارا تھا کہ طفیل کی آنکھیں اور ان کے ساتھ اس کا
ل حضورؐ کی طرف کھنچ گیا۔ وہ کسی قدر قریب ہوا اور قرآن سننے لگا۔ نماز
ہو کر حضورؐ پلٹے تو یہ بھی پیچھے ہو لیا۔ یہ تشنہ روح اب پیاسی لوٹ جاتی
ل و جلالِ نبوی کے شایانِ شان نہ تھا۔ حضورؐ نے اس سے اسلام کے متعلق
ند باتیں کیں۔ اس کے دل کے دریچے کھل گئے۔ اور اس نے انتہائے عقیدت
ل محمدؐ سارے جہاں کے آقا کے حضورؐ سر جھکا دیا۔

نیا برج

گیارھواں باب

باہر کے اسلام لانے والوں میں ایک ابو ذر غفاری بھی تھے، یہ ان بیابانوں میں نہ تھے، کہ جن کے پاس کنواں چل کر جائے، یہ ان عشاق میں تھے، جو محبوب کی چوکھٹ پر عجز و نیاز کا سرمایہ لے کر آتے ہیں اور خود بخود پیشانی ٹیک دیتے ہیں۔ مدینہ ان کا وطن تھا، ان کی روح بیدار تھی، انھوں نے حضورؐ کی بعثت کا حال سنا۔ ذوق و شوق کی تصویر بنے، حضورِ نبویؐ میں حاضر ہو گئے۔ عشق سیاست کے انداز کیا جانے، ایمان لئے، دل میں کچھ ایسی گرمی پیدا کر دی کہ انھوں نے خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر ندا دی

"ہم ایمان لے آئے، آج سے ہم محمدؐ کے غلام بن گئے۔"

یہ عشق کی آواز تھی، مکہ والے دل کے اندھے اس کو کیسے سنتے، اور سنتے تو کیسے سمجھتے۔ انھوں نے ابو ذرؓ کو خوب مارا، عشق کی خاطر ابو ذرؓ کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹ نکلے۔ اس مار سے ابو ذرؓ کا عشق اور بڑھا۔ دوسرے دن انھوں

نے پھر بھی اعلان کیا۔ اس دن بھی بہت پیٹے۔ مگر ایمان کی آگ ٹھنڈی نہ کی جا سکی۔

ایمان کا نور سینہ میں لے کر ابوذرؓ مدینہ پہنچے اور دوسرے دلوں تک بھی یہ نور پہنچانے کی سعادت حاصل کی۔ چند دن بعد مدینہ کا ایک اور قافلہ حج کے ارادہ سے مکہ آیا۔ حضورؐ رات کے وقت چھپتے چھپاتے نورِ اسلام کو سینے میں لئے اس قافلہ تک پہنچے۔

عقبہ بن عامر۔ عوف بن حارث، جابر بن عبداللہ۔ قبطہ بن عامر۔ عوف بن مالک اور ابو عمامہ۔ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ حضورؐ نے انہیں اسلام کی تبلیغ کی حضورؐ کی زبان میں کچھ ایسی تاثیر تھی۔ کہ یہ چھ کے چھ مدنی مسلمان ہو گئے اور حضورؐ کی غلامی اختیار کر لی

یہ قافلہ مدینہ واپس ہوا تو اس نے دل و جان سے اسلام کی تبلیغ کی۔ مدینہ کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں محمدؐ کا ذکرِ خیر ہونے لگا اور پیاسی روحیں اس بزرگ و گرامی وجود کے دیدار کے لئے تڑپنے لگیں۔

اگلے سال حج کے موقعہ پر مدینہ کے بارہ اشخاص مکہ آئے۔ حج کے دن تھے۔ مکہ سے باہر بہت سے قافلے ڈیرے ڈالے تھے۔ حضورؐ مدنی مسلمانوں کی تلاش میں نکلے۔ روحوں کا معالج رات کے اندھیرے میں مریض روحوں کی تلاش میں ایک ایک قافلے میں پہنچا۔ اور مدینہ کی پیاسی روحوں کو تلاش کر لیا۔

مدینہ والوں میں پانچ تو پچھلے سال کے مسلمان تھے۔ اور سات نئے آدمی تھے۔ حضورؐ نے ان سات نئے آدمیوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ یہ اخلاص کی نذر لے کر آئے تھے۔ یہ نذر قبول ہوئی۔ اور انہیں سید کون و مکاں کے دربار سے ایمان کا خرقہ عطا ہوا۔

ان بارہ اشخاص نے مل کر حضورؐ سے ایک عہد کیا۔ یہ عہد وفاداری۔

استقلال اور ذمہ داری کا عہد تھا۔ ان لوگوں نے صاف دلوں کے ساتھ محمدؐ کے
ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اور آئندہ کے لئے تمام برائیوں سے انحراف کا پیمان باندھا۔
اس پیمان نے حدیث کی کتابوں میں بیعتِ عقبۂ اولیٰ کا نام پایا ہے۔

اسلام کا خزانہ لے کر جب یہ لوگ مکہ سے مدینہ واپس ہونے لگے تو انھوں
نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ تاکہ
مصعب انہیں اسلام کے مسائل سمجھائیں اور مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کریں۔

مصعب مدینہ آ گئے اور اسعد بن زرارہ کے ہاں مقیم ہوئے۔ اسعد بن زرارہ
بنو عبدالاشہل کے ایک فرد تھے۔ یہ قبیلہ مدینہ میں بہت طاقتور تھا۔ سعد بن
معاذ اس کے سردار تھے۔ اسعد بن زرارہ سعد بن معاذ کے خالہ زاد بھائی تھے
سعد بن معاذ کو اسلام کی تبلیغ کا علم ہوا تو انہیں رنج پہنچا۔ انھوں نے مدینہ کے
دوسرے طاقتور قبیلے بنو ظفر کے سردار اسید بن حضیر کو بلا کر ان سے شکایت کی
اور درخواست کی کہ وہ اسعد بن زرارہ کو سمجھائیں۔ کہ بے دینی کی باتیں نہ پھیلائے۔
اسید ابن زرارہ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے ان کا استقبال کیا۔ اور اسلام کے اصول
سمجھائے۔ اسلام کے اصول آدمیت کو سربلند کرنے اور دل میں راہ کو لینے والے تھے
اسید کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسید مسلمان ہو گئے۔
تو انھوں نے سعد سے کہا۔ دوست! ابن زرارہ کو تم آپ جا کر سمجھاؤ۔ سعد آپ
سمجھانے گئے تھے سمجھ خود آئے۔ اور اسلام نے ان کے دل میں کچھ ایسا گھر کیا
کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے اور اسلام کے مبلغ بن گئے۔

یہ دونوں مدینہ کے سردار تھے اور ان کے اثر سے بنو عبدالاشہل اور بنو ظفر

۱؎ صحیح بخاری، مسلم، طبری اور سیرت ابن ہشام۔

قبائل کے دوسرے افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور یہ نیا مذہب بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا، اور مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد سو سے بھی زائد ہو گئی! اگلے سال حج کے موقعہ پر مدینہ سے جو قافلہ مکہ پہنچا اس کے افراد ۷۰ تھے اور یہ سب مسلمان تھے۔

اور یہ سب اس لئے مکہ آئے تھے۔ کہ اس بیش بہا موتی کو اپنے دامن میں بھر کر مدینہ لے جائیں جس کی قدر و قیمت مکہ والے پہچان نہ سکے تھے۔ یہ قافلہ مکہ سے باہر اترا تھا۔ ایک مدنی نے کسی نہ کسی طرح اپنی آمد کی خبر حضور کو پہنچا دی۔ اور حضورؐ عباس بن عبد المطلب کو ساتھ لے کر قافلہ کے پاس آئے۔ وادی عقبہ میں آج پھر ایک نیا عہد و پیمان ہوا۔ اور یہی وہ عہد و پیمان ہے جس نے اسلام کی تاریخ بدل دی۔

قافلہ والوں نے ڈرتے ڈرتے حضور نبوی میں درخواست پیش کی کہ حضور مدینہ تشریف لے چلئے۔ حضورؐ خود یہی چاہتے تھے۔ کہ مدینہ تشریف لے جائیں، مگر عباسؓ نے مدینہ والوں کے شوق اور ذوق کا امتحان لینے کے لئے، مدینہ والوں سے کہا۔

تم لوگ جانتے ہو، ہم مکہ میں محمدؐ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ کفارِ مکہ ان کے خلاف ہیں۔ مگر ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ تم انہیں مدینہ لے جانا چاہتے ہو، تم مکہ کی اس سعادت سے دامن بھرنا چاہتے ہو۔ میں تمہیں اس سے روکتا نہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ محمدؐ کی حمایت کے معنی یہ ہیں کہ تم نے ساری دنیائے کفر سے اعلان جنگ کر دیا ہے، تم میں اگر محمدؐ کی خاطر ساری دنیا سے لڑنے کا بل بوتے تو بھر

محمدؐ کو لے جاؤ۔ ورنہ انہیں یہیں رہنے دو۔

یہ عشاق کا گروہ تھا، نظر بازوں کا ہجوم نہ تھا۔ سب یک زبان ہو کر بول اٹھے

"ہم محمدؐ کی خاطر ساری دنیا سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔"

حضورؐ نے اس موقعہ پر ایک تقریر کی۔ مدینہ والوں کو ان کے فرائض سمجھائے نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دی۔

ابوالہیثم ان سب میں زیادہ مشتاق تھے۔ بولے۔

"محبوبِ عالمؐ! ہم عشاق ہر قربانی کے لئے تیار ہیں
مگر سرکار آپ وعدہ فرمائیے۔ کہ ہمارے دل اپنی مٹھی میں
لے کر کہیں واپس نہ آجائیے گا۔"

یہ عشق کی زبان ہے! عاشق محبوب سے وفا کا عہد لینے کا عادی ہوتا ہے، مدینے والوں نے محبوبِ عالمؐ سے یہ عہد لینے کی خواہش کی تو مورخ اسے گستاخی نہیں کہہ سکتا، یہ اس کا منصب نہیں کہ وہ ایسا کہے۔

حضورؐ اس انداز کو سمجھتے تھے۔ فرمایا۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ ہماری زندگی اور ہماری موت
تمہارے ساتھ ہو گی۔
دوستو! تم میری آئندہ زندگی کے ساتھی ہو گے،
اور یہ ساتھ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

عبداللہ بن رواحہ ایک بے قرار عاشق کی زبان میں بولے۔

حضورؐ! ہمیں اس کا صلہ کیا ملے گا؟

نبیِ عالمؐ نے روح کی نبض کشوں کر اس پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔

"جنت اور خدا کی رضا"

کہاں ہیں وہ لوگ جو محمدؐ کو جھوٹا اور مکار دنیا دار سمجھتے ہیں۔ وہ یہ الفاظ سنیں! کیا یہ الفاظ ایک غلط کار کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں! اور پھر عبداللہ کا جواب بھی سن لیں۔

عبداللہ اسی بے قراری سے بولے۔

تو بات پکی ہو گئی

کتنا عجیب تھا یہ سودا۔ خدا کے رستہ میں گردنیں کٹانے کا یہ سودا کس لئے کیا گیا؟ خدا کی رضا کی خاطر۔ سیاست اور مادی دنیا کی نگاہ اس سودے کو شاید حقیر سمجھے، مگر اسے کون سمجھائے کہ یہ سودا، حکومت و شاہی اور جہاں بانی کا سودا تھا۔ اخلاص اور ایمان کے سرمایہ سے جن لوگوں نے یہ سودا کیا انہیں دنیا و جہان کی سرداری اس کے صلہ میں جس طرح حاصل ہوئی اس کی تفصیل آئندہ کے واقعات پیش کریں گے

یہ معاہدہ یا دوسرے لفظوں میں یہ سودا بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس معاہدہ کے اثرات مکہ کے قریش اور مسلمانوں دونوں پر پڑے۔ یوں تو اس معاہدہ کی خبر اسی رات قریش کو مل گئی لیکن جب وہ تحقیق حال کے لئے مدنی قافلہ میں آئے تو عبداللہ بن ابی نے اس واقعہ کی تردید کی۔ اسے حقیقت کا کچھ علم نہ تھا۔ قریش اس کے شرک کی وجہ سے اس کی بات مان گئے اور ان کے دل سے تمام شبہات دور ہو گئے۔ بعد میں جب انہیں اس حقیقت کا قطعی علم ہوا۔ تو مدنی قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ ان کو اگر پہلے معلوم ہو جاتا، کہ مدینہ کا قافلہ محمدؐ کی حمایت کا پیمان باندھنے آیا تھا، تو وہ اس قافلہ کو ایسی سزا دیتے کہ پھر

کبھی اس قسم کی جرأت نہ کرتا۔ مگر اب تو یہ قافلہ دسترس سے دُور ہو چکا تھا قریش کا سارے غصہ کا نزلہ غریب صحابہ پر پڑا۔ انھوں نے انہیں بہت تنگ کیا۔ ان کے گھروں میں غلاظتیں ڈال دیں، انہیں خوب مارا پیٹا، حضورؐ نے تنگ آکر صحابہؓ کو حکم دیا، کہ مدینہ چلے جائیں، اور صحابہؓ ایک ایک کر کے مدینہ جانے لگے۔ قریش اور زیادہ جل گئے۔ وہ یہ بھی نہ چاہتے تھے۔

حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے۔ کہ میرے شوہر جب مجھے سواری پر بٹھا کر مدینہ مکے سے روانہ ہونے لگے۔ تو میرے رشتہ دار آئے۔ انھوں نے میرے شوہر سے کہا، تم تو جا سکتے ہو۔ مگر ہماری لڑکی نہیں جا سکتی۔ میری گود میں ایک دودھ پیتا بچہ تھا۔ یہ ابو سلمہ کے عزیزوں نے چھین لیا۔ اور ابو سلمہ مجبوراً اکیلے ہی مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

ایک دوسرے صحابی تھے، جناب ہشامؓ وہ مدینہ جانے لگے، تو قریش نے انہیں پکڑ کر قید کر دیا۔ اور بہت تکلیفیں دیں۔

حضرت صہیب رومیؓ جب مدینہ ہجرت کرنے لگے۔ تو ان کا تمام سامان چھین لیا گیا، اسی طرح ہجرت کرنے والے دوسرے مسلمانوں پر بھی بہت سختیاں کی گئیں مگر ان سختیوں کے باوجود بھی مسلمان رفتہ رفتہ مدینہ پہنچ گئے۔

چاند نئے برج میں

بارھواں باب

حضورؐ صحابہؓ کو مدینہ بھیج چکے، تو خود ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے، ادھر حضورؐ مکہ چھوڑ لینے کی تدبیریں سوچ رہے تھے، اور ادھر قریش کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ سب چوپال میں جمع ہوئے۔ آج مکہ کے لوگ رسول اللہؐ کے متعلق بہت سخت اور آخری فیصلہ کرنے والے تھے۔ جب سارے سردار آن بیٹھے۔ تو ہر شخص اپنی اپنی تجویز پیش کرنے لگا۔ ایک تجویز تھی، حضورؐ کو قید کر کے کسی ایسی جگہ چھپا دیا جائے۔ جہاں یہ خود بخود ختم ہو جائیں۔ مگر یہ تجویز رد کر دی گئی۔ کیونکہ اس چیز کا احتمال تھا۔ کہ محمدؐ کے عزیز رشتہ دار اور مسلمان مل کر انہیں چھڑا لیں گے دوسری تجویز تھی کہ محمدؐ کو مکہ سے جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ تجویز بھی رد کر دی گئی اور کہا گیا کہ اس سے تو محمدؐ دوسرے قبائل میں پناہ لے کر مکہ کی عظمت کو ختم کر دیں گے۔ آخری تجویز جسے سب نے قبول کیا، وہ ابو جہل کی تجویز تھی۔ اس نے کہا کہ محمدؐ کے قتل کی ایسی سازش کی جائے جس میں قریش کے تمام قبائل کا ایک ایک آدمی شریک ہو۔ اور یہ سب مل کر محمدؐ کے گھر پر چڑھائی کر دیں اور انہیں قتل کر دیں۔

چونکہ اس سازش میں سب شریک ہوں گے اس لئے، محمدؐ کے رشتہ دار انتقام لینے کی جرأت نہ کر پائیں گے، چنانچہ یہی ہوا قتل کی سازش کی گئی، اور اس سازش میں قریش کے تمام قبائل کا ایک ایک فرد شریک ہوا۔

حضورؐ کو وحی کے ذریعہ اس سازش سے مطلع کر دیا گیا، اور حکم ملا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیے۔

دوپہر کا وقت تھا، مکہ میں سخت دھوپ پڑ رہی تھی۔ لوگ اپنے گھروں میں چھپے پڑے تھے۔ حضورؐ اس وقت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آئے حضورؐ اس سے پہلے کبھی اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ہاں نہیں آئے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے دیکھتے ہی پوچھا، کیوں کیسے آنا ہوا۔ حضورؐ نے جواب دیا ہجرت کا حکم آگیا، صدیق کی دوستی کی شان دیکھو کہ بے اختیار ہو کر پکار رہے کہ ساتھ کون جائے گا؟ حضورؐ نے اسی انداز میں فرمایا۔ تم میرے ساتھ ہو گے۔ ابوبکرؓ دل سے یہی چاہتے تھے کہ حضورؐ کے ساتھ جائیں۔ دوستی کی شان یہی تھی، خوشی اسے پھولے نہ سمائے کہنے لگے، حضورؐ! میں نے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں، ایک آپ کے لئے اور ایک اپنے لئے، حضورؐ نے فرمایا، کہ بہت اچھا کیا، اور پھر ابوبکرؓ کے کان کے قریب منہ لے گئے اور فرمایا، رات کے پچھلے پہر یہاں سے چلیں گے، یہ کہہ کر سیدِ کون و مکاںؐ گھر لوٹ گئے۔ حضرتِ صدیق کی بڑی صاحبزادی اسماءؓ نے اپنے بزرگ باپ اور سرکارِ دو عالمؐ کے سفر کا سامان تیار کیا، کچھ ستو، کچھ کھجوریں۔ اور اسی قسم کی دوسری چیزیں باندھیں

کفار کا پروگرام یہ تھا۔ کہ آج کی رات جب تاریکی سارے عالم پر چھا جائے تو تمام سازشی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر محمدؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیں اور اس وقت جب حضورؐ تہجد کی نماز کے لئے خانہ کعبہ کو جائیں آپ پر حملہ کر دیا جائے۔

کفارِ مکہ گو حضورؐ کے دشمن تھے لیکن ان کی ایک پرانی ریت تھی، کہ سوتے وقت بڑے سے بڑے دشمن پر حملہ نہ کرتے، حملہ کی یہ قرارداد اسی پرانی ریت کی روشنی میں تیار ہوئی۔ حضورؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ حضورؐ کو اس محاصرہ کا علم ہوا، تو انھوں نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ اور طے پایا کہ علیؓ اپنے بستر پر سلا دیں، اور خود ہجرت کر جائیں۔ ایسا ہی ہوا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو تمام ضروری باتیں سمجھا کر اور کفّار کی امانتیں سونپ کر اپنے بستر پر سلا دیا۔ اور رات کی تاریکی میں، عرب کا چاند کفّار کے محاصرہ سے بے پروا مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضورؐ کے ہاتھ میں مٹھی بھر مٹی تھی، حضورؐ نے یٰسین کی چند آیات پڑھ کر یہ مٹی محاصرین کی طرف پھینکی۔ اور خود نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ اس بھرے مجمع سے نکل گئے۔ کسی کو معلوم تک نہ ہو سکا۔ کہ مکّہ کی سرزمین سے اس کا سب سے قیمتی سرمایہ چھن گیا۔

رات نے اپنا دامن سکیڑ لیا۔ صبح ہوئی، حضرت علیؓ بستر سے اٹھے، نمازِ فجر کے لیے باہر آئے۔ تو کفّار نے پوچھا، محمدؐ کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے اس کا بہت مناسب جواب دیا۔ بولے۔

پہرہ تم دے رہے تھے یا میں، تمھیں میری نسبت زیادہ معلوم ہونا چاہیے۔

کفار نے جواب سنا، تو بہت جھنجھلائے۔ اندر آئے۔ مکان کا کونہ کونہ چھان مارا، اور جب حضورؐ نہ ملے تو کھسیانی بلّی کھمبا نوچے، کے مصداق حضرت علیؓ کو مارنے لگے، نہ جانے پھر کیا خیال آیا، کہ علیؓ کو چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے امانتوں کی صندوقچی بغل میں دابی! اور ان لوگوں کے گھر کی راہ لی۔ جن کی یہ امانتیں تھیں۔ ادھر ابوجہل اور اس کے ساتھی غصہ میں بھرے۔ حضرت صدیقؓ کے مکان پر پہنچے۔

دروازہ پر خوب شور مچایا۔ آواز سن کر حضرت اسماءؓ باہر نکلیں، ابو جہل نے پوچھا تمہارے باپ کہاں ہیں؟ وہ بولیں۔

میں کیا جانوں؟

اور سچ مچ وہ کیا جانتیں، اور اگر جانتیں تو کیوں بتاتیں، باپ اور محمدؐ کی خاطر اسماءؓ نے اپنے مبارک اور معصوم چہرے پر ابو جہل کا پہلا تھپڑ کھایا مگر اُف تک نہ کی۔ ہر طرف منادی کر دی گئی۔ کہ جو محمدؐ اور ابو بکرؓ کو پکڑ کر لائے اسے بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔ اور کئی بدبخت لالچی اس انعام کی خاطر دین و آخرت کی تباہی کا سامان کرنے نکلے۔

ادھر حضورؐ اور صدیقؓ اس وقت اور بعد کی دنیا کے دو سب سے بڑے انسان رات کے تاریک پردہ میں غار ثور تک پہنچے۔ اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اور پھر یہ غار تو انتہائی تاریک تھی، آج تک کوئی اس کے اندر نہ گیا تھا۔ مگر صدیقؓ کا ایمان دیکھو۔ کہ محمدؐ کی خاطر اپنی عمر میں پہلی دفعہ اس تاریک غار میں گھسے، اندھیرے میں سوراخ ٹٹولے، اور جہاں کہیں سوراخ نظر آئے انہیں اپنا لبادہ پھاڑ کر بند کر دیا۔ سوراخ بند کرنے کے بعد غار کو صاف کیا۔ اور پھر باہر آ کر حضورؐ کو اندر لے گئے۔ یہ عشق کی انوکھی داستان ہے جسے صدیقؓ نے اس غار ثور میں مرتب فرمایا۔ دوست کے لئے آج تک تاریخ عالم اس کبھی کسی نے ایسی قربانی نہیں کی۔ حیرت ہوتی ہے۔ کہ صدیقؓ خود جاگ رہے ہیں مگر حضورؐ کو اپنے زانو کے سہارے سُلا دیا۔ انھوں نے پاؤں پھیلائے تو ایڑی ایک ایسے سوراخ پر پڑی۔ جو بند ہونے سے رہ گیا تھا۔ صدیقؓ نے اس سوراخ پر ایڑی رکھ دی۔ مبادا کوئی بچھو اس میں سے نکل کر حضورؐ کو ڈس لے۔ کفار تعاقب کرتے کرتے غار کے منہ تک آ گئے۔ چھپنے والوں کے نقوش پا غار

منہ تک پہنچ کر ختم ہو جاتے تھے۔ گویا یہ ثبوت تھا اس چیز کا کہ محمد اور
یق دونوں اسی غار میں چھپے ہیں۔
ثبوت کا اعجاز دیکھو کہ اس قدر صاف اور واضح ثبوت کی موجودگی میں
قب کرنے والے غارِ ثور کے اندر جانے کی جرأت نہ کر سکے۔ دہانہ پر کھڑے
سوچتے رہے لیکن اندر جا کر نہ دیکھ سکے۔ دیکھتے بھی کیسے مکڑی نے غار
منہ پر جالا بن دیا تھا۔ اور یہ جالا ٹوٹا نہ تھا۔
یہ نبوت کا اعجاز تھا۔ ان کے دلوں میں سے یہ خیال نکال دیا گیا کہ چھپنے
لے یہاں بھی چھپ سکتے ہیں۔ اور غار کے اندر دو سب سے پاکباز انسان بیٹھے
رت کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ محمدؐ نبی تھے۔ اور صدیقؓ نبی کے دوست دونوں
ایک بڑا فرق تھا۔ صدیق بولے کہیں یہ لوگ ہمیں پکڑ نہ لیں۔ نبی نے نبوت
زبان میں جواب دیا۔
"ڈرو نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے"
اور سچ مچ خدا ان کے ساتھ تھا کفار غارِ ثور کو شبہ کی نظر سے دیکھے بغیر
پس ہو گئے۔ دن گزر گیا، رات آئی تو حضرت صدیقؓ کے صاحبزادے عبداللہ
چھپاتے غار کے قریب آئے اور دشمنوں کی نقل و حرکت کے متعلق ساری
یں آن سنائیں، عبداللہ اپنے ساتھ کھانا بھی لائے تھے۔ دونوں ساتھیوں
نے غار کے اندر بیٹھ کر کھانا کھایا، اسی طرح عبداللہ ہر رات آتے اور ضروری
یں بتا جاتے۔ حضرت صدیقؓ کے غلام عامر بکریوں کے ریوڑ کو بظاہر چراتے
تے غارِ ثور تک پہنچ جایا کرتے آں حضورؐ اور صدیقؓ کو تازہ دودھ پینے کو مل
یا کرتا۔ اور عبداللہ اور اسماء کے نقوشِ قدم بھی بکریوں کے نقوش پا میں
ل جاتے۔

تاریخ اسلام کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے! اور سچ پوچھو تو دنیا نے دوستی میں یہ ایک انوکھی مثال ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ اگر صدیق اس وقت حضورؐ کا ساتھ نہ دیتے تو حضورؐ کو کتنی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ پھر صدیقؓ کے خاندان نے جس طرح حضورؐ کی خدمت کی۔ حضورؐ کے لئے اپنی جانیں دکھ میں ڈالیں، صدیق کے خاندان کا یہ انداز دوستی کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر صدیق پکڑے جاتے، تو سارا خاندان زندہ درگور کر دیا جاتا۔ لیکن صدیقؓ ایمان کی مٹھاس سے شناسا تھے۔ انھوں نے جسے ایک دفعہ اپنا لیا اس کی خاطر وہ سارے خاندان کیا ساری دنیا کو قربان کرسکتے تھے اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔

چوتھی رات جب کفارِ مکہ تلاش سے مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔ تو حضرت صدیقؓ کا ایک وفادار دوست اور اجیر عبداللہ بن ارلیقط اونٹنیاں لے کر غارِ ثور تک پہنچ گیا۔ چاند نکل آیا تھا اس لئے سامانِ سفر باندھنے میں آسانی ہوئی۔ صدیق اکبرؓ کی بڑی صاحبزادی اسماء عائشہ صدیقہؓ کو گھر چھوڑ کر، باپ اور بہنوئی کے لئے کھانے کی چیزیں لے کر آئیں۔ جلدی میں ستو کا تھیلہ باندھنے کی رسی بھول آئیں۔ کجاوے کسے گئے تو اسماء نے ستوؤں کا تھیلہ کجاوے کے ساتھ باندھنا چاہا۔ مگر رسی نہ تھی، اسماء نے کمر کی پٹی کھولی اور اس سے ستو باندھے۔

زبانِ وحی نے اس اسماء کو ذات النطاقین کا خطاب عطا فرمایا۔ اسماء کو یہ خطاب اتنا محبوب تھا۔ کہ انھوں نے ہمیشہ اسی خطاب سے یاد کیا جانا پسند کیا۔ سامانِ سفر ہو چکا، تو ایک ناقہ پر حضورؐ، دوسری پر صدیق اکبرؓ اور ان کے غلام تیسری پر عبداللہ بن ارلیقط بیٹھے، اور بظاہر یہ مختصر مگر درحقیقت ساری کائنات سے زیادہ باعظمت قافلہ مدینہ کے سفر پر روانہ ہوا۔

ایک رات اور دوسرے دن کے پچھلے پہر تک یہ قافلہ متواتر چلتا رہا۔

پچھلے پہر، سراقہ تعاقب کرتا ہوا آپہنچا لیکن ابھی دُور تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور زمین میں گھٹنوں تک دھنس گیا۔ سراقہ دوبارہ سنبھلا، مگر تھوڑے فاصلے پر جاکر گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی۔ اور اب پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ کے ساتھ یہ تیسرا حادثہ تھا۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ سو اونٹ کے لالچ میں آکر اس نے تعاقب کرنے میں غلطی کی۔ اس نے دُور ہی سے ابوبکرؓ کو آواز دی، مجھے معاف کر دیجئے میں تعاقب کے فاسد ارادہ سے آیا تھا۔ مگر اب واپس جاتا ہوں۔ مجھے ایک معافی نامہ لکھ دیجئے تو میں لوگوں کو تعاقب سے باز رکھوں گا؟ معافی نامہ تو خیر لکھ دیا گیا، وہ خود ہی یہ سمجھ چکا تھا۔ کہ وہ دوسروں کو تعاقب سے روکنے والا کرن، محمدؐ کی حفاظت جس ذات کے سپرد تھی، اس میں تعاقب کرنے والوں کو روکنے کی طاقت تھی۔ اور یہی وہ طاقت تھی جس کے اشارہ پر زمین نے اس کے گھوڑے کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔

چار سواروں کا یہ قافلہ آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عبداللہ بن اریقط نے کچھ معمول کے خلاف غیر معروف رستہ اختیار کیا تھا۔ پھر بھی رستہ میں جاننے پہچاننے والے ملتے ہی گئے۔ حضورؐ کو تو لوگ نہیں جانتے تھے۔ البتہ صدیقؓ کو چونکہ ایک معروف تاجر کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے ان کو سب پہچان جاتے۔ رستہ میں کوئی پوچھتا، صدیق تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ صدیقؓ جواب دیتے۔

"ھذا یھدینی السبیل"

یہ شخص میرا رہبر ہے۔ یہ کہنا صحیح مگر سیاسی جواب تھا کسی کو شبہ تک نہ ہوا، کہ ان کے ساتھ محمدؐ ہیں۔ وہ محمدؐ جنہیں قتل کرنے کے لئے قریش کے سارے قبائل متحد ہو چکے تھے۔

آٹھ دن کے بعد یہ قافلہ قبا پہنچا، قبا، مدینہ کا ایک بیرونی محلہ تھا۔ دوپہر کے وقت حضورؐ قبا میں داخل ہوئے۔ مدینہ والے منتظر تھے۔ وہ ہر روز دوپہر

تک انتظار کرتے اور پھر گھر چلے جاتے جس وقت حضورؐ پہنچے مدینہ والے مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ ایک یہودی نے یہ قافلہ آتے دیکھا تو آواز دی۔

"تمہاری تقدیر کو بلند کرنے والا آگیا۔"

یہودی نے کیا پتے کی بات کہی تھی۔ حضورؐ سچ مچ مدینہ کی قسمت بدلنے آئے تھے۔ دنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ، مکہ سے نکل کر مدینہ کے دامن میں پناہ لینے کے لئے آپہنچا تھا۔

صدیق کی دوستی کا ایک اور تماشہ دیکھو، انھوں نے اس خیال سے کہ مدینہ والوں کی عقیدت کی نگاہیں صحیح مقام پر پڑیں اپنی چادر حضورؐ کے سر پر پھیلا دی۔ غور کرو ہم کسی بڑے آدمی کے ساتھ سفر کرتے وقت عوام کو یہ دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ ہم ہی بڑے آدمی سمجھے جائیں۔ مگر صدیقؓ کی عظمت دیکھتے ہو۔ وہ محمدؐ ہی کو مرکز نگاہ بنانے کی خاطر کیا اہتمام کرتے ہیں۔

صدیقؓ کی یہی وہ خصوصیات ہیں جنہوں نے صدیقؓ کو محمدؐ کے بعد سب سے بڑا آدمی بنا دیا۔ صدیقؓ کی ان ہی خصوصیات کی بنا پر اسلام سے دشمنی رکھنے والے ایک انگریز مورخ سر ولیم میور کو لکھنا پڑا۔ [1]

> محمدؐ کی زندگی کے حالات اگر ہماری نظر سے اوجھل ہو جائیں تو صدیقؓ کی ذات اور ان کا کردار محمدؐ کی سیرت کی بہت ہی پاکیزہ تصویر ہمارے سامنے پیش کر سکتا ہے۔

یہودی کی ندا سنتے ہی مشتاقانِ دیدارِ نبوت بھاگتے ہوئے آئے حضورؐ

---

[1] دی خلافت رائز اینڈ فال

جس وقت قبا میں داخل ہوئے۔ تو ایک عجیب خوشی ہر طرف دوڑ گئی۔ مدینہ والوں کو ایسا محسوس ہوا کہ اچانک اندھیری رات میں چودھویں رات کے چاند نے طلوع فرمایا۔

مدینہ کی لڑکیوں نے اس خوشی میں فی البدیہہ گیت گایا۔

طلع البدر علینا   من ثنات الوداع
وجب الشکر علینا   مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا   جئت بامر المتاع

وداع کی چوٹیوں سے ہم پر، بدرِ کامل اپنی تمام تر روشنی کے ساتھ طلوع ہوا، دنیا جب تک قائم رہے گی، ہم اس احسان کا شکر نہیں ادا کر سکیں گے اے ہماری قسمتوں کو بدلنے والے نبیؐ تم ہمارے پاس ایک ایسا قانون لے کر آئے ہو جس کی اطاعت ہم پر انتہائی ضروری ہے۔

معلوم نہیں ہو سکا کہ ان اشعار کا مصنف کون تھا لیکن ان میں مدینہ والوں کے جذبات کی بالکل صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔

حضورؐ دوشنبہ کے دن یہاں پہنچے اور جمعہ تک یہیں قیام فرمایا۔ دورانِ قیام میں ایک مسجد کی بنا بھی ڈالی۔ یہ سب سے پہلی مسجد تھی جسے اس صفحۂ ارض پر مسلمانوں نے تعمیر کیا۔

کچھ دن بعد حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے۔ اور اب یہ قافلہ پورا ہو گیا۔ حضورؐ کو حضرت علیؓ سے جو محبت تھی وہ کہتی ہے۔ کہ حضورؐ کا قبا میں جمعہ تک قیام حضرت علیؓ ہی کے انتظار میں تھا۔ مگر چونکہ تاریخ میں قیاس نہیں چلتا اس لئے مورخ اس بیان پر زور نہیں دے سکتا۔

مدینہ کے لوگ تب بھی آ آ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، اور اصرار کرتے رہے کہ حضورؐ جتنی جلدی ہو سکے مدینہ آ جائیں۔ جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول کو حضورؐ مدینہ میں داخل ہوئے۔

حضورؐ ناقہ پر سوار تھے۔ اور مدینہ کے بازاروں اور محلّوں سے گزر رہے تھے۔ ہر قبیلہ اور ہر محلّہ کی خواہش تھی کہ حضورؐ وہاں اتریں اور قیام فرمائیں۔ چلتے چلتے جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضورؐ نے بنو سالم بن عوف کے محلّہ میں ایک میدان کے اندر نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ مدینہ میں یہ پہلا جمعہ تھا۔ جو مسلمانوں نے باجماعت کھُلی فضا میں ادا کیا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی آپؐ ناقہ پر سوار ہوئے۔ چونکہ ہر قبیلہ اور ہر انصاری کی خواہش تھی، کہ حضورؐ اس کے ہاں قیام فرمائیں اس لئے حضورؐ نے اپنی ناقہ کی مہار ڈھیلی چھوڑ دی اور جس کسی نے بھی میزبان بننے کی درخواست کی، اس کو یہی جواب دیا، کہ ناقہ جہاں ٹھہرے گی وہیں ہم اتر پڑیں گے۔ ناقہ کئی محلّوں سے گزرتی ایک ایسی جگہ پر آ کر رُک گئی۔ جہاں کچھ درخت اُگے تھے۔ یہ جگہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے تھی۔ اور دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، ناقہ کے یہاں رکنے کے معنی یہ تھے۔ کہ حضورؐ کا قیام اسی جگہ ہو۔ مگر یہ جگہ تو ویران تھی، سامنے البتہ ابو ایوب انصاریؓ کا مکان تھا۔ ابو ایوبؓ کی قسمت جاگ اٹھی۔ دو جہان کی دولت انکے ہاں آ گئی ہر انصاری کی طرح وہ بھی حضورؐ کے میزبان بننا چاہتے تھے۔ مگر اتنی بڑی سعادت کے حصول کا خیال نہ آیا تھا۔ زمین کے مالکوں اور ان کے عزیزوں نے خواہش ظاہر کی، کہ یہ زمین مسجد کے لئے مفت لے لی جائے، مگر حضورؐ نے مفت لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ اگر اس کی قیمت لے لی جائے تو یہ زمین لی جا سکتی ہے۔ مناسب قیمت پر سودا ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی وقت قیمت ادا

کر دی۔ اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔

خدا کی قدرت دیکھئے، کہ اس مسجد کی تعمیر کہاں ہوئی۔ جو حرمِ کعبہ کے بعد دنیا کی تمام مسجدوں سے زیادہ مقدس اور بلند ہے۔

اس مسجد کے معمار کون تھے، محمدؐ سیدِ کون و مکان، خانہ کعبہ کی تعمیر ابراہیمؑ نے کی اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر محمدؐ کر رہے تھے۔ حضورؐ خود پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے، اور ایک معمار کی طرح مسجد کی دیواریں تعمیر کرتے، مہاجر اور انصار صحابہ میں سے کوئی مزدور بنا اور کوئی معمار۔ یہ لوگ اپنے سروں پر گارہ اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لائے اور خدا کا گھر بناتے گئے۔

یہ بھی عجیب منظر تھا۔ ہاتھ گارے سے بھرے تھے، اور سروں پر اینٹیں تھیں اور زبانوں پر یہ دعا تھی۔

اے ہمارے خدا ہم جانتے ہیں آخرت کی بہتری ہی اصل بہتری ہے۔ اے خدا انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔

اسی طرح یہ مختصر اور سادہ، مگر عظیم الشان مسجد تیار ہوئی، مسجد کیا تھی۔ سادگی اور پاکیزگی کا ایک مجسمہ تھی۔ مٹی کی دیواریں، کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھتیں۔ مسجد کے صحن میں نہ کوئی فرش تھا۔ اور نہ مسجد کے اندر۔ بارش ہوتی تو چھت ٹپکنے لگتی۔ صحن میں پانی جمع ہو جاتا۔ بعد میں سنگریزے بچھا دیئے گئے۔ تاکہ اندر کیچڑ نہ ہو جائے۔

مسجد کے صحن میں ایک معمولی سا چبوترہ بھی بنایا گیا۔ اس چبوترہ پر چھت ڈال دی گئی۔ یہ ان لوگوں کی قیام گاہ تھی، جن کا کوئی گھر نہ تھا۔ اصحابِ صفہ کی پاک جماعت یہیں رہنے لگی۔ حضورؐ کے رہنے کے لئے بھی مسجد کے ساتھ دو کمرے بنائے گئے۔ یہ کمرے بھی مسجد کی طرح سادے اور کمزور تھے۔ ان

کمروں کے دروازے مسجد میں کھلتے۔ بعد میں دوسری بیویوں کے لئے کچھ اور کمرے بھی بنے:۔

جب تک مسجد اور اس کے ساتھ کے کمرے نہ بن گئے۔ حضور ابو ایوب انصاری رضؓ کے مکان میں ہی تشریف فرما رہے۔ حضورؐ نے مدینہ پہنچ کر حضرت فاطمہ رضؓ۔ حضرت ام کلثوم، حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت اسامہ بن زید رضؓ کو بھی بلوا لیا۔

4-3-70

بروز منگل

Tuesday

تیرھواں باب

حضورؐ اب مدینہ میں آن بسے تھے۔ مکہ میں پیدا ہونے والے نبی نے مدینہ کو وطن بنا لیا۔ مدینہ اب اسلام کا مرکز بن گیا۔ وہ صحابی جو مکہ والوں کی سختیوں سے تنگ آ کر حبشہ چلے گئے تھے۔ وہ بھی آہستہ آہستہ مدینہ آنے لگے۔

ان کی تعداد سو سے زائد تھی! انسانی ضرورتیں ہم سب کے ساتھ ہیں۔ صحابہ بھی انسان تھے اور انھیں بھی یہ ضرورتیں لاحق تھیں اس لئے حضورؐ کے سامنے سب سے اہم مسئلہ پیش آیا۔ وہ ان صحابہؓ کے گزر اوقات کا مسئلہ تھا۔

انصار کی محبت اور اخلاص کی آزمائش پہلے بھی ہو چکی تھی۔ یہ مسئلہ اٹھا، تو اخلاص اور محبت کا ایک عجیب مظاہرہ ہوا۔ انصار نے مہاجر صحابہ کو اپنے گھروں، اپنے کاروبار اور مال و دولت میں شریک کر لیا اور دنیا کے سامنے ایک عجیب اور انوکھی برادری کا نمونہ پیش کیا۔

یہ انسانی مساوات کی پہلی مثال تھی۔ خود غرض دنیا کے اس تختہ پر اور کتنی عجیب مساوات تھی یہ بھی، کہ جس انصار کے پاس دو گھر تھے اس نے ایک گھر اپنے مہاجر ساتھی کے سپرد کر دیا۔ اگر دو کھیت تھے۔ تو ایک کھیت آپ رکھا اور ایک مہاجر صحابی کو سونپا۔ اور اگر ایک گھر تھا۔ تو آدھا آدھا بانٹ لیا۔ یہاں تک کہ جس انصار کی دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دی اور مہاجر صحابی کو ایک ساتھی بخش دیا۔

یہ بڑا مسئلہ حل ہوا۔ تو حضورؐ نے مدینہ کے حالات پر نظر کی۔ اب حضورؐ ہی

اس بڑے شہر کے نگران تھے۔ اور ضرورت تھی کہ حضورؐ اس شہر میں امن و امان قائم رکھنے کی تدابیر سوچیں۔ مدینہ میں مختلف قبائل آباد تھے۔ ان میں آئے دن لڑائی ہوتی رہتی اور یہ بات ایک اچھے شہر کے وقار کے منافی تھی۔ حضورؐ نے مدینہ کے سارے قبائل کو جمع کیا۔ اور امن کی ضرورت سمجھائی۔ مدینہ میں یہودیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اس لئے حضورؐ نے یہودیوں سے ایک مضبوط معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی اہم شرطیں یہ تھیں:۔

(۱) یہودی اور مسلمان دونوں ایک گروہ سمجھے جائیں گے۔

(۲) دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ کوئی فریق کسی دوسرے پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

(۳) دونوں میں سے اگر کسی پر باہر کی قوت حملہ آور ہوگی تو دونوں فریق مظلوم کی حمایت کریں گے۔

(۴) مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں، دونوں فریق، ایک ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

(۵) فریقین کے حلیف دونوں کے حلیف سمجھے جائیں گے صلح اور جنگ کے وقت دونوں فریق ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں گے۔

(۶) مدینہ میں دونوں میں سے کوئی فریق نہیں لڑے گا۔ مدینہ دونوں کے لئے حرم ہوگا۔

(۷) مختلف فیہ مسائل کا فیصلہ حضورؐ کیا کریں گے۔

اس معاہدہ کو زیادہ پائدار بنانے کے لئے حضورؐ نے مدینہ کے آس پاس کی آبادیوں کو بھی اس میں شریک کر دیا۔ حضورؐ بذاتِ خود ان بستیوں میں تشریف لے گئے۔ اور

ان کے باشندوں کو معاہدہ کی ضرورت سمجھائی اور دستخط لے لئے۔ حضورؐ کا اس
سے مقصد یہ تھا۔ کہ مدینہ میں ایک ایسا نظام قائم ہو جائے جس کے ذریعہ مدینہ
کے لوگ خوشحالی اور سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔

ہر اچھا شہری یہی چاہے گا۔ مدینہ کے شہری بھی یہی چاہتے تھے۔ اکثر
نے اس نظام کو پسند کیا۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی تھے۔ جن کی طبیعتوں میں فساد اور
شر تھا۔ وہ شروع سے ہنگامے برپا کرنے کے عادی تھے! انھوں نے جب اس
نظام کو جڑ پکڑتے دیکھا تو ان کی طبیعتوں کا فساد چمکا اور انھوں نے چپکے چپکے
اس نظام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی تدابیر شروع کر دیں۔

ان فسادیوں میں عبداللہ بن ابی کو زیادہ امتیاز حاصل ہے۔

رسول اللہؐ جب مدینہ تشریف نہیں لائے تھے۔ تو اس وقت مدینہ کے سب
لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اور اسی ڈر کی وجہ سے مدینہ والوں نے اسے اپنا سردار مان
لیا تھا۔ رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے۔ اور ایک نئی زندگی کی بنا رکھی تو
عبداللہ بن ابی کی سرداری جاتی رہی اور فتنہ و فساد پھیلا کر لوگوں کو لوٹنے کا ذریعہ
چھن گیا۔

اسلئے عبداللہ بن ابی نے، ان فسادیوں کی سرپرستی کی۔ جو اسلامی نظام کو
کھوکھلا کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے۔

مدینہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد غالب تھی۔ عبداللہ مسلمانوں
کی کھلی مخالفت تو نہ کر سکا! اتنی ہمت تو اسے نہ ہوئی۔ البتہ ان کے خلاف
خفیہ طور پر ایک تحریک شروع کر دی! اپنی اس تحریک کے ذریعے
وہ مسلمانوں کو حضورؐ کے خلاف بدظن کرنا چاہتا تھا۔ ظالم دہری چال
چلا! ادھر مسلمانوں میں بدظنی پھیلانے کی کوشش کی۔ اور اُدھر مکہ

کے قریش سے مل گیا۔ اس کے آدمی مکہ جانے اور کفار کو حضورؐ کے خلاف اُکسانے لگے وہ ان سے کہتے محمدؐ کمزور ہیں۔ ان کے ساتھ مدینہ کے زیادہ آدمی نہیں ہیں۔ تم ان پر حملہ کر دو۔ ہم تمہارا ساتھ دیں گے ۔

پھر بادل اُٹھے

چودھواں باب

اسے عبداللہ بن ابی کی شرارتوں کا نتیجہ سمجھئے یا مشرکین مکہ کی ذاتی عداوت قرار دیجئے۔ کہ انھوں نے تھوڑی مدت بعد ہی حضور ؐ سے چھیڑ خانی شروع کر دی۔

سب سے پہلے اس چھیڑ کا آغاز ایک نئے سردار کرز بن جابر نے کیا۔ یہ اپنے چند جری ساتھیوں کے ساتھ مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ آور ہوا۔ اور بہت سے مویشی ہنکا لے گیا۔ مکّہ کے لوگوں کی طرف سے یہ گویا اعلان تھا اس بات کا کہ وہ حضور ؐ کو آرام سے بیٹھنے دینا نہیں چاہتے۔

حضور ؐ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو آپ ؐ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ تاکہ کرز کو معلوم ہو کہ حضور ؐ میں اس قسم کی بے ہودگیوں کو روکنے کا حوصلہ ہے۔ صحابہؓ کی جماعت جب اس شخص کے تعاقب میں گئی۔ تو یہ بھاگ نکلا۔ صحابہؓ نے تھوڑی دُور تک تعاقب کیا اور پھر لوٹ آئے۔

گو کرز سے مقابلہ نہیں ہوا لیکن اس کے تعاقب سے اسے یہ بات معلوم ہو گئی، کہ وہ مسلمان جنہیں وہ اور اس کے ساتھی مکہ کے دورانِ قیام میں ستاتے

کے عادی تھے۔ اب اس قابل ہو گئے ہیں۔ کہ اینٹ کا جواب اینٹ سے دیں وہ اب ظلم سہنے کی تاب نہیں رکھتے وہ اب لڑنا سیکھ گئے ہیں۔

کرز نے یہ بات قریش سے آن کہی! اور ابوجہل اور اس کے ساتھی غصہ میں سانپ کی طرح بل کھانے لگے۔ انھوں نے چوپال میں بیٹھ کر اس داستان کو بڑے مبالغہ کے ساتھ دہرایا۔ اور کوشش کی کہ مکہ والے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

دشمن کے حوصلے جب اس قدر بڑھ جائیں۔ تو سمجھ دار جرنیل ان کا علاج سوچتا ہے۔ حضورؐ نے بھی یہ علاج سوچا۔ اور صحابہؓ کے مسلح دستے۔ محض نمائش کے لئے وقتاً فوقتاً آس پاس کے علاقوں کی طرف بھیجے، مقصد یہ تھا کہ دشمنوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضورؐ غافل نہیں ہیں۔

ایسا ہی ایک دستہ عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں دشمنوں کے حالات دیکھنے کے لئے نخلہ بھیجا گیا۔ یہ دستہ بھیجتے وقت حضورؐ نے مقصد واضح نہیں کیا تھا۔ صرف عبداللہ بن جحش کو ایک خط دے دیا گیا تھا۔ کہ دو دن بعد اسے کھول کر پڑھیں وقت پر یہ خط پڑھا گیا۔ تو اس میں لکھا تھا کہ مقام نخلہ پہ پہنچ کر دشمن کے نقل و حرکت کا پتہ لگایا جائے۔ عبداللہ بن جحش نخلہ پہنچے تو اتفاق سے وہاں انہیں چند مشرکین مکہ نظر آئے! انھوں نے مشرکین مکہ پر حملہ کر دیا۔ ایک شخص حضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ نکلے۔

عبداللہ بن جحش نے یہ حملہ کرتے وقت حضورؐ کے منشا کو نہیں سمجھا تھا۔ حضورؐ نے حملہ کا حکم نہیں دیا تھا۔ صرف دشمنوں کے نقل و حرکت کا پتہ چلانے کو کہا تھا۔ بہرصورت، جب حضرمی کے قتل کی خبر مکہ پہنچی تو ابوجہل اور اس کے جنگجو ساتھیوں نے اہلِ مکہ کو جنگ پر ابھارا اور مکہ کے ہر گھر میں لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

یہی دن تھے، جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کہ ایک ناقہ سوار بھاگتا ہوا مکّہ کی گلیوں میں پہنچا۔ وہ ابو جہل کے پاس آیا تھا۔ اور ابو سفیان کا پیغام لایا تھا۔ کہ میری مدد کو آؤ۔

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ابو جہل کے دل کی مراد بر آئی۔ اس نے بات کا بتنگڑ بنایا۔ اور مکّہ میں مشہور کر دیا۔ مسلمانوں نے ابو سفیان کے قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔

ہر طرف ہتھیار کھینچے لگے۔ سواریاں سجائی جانے لگیں۔ اور دیکھتے دیکھتے ہزار سواروں کا ایک لشکر تیار ہو گیا۔

اور اصل میں بات کچھ بھی نہ تھی۔ مسلمانوں نے نہ ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کیا تھا۔ اور نہ ایسا کوئی امکان تھا۔ بات صرف اتنی تھی۔ کہ ابو سفیان نے شام سے واپسی کے وقت جو رستہ تجویز کیا تھا۔ وہ مدینہ کے پاس سے ہو کر مکّہ آتا تھا۔ ابو سفیان کو محض وہم ہوا، کہ ممکن ہے، کہ مسلمان اس کے قافلہ کو لوٹ لیں۔ اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر ابو جہل سے مدد مانگی تھی۔ اور ابو جہل ایک فتنہ تھا وہ ہزار سوار ساتھ لے کر ہوا کی تندی اور تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا، اور بدر پہاڑی پر آن کر ڈیرے ڈال دیئے۔

ابو سفیان نے بیچ راہ میں سے دوسرا رُخ اختیار کر لیا۔ اور سلامتی کے ساتھ مکّہ پہنچ گیا۔ وہ مکّہ پہنچ بھی گیا۔ مگر ابو جہل صاحب ابھی تک بدر پہاڑی پر ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔

حضورؐ کو بھی اس چڑھائی کی خبر دی۔ مدینہ میں پہلی دفعہ لڑائی کا بگل بجا، قریش سے پٹنے والے مسلمانوں کو پہلی دفعہ حکم ہوا۔ ہتھیار سج کر میدان میں نکلیں اور ان کا مقابلہ کریں۔ جنہوں نے ان میں سے اکثر کو وطن سے نکال دیا تھا۔

دنیائے تاریخ کی یہ بھی انوکھی فوج تھی۔ جو مدینہ سے چل کر بدر آئی۔ ان میں سے اکثر کے پاس ہتھیار تھے اور نہ سواریاں تھیں۔ ایک ایک سواری پر کئی کئی مجاہد سوار تھے۔ ایک ایک تلوار پر کئی کئی ہاتھ تھے۔ جن کے پاس تلواریں نہ تھیں وہ بھالے ہی لے کر فوج میں شامل ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ ان کے پیشوا کا پہلا نعرۂ جہاد تھا۔ یہ اسلام کی تاریخ میں پہلی لڑائی تھی۔

محمدؐ سرورِ عالم اس فوج کے سپہ سالار تھے، ارے یہ وہ محمدؐ تھے جو سارے جہان سے اونچے اور برتر تھے یہ وہ تاجدار تھے جن کی پیشانی پر ہر صبح کو تاج کا نصیب جاگا۔ اور یہ محمدؐ کمبل کا کھردرا لباس پہنے کسی زرہ بکتر کے بغیر آج باطل کے خلاف نکلے تھے۔ اور ان صرف تین سو تیرہ آدمی تھے۔

تین سو تیرہ کی تعداد غالباً تاریخِ حرب میں سب سے مختصر تعداد ہے۔ مگر یہ لڑائی تاریخ عالم کی سب سے زیادہ صحیح اور نتیجہ بخش لڑائی تھی۔

حضورؐ جس وقت بدر کے میدان میں پہنچے۔ تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر دشمن کی فوج پر نگاہ ڈالی۔ دشمن ساری اونچی جگہوں پر قابض تھا۔ اور اس کی چھاؤنی کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا۔ کہ کوئی بڑا بادشاہ، لاؤ لشکر سمیت آن اترا ہے۔

حضورؐ نے بھی ایک مناسب جگہ اپنے لئے پسند کی اور نہتے مجاہدوں کی یہ مختصر سی فوج دشمن سے لڑنے کا سامان کرنے لگی۔

اس وقت اگر کوئی غیر جانبدار مبصر، دونوں لشکروں پر نظر ڈالتا تو اسے نظر آتا۔ کہ قریش کے لشکر میں نہ صرف ہر شخص مسلح تھا۔ بلکہ ہتھیاروں کا ایک کافی ذخیرہ بھی ساتھ تھا۔ تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ ہر ایک کے پاس کئی کئی سواریاں تھیں۔ کھانے کا وافر سامان تھا۔ اکثر وہ تنومند اور قوی ہیکل تھے اور مسلمانوں کی زیادہ تعداد فاقہ زدوں اور کمزوروں کی تھی۔ البتہ ان کے پاس ایمان کی دولت تھی اور

سچ پوچھو تو جس کے پاس ایمان کی دولت ہو۔ وہ تہی دست و تہی داماں نہیں کہا جا سکتا۔

ادھر بڑے بڑے خیمے نصب تھے۔ جانور ذبح ہو رہے تھے۔ مگر یہاں نہ کوئی خیمہ تھا۔ اور نہ کوئی اور شان و شوکت کا سامان۔

محمد سید کون و مکاں کے لئے البتہ ایک جھونپڑی بنی تھی۔ یہ جھونپڑی دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے پاک تاجدار کی تھی۔ یہ تاجدار کسی تخت پر نہیں۔ ایک معمولی "ف" کھجور کی چٹائی پر اللہ کے حضور سجدے میں پڑا دعائیں مانگ رہا تھا۔

حضورؐ کے الفاظ تھے اور آہ کتنے مؤثر الفاظ تھے۔

اے اللہ! اگر یہ تیری چھوٹی سی جماعت اس دنیا سے
اٹھ گئی۔ تو پھر تیری عبادت اور کون کرے گا۔

مسلمانوں کے کم، کمزور اور نہتے ہونے کا علم دشمن کو بھی تھا۔ عتبہ بن ربیعہ نے آگے بڑھ کر ان مسلمانوں پر نگاہ ڈالی۔ اور قوت اور طاقت کے غرور میں چیخا۔ ارے یہ تو نہتے بھی ہیں اور کمزور بھی۔ اور ان کی تعداد کتنی تھوڑی ہے۔ میں تو ان سے لڑنے میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ ابوجہل نے اسے ڈانٹا۔ بولا۔ پگلے۔ کیا بکتے ہو۔ یہ نہتے اور کمزور ہیں تو اور بھی اچھا ہے۔ ایسی حالت میں ہم انہیں جلد ختم کر دیں گے۔

عتبہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اس نے سوچا۔ ابوجہل ٹھیک کہتے ہیں۔

لڑائی کا بگل بجا۔ ادھر قریش کی اور ادھر مسلمانوں کی صفیں مرتب ہونے لگیں قریش کے طبلچیوں نے ڈھول پر ضرب دی گھوڑے ہنہنائے۔ سوار چمکے۔ اور ہوے ہوئے آگے بڑھے۔

قریش کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے لڑائی کی طرح ڈالی۔ وہ تینوں اپنی قوم کے سب سے بڑے شاہسوار تھے۔ ان میں سے ایک ایک ہزار ہزار آدمی

پر بھاری تھا۔ وہ تینوں گھوڑوں کی پیٹھوں پر اکڑتے سینے پھیلاتے اور نیزے لہراتے ، میدانِ جنگ میں اُترے ۔ ان تینوں کے جنگی نعروں سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔

اسلامی صفوں میں بھی جوش پھیلا۔ تین ایماندار انصار نیزوں کو لہراتے حضورؐ کے پاس آئے ۔ اور مقابلہ کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے اجازت بخشی اور انصار نے دشمن کو للکارا، عتبہ۔ ولید اور شیبہ ، ان تینوں کے لئے یہ چہرے بالکل اجنبی تھے۔ عتبہ نے آگے بڑھ کر پوچھا

تم تینوں کون ہو ؟

انصارؓ نے جواب دیا۔

ہم مدینہ کے رہنے والے انصار ہیں۔ اور
محمدؐ کے غلام ہیں۔

عتبہ غرور کا پُتلا تھا۔ اس میں قومی عصبیت اور خاندانی فخر تھا۔ اس لئے اسے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ۔ کہ مدینہ کے انصار سے لڑے ۔ ان سے جن کا خون نہ سرداروں کا ہے اور نہ بہادروں کا۔ اس نے اپنے ہاتھ کے نیزے کو بڑے غصے کے ساتھ ہلایا۔ اور بڑی زوردار آواز میں چیخا۔

محمدؐ یہ کیا مذاق کر رہے ہو ہم سے ، ہم
تم سے لڑنے آئے ہیں ، ہماری قوم کے
آدمیوں کو ہمارے مقابلہ میں لاؤ

یہ آواز کیا گونجی، مہاجر صحابہؓ کے دل جوشِ قومی سے بھر گئے۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عُبیدہ بن الحرث کے چہرے سرخ ہو گئے وہ تینوں بیک وقت حضورؐ کے سامنے آئے ۔ اور عتبہ ۔ شیبہ اور ولید سے

لڑنے اور ان کے مزاج درست کرنے کی اجازت چاہی۔ حضورؐ نے ان کی سلامتی کی دعا فرمائی۔ اور انہیں میدان میں اترنے کی اجازت دی۔

حمزہ۔ علی۔ اور عبیدہ، یہ تینوں عتبہ کے جانے پہچانے تھے، یہ جیسے ہی میدان میں آئے۔ عتبہ اور اس کے ساتھیوں نے تلواریں بے نیام کرلیں۔ اور اپنا اپنا مدمقابل چن لیا۔ عتبہ نے حمزہؓ کو للکارا۔ ولید نے علیؓ کو اور شیبہ عبیدہؓ کی طرف بڑھا۔ تلواریں چمکیں۔ اور دیکھنے والی نگاہیں ان بہادروں پر ابھی جمنے بھی نہ پائی تھیں۔ کہ حمزہؓ نے عتبہ کا، اور علیؓ نے ولید کا سر قلم کر دیا۔ اسلامی صفوں میں تکبیر گونجی، اور قریش غصہ میں بل کھانے لگے۔ شیبہ کے مقابلہ میں عبیدہؓ ناکام رہے، اور زخمی ہوئے۔ شیبہ فتحمندی کے نشہ میں جھنجا۔ تو علیؓ نے اسے للکارا۔ اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ علیؓ کی تلوار اس کا سر کاٹتی ہوئی دوہری ہو گئی۔

علیؓ۔ اور حمزہؓ کی کامیابی پر قریش جل تو اٹھے۔ مگر ان کے کسی بہادر کو یہ حوصلہ نہ ہوا۔ کہ ان کی تلواروں کی زد پر آئے۔ ابوجہل نے یہ حال دیکھا تو عام حملے کا حکم دیا۔ دونوں صفیں پر تولتی ہوئی آگے بڑھیں۔ اور ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ ایک طرف ایک ہزار آدمی تھے۔ اور دوسری طرف تین سو تیرہ۔ اور یہ تین سو تیرہ بھی اچھی طرح مسلح نہ تھے۔ مگر وہ ایماندار تھے۔ ان کے دل قوی اور بازو فولاد کے تھے۔ انھوں نے دشمن کی صفیں الٹ ڈالیں۔ ان سے ہتھیار چھین لئے۔ اور ان ہی کے ہتھیاروں سے ان کی گردنیں کاٹنے لگے۔ قریش مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر آئے تھے۔ ان کی تلواروں کے جوہر دیکھے تو حوصلے چھوڑ بیٹھے۔ ان کی صفیں بکھر گئیں۔ سر کٹنے اور زمین پر لوٹنے لگے۔ ستر سورما اور اپنے سوا دوسروں کو بزدل سمجھنے والے قریشی سردار مارے گئے۔ باقی نے جی چھوڑ

ہمت ہار دی۔ اور بھاگ نکلے۔ بھاگنے والوں میں ستّر پکڑے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو تیزی سے بھاگ نہ سکے۔ اور جو زیادہ تیزی سے بھاگنا جانتے تھے وہ تو ہوا کے دوش پر اڑ گئے۔ اور ہارے ہوئے جواری کی طرح منہ چھپائے ہوئے مکّہ کی گلیوں میں آن پہنچے۔ اور گھروں میں گھس گئے۔

یہ پہلی فتح تھی مسلمانوں کی کفار پر۔ حق نے عرب کی تاریخ میں پہلی دفعہ جھوٹ کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی۔ مظلوموں نے پہلی دفعہ ظالموں کو شکست دی۔ نہتوں نے پہلی بار مسلح فوج پر غلبہ پایا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ محمدؐ سرورِ کون و مکان نے ان نہتوں کے دلوں میں فولادی روح دوڑا دی تھی۔ ان کی روحیں بیدار اور ان کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔

مسلمانوں کا فتحمند قافلہ لاتعداد ہتھیاروں، خیموں اور دوسرے سامان سے لدا پھندا مدینہ پہنچا۔ ان کے چہرے چمک رہے تھے۔ اور دل خوشی سے بھرے تھے۔ انصار لڑکیوں نے آج پھر خوشی کے گیت گائے۔

اِدھر خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ اُدھر عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں کے دل ڈوبنے لگے۔ انھوں نے سوچا تھا کچھ۔ اور ہوا کچھ۔ ان کا خیال تھا۔ کہ یہ چند مسلمان دشمن کی تلواروں کا شکار ہو جائیں گے۔ مگر یہ مسلمان تو دشمن کو بھگا آئے تھے۔ ان کی سوچی ہوئی تدبیریں الٹ گئیں۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بڑے سمجھدار تھے۔ انھوں نے یہ حال دیکھا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور ظاہر میں اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے اسی میں بھلائی سمجھی۔ انھوں نے چاہا جس قوت کو وہ باہر رہ کر ختم نہیں کر سکتے اسے اندر داخل ہو کر کمزور کریں۔ مگر مسلمانوں کو کمزور کرنا آسان نہ تھا۔ رسول اللہؐ کی موجودگی میں کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی کمزور نہ کر سکتی تھی۔

پندرھواں باب

بدر کی لڑائی میں مکہ کے جوانمردوں نے اپنی پیٹھوں پہ جو زخم کھائے تھے وہ اب مندمل ہوتے جا رہے تھے! اور ان کی طبیعتوں کا شر پھر جاگ اٹھا تھا۔ بزدل بھگوڑے شروع شروع میں تو گھروں کے دروازے بند کر کے اندر چھپے رہے۔ شرم کے مارے باہر نہ آ سکے۔ جب زخم بھر گئے۔ تو باہر نکلے! اور اپنی جرأت اور بہادری کے جھوٹے افسانے چوپال میں بیٹھ کر سننے سنانے لگے! ابوجہل زندہ نہ تھا۔ بدر کے معرکہ میں بُری طرح ہلاک ہو چکا تھا۔ اگر وہ ہوتا تو ان بھگوڑوں کی قلعی کھولتا! اس کی جگہ ابوسفیان نے لے لی تھی۔ یہ ظالم خود بھی باتونی اور شرارت پسند تھا۔ اسے بڑے بول بولنے کی عادت تھی! اس نے ان بھگوڑوں کی پیٹھ ٹھونکی دیناروں کی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے! اور کہنے لگا۔ ہاں دوستو! تم بڑی جی داری سے لڑے! ایسی جی داری سے ایک مقابلہ اور ہو جائے۔ تو کتنا مزہ آئے۔ میرے سامنے بہادری کے جوہر دکھاؤ تو مالا مال کر دوں،

ابوسفیان شام کے سفر میں بڑی دولت کما کر لایا تھا! پچاس ہزار مثقال سونا اس کے پاس تھا! یہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا! اس نے اس کے مالکوں سے اسے جنگ کی تیاریوں پر صرف کرنے کی اجازت لے لی۔ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں نئے نئے ہتھیار ڈھلنے لگے۔ گھوڑے خریدے گئے۔ انہیں جنگ میں گھوڑے رہنے کی تربیت دی گئی۔ نوجوانوں کو ہتھیار سجانے اور انہیں استعمال کرنے کی مشق کرائی گئی! ابوسفیان نے پورے ایک سال میں سونا پانی کی طرح

بہایا۔ اور اپنی فراخ دلی سے نوجوانوں کے دل جیت لیئے۔ اس ایک سال میں مکہ ایک باقاعدہ چھاؤنی بنا رہا۔ ابوسفیان نے باہر کی بستیوں کے کئی دورے کئے اور اپنے حلیف قبیلوں کو جنگ میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جنگ کی تیاریوں میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ وہ بڑی کینہ ور عورت تھی بدر کی لڑائی میں اس کا بھائی اور باپ ہلاک ہو گئے تھے۔ اور اس کا جی چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ اپنے بھائی اور باپ کا انتقام مسلمانوں سے لے۔

اور انتقام لینے کا یہ وقت بھی آن پہنچا۔ مکہ کے باہر حلیف قبیلوں کے جنگجو جمع ہونے شروع ہو گئے۔ مکہ کے جوانمرد بھی سامان جنگ سے لدے پھندے باہر نکلے۔ مکہ کی بہت سی عورتیں بھی ہتھیار سجا کر جنگ میں شامل ہونے کے لئے مکہ سے باہر آئیں اور تین ہزار آدمیوں، ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں پر مشتمل یہ کارواں ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کی طرف بڑھا۔

آدمیوں، جانوروں اور اسلحۂ جنگ کا یہ سیلاب بڑی تیزی سے مدینہ کے قریب جا پہنچا۔

مغرور عربوں کی یہ فوج، مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر اُحد کے قریب آکر رُک گئی

حضورؐ بھی دشمن کی آمد کی خبر سُن کر مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ حضورؐ کا خیال تھا کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کی جائے۔ مگر نوجوان صحابہؓ زیادہ جوشیلے تھے انھوں نے اصرار کیا۔ کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کریں گے۔

حضورؐ اپنی خوشی سے نہیں، نوجوانوں کے اصرار سے مدینہ سے باہر نکلے۔ شروع میں حضورؐ کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے لیکن عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر رستہ سے واپس ہو گیا۔ صرف سات سو صحابی حضورؐ کے ساتھ رہ گئے

ہولے ہولے حضورؐ اُحد کے پہاڑ تک پہنچ گئے۔ یہیں دشمنوں کی فوج ڈیرے ڈالے تھی۔

حضورؐ نے جس جگہ ڈیرے ڈالے وہاں پیچھے اُحد تھا۔ اور اس کے ایک درہ سے دشمن کے حملہ کا امکان تھا۔ حضورؐ نے اس درہ پہ پچاس تیر اندازوں کو متعین فرما کر حکم دیا کہ فتح ہو یا شکست تم اس درّہ سے نہ ہٹنا

مسلمانوں اور قریش کی دوسری جنگ شروع ہوئی۔ ہتھیار اس زور سے بجے کہ فضا دم بخود رہ گئی۔ مکّے کے لوگ بڑے غصّے سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان کا خوب مقابلہ کیا۔ حضرت حمزہؓ اور ابو دجانہؓ نے دشمن کی صفیں کی صفیں الٹ ڈالیں۔ مگر بد بخت ہندہ نے حضرت حمزہؓ کے خلاف ایک سخت سازش کر رکھی تھی۔ اس نے اپنے غلام وحشی کو خنجر زہر میں بجھا کر دیا تھا۔ کہ گھات میں بیٹھ کر حمزہؓ پر پھینکے۔ حبشی گھات میں بیٹھ کر خنجر پھینکنے میں بڑا ماہر تھا۔ حضرت حمزہؓ لڑتے لڑتے جب اس جگہ پہنچے جہاں یہ بد بخت چھپا تھا۔ تو اس نے ان پر خنجر پھینکا۔ خنجر لگتے ہی حمزہؓ شہید ہو گئے۔ ہندہ نے ان کا کلیجہ نکالا۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر نے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اور انھوں نے کفار پر اس زور سے حملہ کیا۔ کہ وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ کفّار کے سات بڑے سردار مارے گئے۔ مسلمان تعاقب میں تھے اور کفار آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ حضورؐ نے جن تیر اندازوں کو درّہ کی حفاظت پر متعین فرما دیا تھا۔ انھوں نے دشمن کو بھاگتے اور ساتھیوں کو مالِ غنیمت لوٹتے دیکھا۔ تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹے انہیں خطرہ کا احساس نہ ہوا۔ وہ سمجھے کہ اب ہزیمت خوردہ فوج درّہ کے رستہ حملہ آور نہیں ہو سکتی۔

یہ ان کا قیاس تھا! دین کی باتوں میں اور پھر نبیؐ کے صریح اور صاف حکم کی

موجودگی میں انسانی قیاس اگر سمتِ مخالف اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ ہمیشہ تباہی ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ تیر انداز درّہ خالی چھوڑ کر مالِ غنیمت پر لپکے تو تاڑنے والے نے تاڑ لیا۔ یہ خالد بن ولید تھے۔ وہ دُور پہاڑی پر کھڑے تھے، انھوں نے، سیاست کی نگاہ سے یہ ساری کیفیت دیکھ لی۔ اور دو سو سواروں کو ساتھ لیکر اُدھر بڑھے۔ اور اس تیزی کے ساتھ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا۔ کہ فتح شکست میں تبدیل ہوتی معلوم ہوئی۔ مسلمان ہر طرف سے گھِر گئے۔ سامنے بھی دشمن تھے اور پیچھے بھی دشمن، حضورؐ طلحہؓ اور سعدؓ کے ساتھ پیچھے کھڑے یہ افسوسناک منظر دیکھ رہے تھے۔ مسلمان فوج کی ترتیب بگڑ چکی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مسلمانوں کی مختلف ٹولیاں دشمن کے نرغے میں گھِری بڑی جرأت اور بہادری سے لڑ رہی تھیں حضورؐ کے ساتھ بارہ صحابہؓ تھے۔ دشمن حضورؐ پر بڑی تیزی سے حملہ کر رہا تھا۔ مصعبؓ بن عمیر علمبردار کی حیثیت میں ساتھ ہی کھڑے تھے۔ ابنِ قمیہ نے مصعبؓ پر حملہ کیا۔ مصعبؓ شہید ہو گئے۔ مصعبؓ کی صورت حضورؐ سے بہت مشابہ تھی۔ ابن قمیہ سمجھا کہ اس نے حضورؐ کا چراغِ حیات گل کر دیا۔ وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر چلّایا۔ "محمدؐ کو میں نے قتل کر دیا" اس خبر نے، ان مسلمانوں پر جو حضورؐ سے دُور کھڑے لڑ رہے تھے۔ بہت بڑا اثر کیا۔ بعض نے عالمِ یاس اور حیرت میں ہتھیار تک رکھ دیئے مگر حالات پھر سنبھلنے لگی۔ حضورؐ نے بھی ابنِ قمیہ کی تعلّی سُنی۔ اس لئے جہاں کھڑے تھے وہاں سے پکارے۔

الیّ عباد اللہ وانا رسول اللہ

"اللہ کے بندو۔ میری طرف آؤ۔ دیکھو میں اللہ
کا رسول ہوں"

ان الفاظ میں کتنا درد اور کتنا اخلاص ہے۔ فضا میں یہ آواز کیا گونجی،

مسلمانوں کے دل مسرت سے بے خود ہو گئے۔ ان کے بازوؤں میں ایک نئی قوت آ گئی۔ اور وہ پہلی سی بہادری کے ساتھ لڑنے لگے۔ جہاں حضورؐ کی زندگی کے مژدہ نے مسلمانوں پر اچھا اثر کیا۔ اور وہ سمٹ سمٹا کر حضورؐ کی طرف چلے، وہاں کفار بھی پوری طاقت کے ساتھ حضورؐ پر لپکے، کفار کا اصل مقصد تو یہی تھا، کہ نبوت کا یہ چاند غروب ہو جائے۔ اور دنیا جیسی پہلے تاریک تھی ویسی پھر تاریک ہو جائے۔ صحابہؓ کے پہنچتے پہنچتے عبداللہ بن شہاب اور ابن قمیہ نے حضورؐ پر دو وار کر دیئے۔ خود کے دو حلقے ٹوٹ کر حضورؐ کے چہرہ مبارک میں گھس گئے۔ چہرہ مبارک سے خون بہنے لگا۔ ابو عبیدہؓ بن جراح نے خود کو دانتوں سے پکڑ کر نکالا اب بھی دشمنوں کے حملوں کا رخ حضورؐ کی طرف تھا۔ ہر طرف سے حضورؐ پر حملے کئے جا رہے تھے۔ تیروں، نیزوں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر محمدؐ کے غلام حضورؐ اور دشمنوں میں ایک کبھی نہ ٹوٹنے والی دیوار کی طرح حائل تھے۔ اور ابو دجانہؓ تو حضورؐ سے بالکل لگے کھڑے تھے۔ وہ حضورؐ کے آگے اس طرح کھڑے تھے کہ ان کی پشت دشمن کی طرف تھی۔ دشمن حضورؐ پر تیروں کی بارش کر رہا تھا۔ ابو دجانہؓ سارے تیر اپنی پیٹھ پر لیتے۔ ابو دجانہؓ کی پیٹھ تیروں سے چھد گئی۔ مگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی حضورؐ کے سامنے سے نہیں ہٹے۔ مبادا وہ ہٹ جائیں تو کوئی تیر حضورؐ کے جسم پاک تک پہنچ جائے۔ ایمان کی یہ کتنی غیر معمولی مثال تھی جو ابو دجانہؓ نے پیش کی۔

ابو دجانہؓ کی طرح، حضرت سعدؓ، ابو طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی حضورؐ کے چاروں طرف ایک آہنی حصار بنائے کھڑے تھے اور تمام حملے اپنے جسموں پر لے رہے تھے۔

ان پانچوں صحابیوں نے غیر معمولی حوصلے اور ضبط کا مظاہرہ کیا۔ حضرت

طلحہؓ نے ان ساری تلواروں کے وار اپنے ہاتھ پر روکے جو حضورؐ پر سونتی گئیں زخموں کی وجہ سے ان کا ہاتھ بری طرح کٹ گیا۔ زخموں سے خون بہنے لگا لیکن جونہی کوئی تلوار حضورؐ پر اٹھتی، طلحہؓ کا ہاتھ بے اختیار اس وار کو خود پر لیتا۔

صحابہؓ کا انتشار پھر جمعیت کی صورت اختیار کرتا گیا۔ صحابہؓ ہر طرف سے اس مستحکم اور مستقل مرکز کی طرف آ رہے تھے۔ تعجب ہوتا ہے کہ دشمن کی ساری قوت اس مرکز کو توڑنے میں صرف ہو رہی تھی لیکن یہ مرکز ایک جامد چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم تھا اور اسے دشمن کی کوئی تدبیر بھی ہلا نہ سکی۔

یہ نبوت کی آہنی چٹان تھی۔ جو زمین کی چھاتی پر گڑی تھی۔ صحابہؓ اس چٹان کے چاروں طرف جمع ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک صحابی بھی دور نہ رہا۔ تو حضورؐ انہیں ساتھ لے کر لڑتے لڑتے پہاڑ کے ایک محفوظ اور بلند مقام پر چڑھ گئے۔ پہاڑ پشت پر تھا، اور دشمن سامنے، اب مسلمان ہر طرف سے دشمنوں کو مار رہے تھے، دشمن بھی اوپر چڑھنے لگا۔ حضورؐ کے ارشاد پر حضرت فاروقؓ چند ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں پر ایسا سخت حملہ کیا۔ کہ وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ابی بن خلف حضورؐ کے پرانے دشمنوں میں سے تھا، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اور نیزہ ہاتھ میں لے کر حضورؐ کی طرف بڑھا۔ صحابہؓ نے اسے روکنا چاہا۔ حضورؐ نے جلالِ نبوت میں فرمایا "اسے بڑھنے دو" وہ بڑھا، حضورؐ کے قریب آیا اور ابھی وہ حملہ کرنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ حضورؐ کا نیزہ اس کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ یہ بدبختی اس کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ کہ محمدؐ سیدِ کون و مکان کا نیزہ اس کی گردن میں پیوست ہو، اور وہ اس دنیا اور آخرت میں نامراد و مردود قرار دیا جائے۔

یہ آخری جدوجہد تھی جو کفار کی طرف سے کی جا رہی تھی۔ اس میں انہیں سخت ناکامی ہوئی۔ بزدل اب چھپ کر گھبرانے لگے۔ ان کے حوصلے ایک ایک پست ہو گئے۔ خود ابو سفیان کا

دل ڈول گیا۔ اور وہ مسلمانوں کے سامنے سے ہٹ کر تھوڑی دور جا رُکا۔ جنگ ہار چکا۔ تو بدبخت کو نعروں کی سوجھی۔ اور عوام کو فریب دینے اور اپنی ندامت مٹانے کے لئے چیخا۔

کیا تم میں محمدؐ ہیں ؟

کیا تم میں ابوبکرؓ ہیں ؟

کیا تم میں عمرؓ ہیں ؟

حضورؐ نے جواب دینے سے روک دیا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اسے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ سمجھا، کہ یہ تینوں بزرگ ختم ہو گئے۔ خیال نے الفاظ کا جامہ پہنا۔

"یہ سب ختم ہو گئے۔ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔"

حضرت عمرؓ تاب برداشت نہ کر سکے۔ زور سے بولے۔

"شیخی باز! زبان روک! یہ سب کے سب تجھے رسوا و ذلیل کرنے کے لئے زندہ و سلامت ہیں۔"

کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق ابوسفیان کی آواز پھر بلند ہوئی۔

"اعلیٰ ھبل"

یہ موقع ایسا نہ تھا۔ کہ حضورؐ خاموش رہتے۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، جواب دو۔

"اللہ اعلیٰ واجلّ"

اللہ سب سے بلند اور سب سے اونچا ہے۔

غور کا مقام ہے۔ کہ حضورؐ اپنے نام پر حرف آتے وقت تو بولتے تک نہیں

اور صحابہؓ کو بھی بولنے سے منع فرمادیا۔ مگر خدا کی عظمت پر حرف آتے دیکھا تو فوراً پکار اٹھے! ابوسفیان لڑائی کا بدلہ اس قسم کے مکروہ طعنوں میں لینا چاہتا تھا اس لئے پھر کہا۔

لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم

حضورؐ کی طرف سے ندا آئی۔

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم

ابوسفیان زبان اور نعروں کی بازی بھی ہار گیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کئی میل پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ گویا اس نے اپنی شکست کا اعتراف کر کے ناکام واپسی پسند کی۔ تھوڑی دور جا کر وہ پھر رکا، اسے خیال آیا، کہ یہ تو بری بات ہے۔ اس قسم کی ناکام واپسی تو باعث شرم ہے۔ وہ یہی سوچ رہا تھا۔ کہ حضورؐ اور صحابہؓ کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھا! اور پھر شرم اور ندامت سب کچھ بھول گیا! اور ساتھیوں کو لے کر تیزی سے بھاگ نکلا۔ حضورؐ نے کچھ دور تک تعاقب کیا۔ مگر جب دشمن دور نکل گیا تو مدینہ کو پلٹے۔

مورخین نے جنگِ اُحد کی عارضی شکست و انتشار پر بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ مگر سچ پوچھیئے تو یہ شکست نہیں تھی۔ یہ صرف فوج کا انتشار تھا، جو مسلمانوں کی اپنی غلطی سے ہوا۔ اگر تیر انداز اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تو یہ انتشار بھی پیدا نہ ہوتا۔ بہر صورت صحابہؓ نے جوں ہی اپنی اس غلطی کا عملی اعتراف کیا۔ ان کی حالت سنبھل گئی! اور دشمن ان کے مقابلہ سے بھاگ نکلا۔

جنگِ اُحد میں، محبت و عشق کے بعض عجیب و غریب مقام نظر آئے۔ صحابہؓ کو حضورؐ سے جو عشق تھا اس کا منظر بھی آنکھوں نے دیکھا۔

اس جنگ میں عشق کی بے خودی کی چند تصویریں بھی نظر آئیں۔ حضرت فاروقؓ

کر حضورؐ سے کس درجہ عشق تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کرو کہ فضا میں آواز گونجی، محمدؐ شہید ہو گئے۔ آواز کیا بلند ہوئی۔ عمرؓ کے حواس گم ہو گئے۔ آنکھوں میں غبار، دل میں بے قراری اور دماغ میں اس درجہ اضطراب پیدا ہوا۔ کہ تلوار ہاتھ سے چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ عمرؓ کے مخالفین اسے کمزوری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اہل دل جانتے ہیں کہ یہ عشق کا آخری مقام ہے۔ چاہنے والا محبوب کی موت کی خبر آسانی سے سن نہیں سکتا۔ اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس پر یہ افتاد کبھی پڑی ہو۔ اور اگر حقیقت دیکھی جائے۔ تو حضرت فاروقؓ حضورؐ سے کافی فاصلہ پر لڑ رہے تھے ساتھوں نے آگے بڑھ کر دشمن کو آگے بڑھنے سے روکا۔

دشمن سے لڑتے لڑتے ان کے کانوں میں یہ آواز اچانک گونجی۔ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔ یہ کوئی معمولی خبر نہ تھی۔ ارے یہ تو اس ساری خدائی کی تباہی کی خبر سے بڑھ کر خبر تھی۔ یہ تو ایک خوفناک زلزلہ تھا۔ فاروقؓ کا دل اور دماغ دونوں ہل گئے۔ اور صدمہ کی شدت کے باعث وہ بھول گئے کہ جنگ میں ہتھیار ہاتھ سے رکھ کر سر پکڑ کر بیٹھنا بہت بڑا خطرہ مول لینا ہے۔ عمرؓ کو کسی خطرہ کی پرواہ نہ تھی، وہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جو محبوب کی موت کے بعد زندہ رہنا پسند نہیں کرتے۔

بہر حال یہ عشق کا آخری مقام ہے، دانائی و سیاست نہیں تو نہ سہی جنگ اُحد میں عشق کا ایک مقام اور بھی دکھائی دیا۔ اور یہ اس وقت جبکہ انصار اور مہاجر عورتوں کو اطلاع دی گئی کہ تمہارے فلاں عزیز شہید ہو گئے۔ ہر ایک بے اختیار ہو کر پکار اٹھی۔ وہ تو شہید ہو گئے۔ مگر محمدؐ کیسے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہیں تو ہمارے لئے یہ زندگی جنت ہے اور اگر ان پر آنچ آتی ہے، تو پھر کوئی مرے کوئی جئے ہمیں اس سے کیا غرض۔ ایک صحابیہؓ[۱] کے تین عزیز جنگ اُحد میں شہید ہوئے، ہر بار جب اسے

---

[۱] طبری، سیرت ابن ہشام اور کامل ابن اثیر

باپ، شوہر اور بھائیؑ کی شہادت کی خبر دی گئی۔ تو اس کی زبان سے انا للہ کے سوا اور کچھ نہیں نکلا۔ مگر وہ برابر یہی پوچھتی رہیں۔

ارے ان کی کہتے ہو۔ میں پوچھتی ہوں، میرے
آقا کے متعلق کیا خبر ہے؟

اور جب یہ سُنا کہ حضورؐ خیریت سے ہیں تو بھاگی بھاگی حضورؐ کے دیدار کو پہنچی اور حضورؐ کو دیکھتے ہی عقیدت کی زبان سے پکاریں

کُلُّ مصیبۃٍ بعدکَ جلل

"آقا آپ زندہ اور سلامت ہیں تو سب
مصیبتیں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔"

سولھواں باب

ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ جب مدینہ تشریف لائے۔ تو حضورؐ کی تجویز پر مدینہ کے مسلمانوں اور یہود میں ایک معاہدہ ہوا اس معاہدہ کی شرائط میں ایک یہ شرط بھی تھی۔ کہ فریقین پر اگر باہر کی کوئی طاقت حملہ آور ہو گی۔ تو دونوں جماعتیں مل کر مدافعت کریں گی۔ مسلمانوں پر کفارِ مکہ دو دفعہ چڑھ کر آئے۔ بدر میں ایک معرکہ ہوا۔ یہود اس میں شریک نہ ہوئے۔ پھر اُحد پر دوسری لڑائی لڑی گئی یہود نے اس میں شرکت نہ کی۔ گویا یہود نے عملی طور پر دو دفعہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس ظاہری خلاف ورزی کے علاوہ یہود نے حضورؐ کو نقصان پہنچانے کے لئے سازشیں کیں۔ حضورؐ کا مذاق اڑایا گیا۔ پھبتیاں کسی گئیں۔ اور حضورؐ کی جان پر حملے کئے گئے۔ یہود کا یہ طرزِ عمل ایسا نہ تھا۔ کہ اسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ لیکن سرکارؐ کا تحمل دیکھو۔ کہ آپ ان شرارتوں کے باوجود یہود سے درگزر ہی کرتے رہے جنگِ بدر کے بعد، یہود نے چونکہ حد سے تجاوز کیا تھا۔ اس لئے انہیں خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ جنگِ اُحد کے وقت یہود نے پھر خلاف ورزی کی۔ اور اس خلاف ورزی میں منافقینِ مکہ کو بھی شریک کر لیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں سمیت میدانِ جنگ سے بھاگا، تو اس میں یہود ہی کے مشورے سے کام کر رہے تھے۔ گو عبداللہ بن ابی کی اس حرکت سے مسلمانوں اور حضورؐ کو یہ معلوم ہو گیا کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ اور ان کا استیصال ضروری ہے، قریشِ مکہ کے مشورہ پر، بنی عامر اور بنی سلیمہ کا ایک سردار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا،

اور ستر قاریوں کو اسلام سکھانے کے بہانہ سے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور رستہ ہی میں انہیں دھوکہ دے کر قتل کر ڈالا۔ اس سازش میں مشرکینِ مکہ کے علاوہ منافقینِ مدینہ اور یہود بھی شریک تھے اسی طرح، قریشِ مکہ نے عضل وقارہ کے سات آدمیوں کو حضورؐ کی خدمت میں دھوکا سے بھیجا۔ وہ دس معلمین کو اپنے ساتھ لے گئے اور قتل کر دیا۔ یہ دھوکے باز بھی منافقینِ مدینہ اور یہود کے سکھلائے پڑھائے تھے۔

اتفاق سے عمرو بن امیہ کے ہاتھ سے بنو عامر کے دو شخص قتل ہوئے۔ اس واقعہ کے متعلق جو کارروائی کی گئی اس کے دوران میں یہود کی نیتوں پر جو پردہ بظاہر پڑا تھا، وہ اٹھ گیا۔ مقتول بنو عامر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبیلہ مسلمانوں اور یہود دونوں کا حلیف تھا۔ حضورؐ نے مقتولین کا خون بہا ادا کرنا ضروری سمجھا، اور بنو نضیر (یہود) سے اس معاملہ میں مشورہ کرنا چاہا۔

حضورؐ، صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ چاروں مل کر بنو نضیر کے ہاں پہنچے۔ بنو نضیر نے بظاہر حضورؐ کا خیر مقدم کیا اور قلعہ کے ساتھ ایک ایسی جگہ بٹھایا۔ جہاں کی دیوار پر ایک بڑا سا پتھر رکھا تھا۔ یہود کا منشا تھا۔ کہ اوپر سے یہ پتھر گرا کر نعوذ باللہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کر دیا جائے۔ ایک آدمی اس ارادہ بد سے اوپر چڑھا قدرت حضورؐ کی محافظ تھی۔ فوراً وحی آئی اور حضورؐ کو اس خطرہ سے آگاہ کر دیا گیا۔ حضورؐ ساتھیوں سمیت اس جگہ سے اٹھے۔ اور صاف الفاظ میں بنو نضیر کو بتا دیا، کہ ہمیں تمہاری نیتِ بد کا علم ہو گیا۔ حضورؐ یہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے۔ اور بنو نضیر کو لکھ بھیجا، یا تو نیا معاہدہ کرو یا جلا وطن ہو جاؤ۔ یہود نے نہ تو نیا معاہدہ کیا، اور نہ جلا وطنی اختیار کی، حضورؐ صحابہؓ کی جماعت کو ساتھ لے کر بنو نضیر پر حملہ آور ہوئے۔ بنو نضیر قلعہ میں محصور ہو گئے۔

منافقینِ مدینہ، حضورؐ اور اسلام کے دشمن تھے! انہوں نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا اگر تم باہر نکل کر مسلمانوں کا میدان میں مقابلہ کرو تو ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔ مگر اسلام کے روشن چاند کے سامنے کفر اور شرک کا دیا کیسے جل سکتا تھا۔ بنو نضیر باہر نہ نکلے۔ پندرہ دن کے محاصرہ میں ہمت ہار گئے۔ اور جلاوطنی پر رضامندی ظاہر کی، شرط یہ قرار پائی کہ بنو نضیر غیر مسلح حالت میں دو اونٹوں کا بوجھ ساتھ لے کر بستی سے نکل جائیں۔

حضورؐ نے بنو نضیر کا سامان اور زمین مہاجر صحابہؓ میں تقسیم فرما دی۔ ہم پیچھے لکھ چکے ہیں۔ کہ مہاجرین، اسلام کی خاطر سب کچھ چھوڑ آئے تھے۔ خدا نے ان کے افلاس کو کم کرنے کا ایک موقع دیا۔ تو حضورؐ نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور ایسا کرتے وقت انصارؓ سے بھی مشورہ کر لیا۔ انصار مخلص تھے، لالچی نہ تھے! انھوں نے حضورؐ کو ایسا کرنے کی اجازت بڑی خوشی سے دے دی۔

اس مالِ غنیمت میں دو مستحق انصاری صحابہ کو بھی شریک کیا گیا۔ ابو دجانہؓ اور سہیلؓ بن حنیف کو، یہ دونوں غریب تھے، اور امداد کے مستحق، حضورؐ کے اس طرزِ عمل سے یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کہ حضورؐ کے نزدیک بنو نضیر کے مالِ غنیمت میں شرکت کی شرط، غربت اور احتیاج تھی۔

جنگِ اُحد اور محاصرۂ بنو نضیر کے بعد، ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ حضورؐ نے نجد پر چڑھائی کی، وہاں کے دو قبیلوں بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے حضورؐ کے خلاف ایک محاذِ جنگ تیار کر لیا تھا مگر حضورؐ ابھی ذات الرقاع پہنچے تھے، کہ دشمن بُری طرح بھاگا۔

رسول اللہؐ واپس آئے، تو انہیں ایک عجیب خبر ملی۔ یہ خبر ابو سفیان کی جنگی تیاریوں کے متعلق تھی۔

مدینہ کے منافقین یہ خبر لے کر مکہ سے آئے تھے۔ انھوں نے خوب رنگ آمیزی کی۔ ابوسفیان کی جنگی تیاریوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ مقصد یہ تھا۔ کہ مسلمان جی چھوڑ جائیں۔

حضورؐ کی موجودگی میں، صحابہؓ کو کسی جعلی داستان کا یقین نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر جو لوگ بدر، اور اُحد، میں انتہائی قلیل تعداد کے باوجود کفار کو شکست دے چکے تھے۔ وہ دشمنوں کی تیاریوں سے کیسے مرعوب کئے جا سکتے تھے۔

حضورؐ نے دشمن کی تیاریوں کی اطلاع پاتے ہی جنگ کا اعلان کیا اور ڈیڑھ ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف سے ابوسفیان دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ ابوسفیان کے ساتھ گو دو ہزار سپاہی تھے لیکن جوں ہی اُسے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار صحابہ ہیں، تو اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ وہ کفر کے زور پر لڑنے آیا تھا۔ ایمان کے نور سے اس کا دل روشن نہ تھا۔ بزدل ڈر گیا۔ سوچنے لگا۔ پہلے معرکہ میں یہ تین سو تیرہ تھے۔ پھر بھی جیتے۔ پھر سات سو تھے۔ پھر جیتے اور اب تو پندرہ سو ہیں۔ وہ یہیں سے پلٹ گیا۔ مکہ میں واپسی پر عرب عورتوں نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو طعنے دیئے۔

"تم لوگ لڑنے نہیں ستو پینے گئے تھے۔ ستو
پیئے اور واپس آ گئے۔"[1]

قحط سالی کی وجہ سے، ابوسفیان اور اس کے لشکر کو ستوؤں کے علاوہ ساتھ لے جانے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی تھی، عرب عورتوں کا اشارہ اسی طرف تھا۔

[1] طبری (سنہ ۴ھ اور اس کے واقعات) [2] کامل ابن اثیر

حضورؐ کو آٹھویں دن ابوسفیان کی اس بزدلی کی خبر ہوئی۔ اور حضورؐ صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ لوٹ آئے۔

کچھ مدت بعد حضورؐ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل کا امیر شام کے دوسرے عیسائیوں سے مل کر، مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضورؐ کو یہ اطلاع بر وقت مل گئی اور حضورؐ ایک دور اندیش مدبر کی طرح، ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر شام کی طرف بڑھے۔ اور دومۃ الجندل کے قریب پہنچ کر دومۃ الجندل کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا اور بہت سے مویشی پکڑ لئے۔ اکیدر کو حضورؐ کے حملہ کی اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو وہ مسلمانوں کی قوت سے مرعوب ہوگیا۔ اور اپنے ساتھیوں سمیت چھاؤنی کو خالی چھوڑ کر پیچھے کو بھاگ نکلا۔ حضورؐ نے نمائش کے طور پر مسلمانوں کے چند دستے، آس پاس کے علاقوں میں بھیجے۔ جب کہیں بھی کسی نے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کی۔ تو چند دن قیام کے بعد حضورؐ مدینہ لوٹ آئے۔

یہ انتی دور کا سفر بظاہر بے نتیجہ معلوم ہوتا ہے لیکن سیاست اور آئینِ جہاں بانی سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ سفر بے نتیجہ نہ تھا۔ اس سے عرب کے لوگوں پر یہ بات کھل گئی۔ کہ مسلمانوں میں نہ صرف مدافعت کی قوت ہے بلکہ وہ دوسروں کے ملک پر چڑھائی بھی کر سکتے ہیں۔ یہ بہت بڑی سیاسی جرأت تھی۔ اور اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا۔ اور پھر کسی شامی فوج کے مدینہ پر چڑھ آنے کی خبر نہیں آئی۔

شامی فتنہ دبا تو ایک نئے فتنہ کے سر اٹھانے کی خبر آئی۔ یہ حارث بن ضرار کا فتنہ تھا۔ اسے بھی اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو دبانے کا شوق چرایا، اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

حضورؐ کو خبر ملی تو حضورؐ لاؤ لشکر کے ساتھ چشمہ مریع کی طرف بڑھے،

حارث بھی وہیں آن پہنچا۔ دونوں فوجیں لڑائی کی تیاریاں کرنے لگیں اسلامی اصولِ جنگ کے مطابق حضورؐ نے حضرت فاروقؓ کو حارث کے پاس بھیجا، کہ اسے اسلام لانے کی دعوت دیں۔ حارث نے دعوت رد کر دی حضورؐ نے حملہ کا حکم دیا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی حارث کی فوج کا علمبردار مارا گیا۔ اور علم گرتے ہی حارث کی فوج بھاگی۔ مسلمانوں نے تھوڑی دور تک اس کا پیچھا کیا۔ اور کچھ قیدی پکڑ لائے۔ ان قیدیوں میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، جو بعد میں حضورؐ کی حرمِ محترم بنیں۔ مدینہ آ کر حضورؐ نے انہیں ان کے باپ کی درخواست پہ رہا کر دیا۔ لیکن اسلام چونکہ ان کے دل میں گھر کر چکا تھا اس لئے وہ واپس نہ گئیں حضورؐ نے ان کی اسلام دوستی کے پیشِ نظر ان سے نکاح کر لیا۔

اس حملہ میں خلافِ معمول منافقین بھی شریک ہوئے تھے۔ اور اس لئے شریک ہوئے تھے، کہ ایک تو مہاجر اور انصار کو ایک دوسرے سے لڑائیں اور دوسرے رسول اللہؐ کی ذاتِ بابرکات پر گند اچھالیں۔ انھوں نے یہ گند اچھالا۔ اور رسول اللہؐ کے حرمِ محترم حضرت عائشہؓ پر ایک ایسا بہتان باندھا، جس سے مسلمانوں کے کلیجے چھلنی ہو گئے۔

بات بالکل معمولی تھی! اسلامی فوج جس وقت خیمے اکھاڑ کر مدینہ کو پلٹی۔ تو اس وقت حضرت عائشہؓ اپنے ہودج میں نہ تھیں کسی کنج میں رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئی تھیں، ان کے گلے کا ہار کانٹوں میں الجھ کر بکھر گیا تھا۔ وہ یہ اسے چننے لگی تھیں تیرہ چودہ سال کی عمر تھی اور ایسی عمر میں دور اندیشی کی باتیں نہیں سوجھتیں۔ وہ موتی چنتی رہیں۔ اور اسلامی کارواں آگے بڑھ گیا۔ ہودج پردہ دار تھا کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ عائشہ اپنے ہودج میں نہیں ہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو کارواں رک جاتا۔ حضرت عائشہؓ اکیلی رہ گئیں چھوٹی عمر تھی۔ بہت پریشان ہوئیں یہ تو

خیریت ہوئی کہ اسلامی فوج کے ایک سپاہی صفوانؓ پیچھے رہ گئے تھے حضورؐ کے حکم کے مطابق ان کا کام یہ تھا۔ کہ وہ اسلامی فوج کی روانگی سے کچھ دیر بعد روانہ ہوا کریں تاکہ اگر کوئی شخص پیچھے رہ جائے تو اسے اپنے ساتھ لے آئیں یا گرے پڑے سامان کا خیال کریں۔

حضرت عائشہؓ اس جگہ آن رکی تھیں جہاں ان کا خیمہ تھوڑی دیر پہلے نصب تھا۔ اور رو رہی تھیں صفوانؓ لشکر گاہ پر نظر ڈالتے ہوئے جب یہاں پہنچے تو بہت حیران ہوئے۔

اپنی اونٹنی سواری کے لئے پیش کی حضرت عائشہؓ سوار ہو گئیں تو خود اونٹ کی مہار پکڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اسلامی کارواں کی طرف بھاگے حضرت عائشہؓ صفوانؓ کی اونٹنی پر سوار ہو کر کارواں سے آملیں تو منافقین نے ان کی ذات پر سخت بہتان باندھا انھوں نے شہور کر دیا۔ کہ نعوذ باللہ حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ میں ناجائز تعلقات ہیں۔

یہ کتنا بڑا بہتان تھا۔ جو منافقین نے تراشا۔ رسول اللہؐ کا دل اس قدر مجروح ہوا۔ کہ انھوں نے حضرت عائشہؓ سے بات چیت بند کر دی۔

حضرت عائشہؓ کی آنکھیں روتے روتے سوج گئیں اور صحت بگڑ گئی۔ وہ ہر وقت گھٹنوں میں سر دئے کر روتی رہتیں۔ وہ سوچتیں اے کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر گئی ہوتی۔

حضرت عائشہؓ کے ساتھ ساتھ ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہؓ کو بھی سخت رنج پہنچا۔ منافقین کا مقصد یہی تھا۔ اور انھوں نے یہ مقصد پا لیا۔

تھوڑے دنوں بعد حضورؐ پر عائشہ صدیقہؓ کی پاک دامنی وحی کے ذریعہ ظاہر کی گئی۔ اور حضورؐ نے ان لوگوں کو سزا دی جنھوں نے حضرت عائشہ پر بہتان

باندھا تھا۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد رسول اللہ کو کامیابی نصیب ہوئی اس کامیابی کے اسباب میں ایک بڑے سبب کا اظہار جنگ اُحد کے بیان میں ہو چکا ہے آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ جب چاروں طرف سے گھر گئے۔ تو صحابہؓ نے کس طرح دشمنوں کے حملوں کو اپنے جسموں پر لیا۔ جو نبی یا مرشد، اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اپنے لئے وہ جگہ پیدا کر لیتا ہے جو رسول اللہ کو حاصل ہوئی وہ کبھی ناکام نہیں رہتا۔ یہی سبب تھا کہ رسول اللہ ہر موقع پر کامیاب رہے اور اسلام کی قوت دن بہ دن بڑھتی چلی گئی۔

ہم کہیں پیچھے دس صحابہؓ کی اس جماعت کا ذکر کر چکے ہیں۔ جسے عضل و قارہ کی درخواست پر معلم بنا کر قبیلہ ہذیل کی طرف بھیجا گیا۔ اس میں حضرت خبیبؓ بن عدی اور زید بن الاثنہ بھی تھے۔ آٹھ معلم تو دھوکے میں شہید کر دئیے گئے۔ یہ دو قید ہوئے۔ اور کفار مکہ کے پاس بھیج دیئے گئے۔ دارالندوہ سے ان عشاق کے لئے قتل کا حکم صادر ہوا۔ دونوں یکے بعد دیگرے مقتل میں لائے گئے۔ پہلے حضرت زیدؓ کو لایا گیا۔ کفار گروہ در گروہ شہادت کا تماشہ کرنے آئے تھے ابو سفیان بھی تماشائیوں میں تھا۔ حضرت زیدؓ کو قتل کیا جانے لگا۔ تو ابو سفیان آگے بڑھا اس نے کہا:۔

زید! کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہیں چھوڑ دیا
جائے اور تمہارے بجائے محمدؐ کو سولی دے دی
جائے (العیاذ باللہ)

یہ سنتے ہی زیدؓ کا چہرہ تن گیا۔ آنکھیں خون اُبلنے لگیں انھوں نے انتہائی غصہ کے ساتھ جواب دیا۔

خدا کی قسم، ہم اپنے قتل کو اس بات پر ترجیح دیتے
ہیں۔ کہ محمد سید کون و مکاں کے کانٹا بھی
چبھے۔

اللہ اللہ عشق کی کتنی پاکیزہ تصویر تھی، ابو سفیان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور بے اختیار ہو کر کہنے لگا۔

خدا کی قسم، میں نے اپنی عمر میں کوئی دوست ایسا
نہیں دیکھا۔

زیدؓ کی شہادت کے بعد خبیبؓ مقتل میں لائے گئے انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ بدبخت کفار نے نیزے ہاتھ میں لے کر ہر طرف سے بندھے ہوئے خبیبؓ کے جسم کو چھید ڈالا، مگر خبیبؓ نے عشق کی اس منزل میں اُف تک نہ کی اور ہنستے ہوئے جان دے دی۔

کیا دنیا کی تاریخ میں محبت و عشقِ نبوی اور ایمان و ایقان کی ایسی کوئی مثال موجود ہے؟ اور کیا آج کل کے نام لیوا مسلمانوں میں سے رسول اللہ سے کوئی ایسی محبت رکھتا ہے؟

ایک بادل اور

سترھواں باب

جنگِ اُحد کے بعد جو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان کا ذکر ہم پیچھے کر چکے ہیں۔ یہ ساری لڑائیاں تمہید تھیں ایک بڑی لڑائی کی۔ جو جنگِ احزاب کے نام سے مشہور ہے اس لڑائی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا۔ کہ اسلام کو مدینہ میں جڑ پکڑتے دیکھ کر کفارِ مکّہ اور یہودیوں میں ایکا ہوگیا۔

پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ بنو نضیر کی شرارتوں کے باعث انہیں خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ خیبر میں پہلے بھی یہودی آباد تھے۔ یہ نیا گروہ بھی ان میں جا ملا۔ اور اسلام کو کچلنے کے لئے تدبیریں سوچنے لگے یہودی خود شکست خوردہ تھے وہ اکیلے اسلام کی بڑھتی ہوئی تحریک کو کمزور نہ کر سکتے تھے اس لئے وہ ایک وفد لے کر مکّہ پہنچے۔ قریش کو حضورؐ کے خلاف اکسایا۔ اور اپنی مدد کا یقین دلایا۔ ابو سفیان کی خود یہی خواہش تھی اس لئے قریش کے سرداروں کی ایک جنگی کونسل منعقد کی۔ یہودی وفد نے اس کونسل میں اتنی زوردار تقریریں کیں کہ سننے والے انتہائی جوش میں بھر گئے۔

مکہ میں جنگ کی آگ بھڑکا کر یہ مفسد یہودی سرداران قریش کو ساتھ لے کر عرب کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پھیل گئے اور ہر طرف جنگ کی آگ مشتعل کر دی۔ مدینہ کے یہودی بنو قریظہ بھی اس سازش میں شریک کر لئے گئے۔ جب ہر طرف جنگ کے شعلے اٹھنے لگے۔ تو تمام حلیف قبائل کے سرداروں نے خانہ کعبہ میں جمع ہو کر اسلام کو مٹانے کی قسمیں کھائیں۔ جنگ کا ایک پروگرام مرتب ہوا اس پروگرام کے مطابق ہر قبیلے کے جنگجو دستے مکہ کے باہر جمع ہونے لگے۔ مکہ کے باہر ایک ٹڈی دل جمع تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دور دور تک آدمی ہی آدمی پھیلے ہیں۔ جب ہر طرف سے امدادی دستے پہنچ گئے۔ تو ابو سفیان انہیں لے کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس فوج میں چوبیس ہزار جنگجو سپاہی تھے۔ یہ فوج جس وقت مکہ سے روانہ ہوئی، تو پرچہ نویسوں نے حضورؐ کو اس کی روانگی کی اطلاع دے دی۔

یہ خبر کچھ کم تشویشناک نہ تھی۔ حضورؐ نے اطلاع ملتے ہی صحابہؓ کو جمع کیا۔ اور اس حملے سے آگاہ کیا۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے طے پایا، کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے اس مقابلہ کی نوعیت کیا ہو اس کے متعلق ابھی بحث جاری تھی۔ کہ سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا۔ کہ شہر کے اس طرف خندق کھودی جائے جہاں سے دشمن شہر میں داخل ہو سکتا ہے اور یہ صرف ایک طرف تھی۔ باقی دونوں طرفیں محفوظ تھیں، ایک طرف اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں۔ اور دوسری طرف فصیل بنی تھی۔ خندق کھودے جانے کی رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

مگر سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ مدینہ کے لوگ خندق کھودنے کے فن سے واقف نہ تھے۔ سلمان فارسیؓ نے ہی اس سلسلہ میں بھی رہنمائی کی۔ اور کھدائی کا کام شروع

ہوا۔ ڈیڑھ ہزار کے قریب صحابہؓ بیک وقت مزدور بن گئے۔ دس دس کی ٹولیوں نے زمین کا ایک ایک ٹکڑا بانٹ لیا! اور بڑی پھرتی اور تیزی کے ساتھ خندق کھودنے لگیں۔ سرورِ کون و مکاں بھی ایک مزدور کی طرح کام کر رہے تھے۔ ان کی بھی ایک ٹولی تھی۔ اور یہ ٹولی دوسروں سے زیادہ جی داری کے ساتھ اپنے کام میں مشغول تھی۔ اور حضورؐ کی حالت تو یہ تھی، کہ جہاں کہیں کوئی سخت پتھر نکلتا۔ جو کسی دوسرے سے ٹوٹ نہ سکتا۔ وہاں حضورؐ پھاوڑہ ہاتھ میں لیکر پہنچ جاتے اور نبوت کی قوت پر اسے پھوڑ دیتے۔

یہ بھی عجیب منظر تھا۔ صحابیؓ ذوق و شوق کی تصویر بنے، اشعار گاتے، زمین کھود رہے تھے۔ ان کے پیٹ خالی تھے۔ مگر بازوؤں میں غیر معمولی قوت تھی، تاریخ حرب میں یہ بھی ایک انوکھی مثال ہے۔ کہ ایک مٹھی بھر ایمانداروں کی جماعت نے اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کا سامان کیا۔ صحابہؓ خندق کھودتے جاتے اور اپنے رب سے کہتے جاتے:۔

"اے رب ہم تھوڑے ہیں، ہمارے پاس پورے
ہتھیار نہیں مگر دشمن ہمیں کچلنے کے لئے بڑھا
چلا آرہا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ ہم تجھ سے پھر
جائیں مگر اے خدا ہم تجھ سے پھر نہیں سکتے اس
لئے کہ تو ہی سچائی ہے"۔

یہ رجز صحابہؓ اور حضورؐ مل کر پڑھ رہے تھے حضورؐ کی زبان پر کبھی کبھی بے اختیار یہ دعا بھی آجاتی:۔

اللّٰھمّ انّہ لا خیر الا خیر الاخرۃ
فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

یہ تاریخ عالم کا حیرت انگیز باب ہے۔ وہ پیغمبر جس کے پسینہ کی جگہ اس کے غلام اپنے خون کا آخری قطرہ گرانے کو تیار رہتے۔ جب بال کٹواتا، تو صحابہؓ اس کے بال ایک بیش بہا سرمایہ سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے۔ ایک معمولی مزدور کی طرح پھاوڑہ ہاتھ میں لیے خندق کھود رہا تھا۔ ایک صحابیؓ نے بھوک کی شکائت کی تو اس مقدس نبیؐ نے اپنا کرتہ اٹھا کر اسے اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے دو پتھر بندھے دکھا دیئے۔

خندق کی کھدائی ہو رہی تھی، کہ ایک جگہ ایک بڑا سخت پتھر آیا۔ بہت سے صحابہؓ نے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر یہ نہ ٹوٹا۔ حضورؐ سے درخواست کی گئی کہ خندق کا رُخ پھیرنے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ خود پھاوڑہ لے کر خندق میں اُترے۔ پھاوڑہ اٹھایا پتھر ٹوٹ گیا۔ پتھر سے آگ نکلی۔ اور حضورؐ نے ایک منظر دیکھا اور پکارے۔

"مجھے شام کی کنجیاں عطا کی گئیں"

پھاوڑہ دوسری دفعہ اٹھا اور پتھر ایک دوسری جگہ سے ٹوٹ گیا۔ پتھر سے دوبارہ آگ نکلی۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں"

تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ اور حضورؐ نے فرمایا۔

"مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں"

صحابہؓ ان سب باتوں پر ایمان لے آئے۔ وہ محمدؐ کے کہنے سے خدا پر ایمان لے آئے تھے انھوں نے محمدؐ کی خاطر بدر اور اُحد کی سختیاں سہیں۔ اور پھر خندق کھودنے کی سختی سہہ رہے تھے۔ یہ سب کیوں ہو رہا تھا محمدؐ کی صداقت اور نیکی کی خاطر۔ صحابہؓ کو پورا یقین تھا۔ کہ حضورؐ جو فرماتے ہیں وہی ہو گا۔ اور ایسا ہی ہوا لیکن یہاں کچھ

اور لوگ بھی تھے۔ یہ منافقین اور یہود کی جماعت تھی۔ یہ بک رہی تھی۔ کہ ذرا محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کی بلند پروازی دیکھو۔ کہ پیٹوں پر پتھر بندھے ہیں۔ کھانے کو کچھ ملتا نہیں۔ دشمن کے ڈر کے مارے خندق کھود رہے ہیں لیکن خواب دیکھ رہے ہیں فارس و شام اور یمن کی حکومت کے۔ ان دل کے اندھوں کو کیا خبر تھی، کہ محمدؐ جو کچھ دیکھ رہے تھے۔ اسے ان کی مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ مذاق اڑا سکتے تھے اس سے انہیں اس وقت کون روک سکتا تھا۔

دشمن کی ٹڈی دل فوج آپہنچی۔ طبل ہائے جنگ سے ساری فضا گونج اٹھی ایسا معلوم ہوا کہ مدینہ کی اس مٹھی بھر مسلمان فوج کے خلاف ساری خدائی اکٹھا کر کے آئی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ طوفان بے تمیزی اور انسانی سیلاب ان چند تنکوں کو بہا کر لے جائے گا۔ منافقین مدینہ اور یہود ان ہی خیالات میں مست تھے۔ قرآن حکیم نے سورۂ احزاب میں ان خیالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"جب دشمن تم پر اوپر، نیچے، اور ہر طرف سے (سیلاب کی طرح) بڑھے۔ آنکھیں پتھرا گئیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم خدا کے متعلق عجیب عجیب قیاس کرنے لگے"[1]

لیکن مسلمانوں کی جماعت سکون اور استقلال کا کوہ پیکر بنی کہہ رہی تھی:-

هذا ما وعدنا الله ورسوله و
صدق الله ورسوله

قرآن نے اس آیت میں حضورؐ کے اس وعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضورؐ نے مسلمانوں سے کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا، کہ دشمنوں کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوگی،

---

[1] قرآن حکیم سورۂ احزاب۔ صحیح بخاری (غزوۂ احزاب)

بہر صورت جنگ، جنگ تھی۔ حضورؐ نے صحابیاتؓ اور بچوں کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا۔ اور خود صحابہؓ کے ساتھ مدینہ کے کھلے میدان میں ڈیرے ڈال لئے۔ ایک مہینہ تک محاصرہ جاری رہا۔ مسلمانوں کے پاس رسد کی کمی تھی، فاقے پر فاقے ہو رہے تھے۔ محاصرہ کے دوران میں دشمن اور مسلمانوں میں انفرادی مقابلہ ہوتا رہا۔ ہر مقابلہ میں اب تک مسلمانوں ہی کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ کفار کا ایک مشہور پہلوان، جسے ایک ہزار سوار پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ دشمن نے ایک موقع پر بہت سخت حملہ کیا۔ کئی آدمی خندق پھاند کر اندر کی طرف آ گئے۔ مگر مسلمانوں نے انہیں مار مار کر بھگا دیا۔ اور حیرت انگیز جرأت اور بہادری دکھائی۔ قدرت کی طرف سے مسلمانوں کا خوب اچھی طرح امتحان لے لیا گیا تھا، زیادہ امتحان کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

؎ اس لئے، ایک رات جب تاریکی ہر طرف چھائی تھی، سخت آندھی آئی دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ جانور تباہ ہو گئے۔ کھانے کا سامان خراب ہو گیا۔ گھوڑے بدک گئے۔ اور وہ کافر فوج جو مدینہ کے چند مٹھی بھر ایمان والوں کو کمزور پا کر کچلنے آئی تھی۔ قدرت کی اس انتقامی کارروائی کے پہلے حملہ ہی میں سراسیمہ ہو کر راتوں رات بھاگ نکلی۔ اور ایسی بھاگی کہ پھر کبھی مدینہ پر حملہ آور ہونے کا نام نہ لیا۔

یہ اقلیت اور اکثریت کا کتنا انوکھا اور عجیب مقابلہ تھا۔ ایک طرف جو بیس ہزار اشخاص ہر قسم کے سامان سے مسلح تھے۔ اور دوسری طرف ڈیڑھ ہزار سے بھی کم مسلمان تھے۔ جو فاقہ زدہ، کمزور اور نحیف تھے۔ ان کے پاس ہتھیار نہ تھے، کھانے کا سامان نہ تھا۔ مگر پھر بھی اکثریت اپنے ساز و سامان کے باوجود ناکام ہوئی۔

؎ قرآن حکیم سورۂ احزاب، طبری،

عربی میں احزاب جمع ہے حزب کی۔ اور حزب کے معنی ہیں گروہ یا جماعت کے۔ اس جنگ کا نام احزاب اس لئے پڑا کہ رسول اللہ ؐ کے دشمن قبائل، گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت، مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔ وہ طوفان کی طرح اٹھے، سیلاب کی طرح بڑھے، اور آندھی کی طرح پھیلے۔ ان کے ساتھ نیزوں، تلواروں اور بھالوں کے انبار کے انبار تھے۔ زرہ بکتریں تھیں۔ خود تھے۔ آہنی کوٹ اور نہ جانے کیا الابلا تھی۔ وہ مادی سامان کے برتے پر سچائی کی آواز کو دبانے کے لئے آئے تھے۔ کفر کی یہ آندھی اس لئے اٹھی تھی کہ حق کا چہرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھپ جائے، مگر یہ ممکن نہ تھا۔ اور نہ ایسی باتیں ممکن ہوتی ہیں۔ اندھیرے کا بھی ایک وقت ہے۔ اور جب یہ وقت بیت جاتا ہے تو آفتاب آپ ہی آپ نکل آتا ہے۔ اور تاریکی اپنا دامن سکیڑ کر موت کے غار میں گم ہو جاتی ہے۔ اس وقت کی دنیا، زندگی کے جن خوفناک اندھیروں میں رینگ رہی تھی۔ ان کے خاتمے کا وقت آ چکا تھا۔ محمدؐ (مجھے ان کے صدقے روح کا سکون ملے) ان اندھیروں کو مارنے آئے تھے۔

جس طرح ایندھن کو آگ دکھانے پر، آگ جلنے سے پہلے دھواں بہت گھنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اچانک آگ کی خونیں زبانیں اس دھوئیں کو چاٹ جاتی ہیں۔ اسی طرح محمدؐ جس نور کو اپنے دامن میں بھر کر لائے تھے اس نے کفر کے اس دھوئیں کو جو مدینہ کے چاروں طرف جری طرح پھیل گیا تھا۔ چاٹ لیا۔

عربوں کی زندگی کے اندھیرے کا یہ آخری لپکا تھا۔ مدینہ والوں میں سے پھر کسی نے اس دھوئیں کو مدینہ کی فضا۔ تاریک کرتے نہ دیکھا۔

جنگِ احزاب کے بادل چھٹے، تو رسول اللہ ؐ نے مدینہ کی فکر کی۔ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ ڈر تھا، کہ کہیں مدینہ کے امن کی کھیتی پھونک نہ جائے۔ یہودانِ بنو قریظہ

اس کھیتی کو کئی دنوں سے کیڑے کی طرح کھا رہے تھے۔ اور اصل پوچھو تو ان یہودیوں نے آستین کے سانپ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ عرب قبائل کو مدینہ پر چڑھ آنے کا مشورہ انھوں نے بھی دیا تھا۔ اور خفیہ طور پر ایک معاہدہ بھی کر لیا تھا۔ کہ حملہ کے وقت وہ خود بظاہر غیر جانبدار رہیں گے لیکن اندرونی طور پر مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ہر تدبیر کریں گے انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مہینہ بھر جب تک مدینہ کا محاصرہ رہا۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دی۔ ان کی کسی قسم کی مدد نہ کی۔ بلکہ اُلٹا بوجھ بن گئے۔ ان کا مذاق اڑایا۔ ان کے دلوں کو کمزور کرنے کے لئے کئی قسم کی افواہیں پھیلائیں۔ حالانکہ ان کا مسلمانوں سے معاہدہ یہ تھا۔ کہ جب بھی کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا۔ تو وہ مسلمانوں کا ساتھ دینگے۔ یہ لوگ ساتھ نہ بھی دیتے۔ اکم سے کم شریفانہ طور پر غیر جانبدار ہی رہتے۔ مگر انھوں نے شرافت کے سارے چلن بدل ڈالے۔ اور مسلمانوں کو ان کے متعلق یہاں تک ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ رات کے وقت ان پر شب خون نہ ماردیں۔ یہ لوگ مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ اور گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مصداق ان کو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر آسانی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو پورا ایک مہینہ دن اور رات بیدار رہنا پڑا۔ یہ مہینہ ان پر قیامت کا تھا!

بہر حال یہ قیامت گزر گئی۔ تو حضورؐ نے یہود بنو قریظہ سے جواب طلب کیا۔ جب یہود نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ جواب دینے پر آمادگی ہی ظاہر کی، تو حضورؐ صحابہؓ کو ساتھ لے کر بنو قریظہ کے محلہ میں پہنچ گئے۔ بنو قریظہ نے اب بھی کوئی پیغام نہ بھیجا۔ پیغام بھیجنے کی بجائے قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔ اور محصور ہو گئے۔ حضورؐ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔

؎۱ طبری۔ ابن خلدون۔

بنو قریظہ کے جن چند اشخاص نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے بنو قریظہ کو سمجھایا کہ تم نے مسلمانوں سے صریح وعدہ خلافی کی ہے۔ تمہیں اس وعدہ خلافی کی معافی مانگ لینی چاہیئے لیکن بنو قریظہ ایسے کسی مشورہ کو سننے پر رضامند نہ تھے۔ کعب بن اسد نے جو اس قبیلہ کا سردار تھا۔ بنو قریظہ کے سامنے تین صورتیں پیش کیں:۔

اسلام قبول کر لو۔ کیونکہ حضورؐ سچے نبی ہیں۔ یا
اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے مسلمانوں کا
مقابلہ کرو۔
اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو ان پر ہفتہ کی رات جب
انہیں حملہ کا خیال تک نہ ہو شبخون مارو۔

بنو قریظہ نے ان میں سے کوئی شرط بھی قبول نہ کی۔ محاصرہ سخت ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے دماغ درست ہو گئے۔ تو حضورؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم سعدؓ بن معاذ کو اپنا حکم مانتے ہیں۔ سعدؓ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہو گا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اسلام لانے سے پہلے یہود کے حلیف تھے اسلام لانے کے بعد بھی سعدؓ کو یہود سے بہت گہرا تعلق رہا۔ یہود ان کی ذاتی شخصیت اور خصوصیات کے باعث اب بھی اُن کا پورا احترام کرتے تھے۔ یہود کا خیال تھا کہ اگر انہیں جج مان لیا گیا تو وہ ان کے ساتھ پوری رعایت کریں گے۔ — ۹

جنگ احزاب میں حضرت سعدؓ کفار سے لڑتے لڑتے مجروح ہو گئے تھے۔ اور چل پھر نہیں سکتے تھے۔ یہود اور حضورؐ کی قرارداد کی بنا پہ پالکی میں سوار ہو کر آئے، وہ جج کی حیثیت سے آئے تھے اس لئے سرداران یہود اور حضورؐ نے ان کا استقبال ان کے شایانِ شان کیا۔ موقع پر حضرت سعدؓ نے طرفین سے اپنے جج ہونے کا دوبارہ اقرار لیا۔ اور جب حضورؐ اور یہود نے ان کے سامنے

تصدیق کر دی تو انھوں نے فیصلہ دیا۔

بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں
اور بچوں کے ساتھ اسیران جنگ کا سا سلوک کیا
جائے! ور املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

یہ فیصلہ اس شخص کا تھا۔ جسے یہود نے، اپنا سمجھ کر جج مقرر کیا تھا دنیا کے ہر آئین میں غدار کی سزا موت ہے۔ حضرت سعدؓ منصف تھے۔ عدل و انصاف سے، دوستی کی خاطر انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ قتل ہونے والوں میں حضرت سعدؓ کے بہت سے دوست بھی تھے لیکن اسلام تو دوستی کے تعلقات سے زیادہ محترم اور عزیز ہے اس کی خاطر ہزاروں مسلمانوں نے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور حتیٰ کہ جان کو قربان کر دیا! ور یہی ایمان ہے! ور جو ایسا نہیں کر سکتا۔ سمجھو وہ ایماندار نہیں جھوٹا اور فریبی ہے۔ (اور ایسے جھوٹے اور فریبی مسلمان اس دنیا میں اس وقت کروڑوں کی تعداد میں ہیں) حضرت سعدؓ کا یہ فیصلہ بظاہر اپنوں کو سخت معلوم ہوا ہوگا۔ مگر اگر ان کے دلوں میں سعدؓ جیسا ایمان ہوتا! انہیں اسلام سے سعدؓ سا تعلق ہوتا۔ تو وہ بھی اس فیصلہ کو غیر منصفانہ نہ کہہ سکتے۔

یہ فیصلہ سعدؓ نے اپنی طرف سے نہیں کیا تھا۔ یہ توریت کا فیصلہ تھا۔ یہود کی اس آسمانی کتاب کا فیصلہ، جس پر وہ عامل تھے۔ توریت جنگ یا محاصرہ کے بعد مفتوح دشمن کی سزا قتل مقرر کرتی ہے۔

بہت ممکن کیا بلکہ یقینی تھا، کہ اگر بنو قریظہ حضورؐ کو جج مان لیتے، تو حضورؐ ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو پہلے بنو نضیر کے ساتھ کیا تھا۔ اس لئے کہ حضورؐ تو رحمۃ للعالمین تھے۔

بنو قریظہ کے استیصال کے بعد خیبر کے یہودیوں اور بنو بکر کی باری آئی خیبر کے

یہودی بڑے مالدار اور قوی تھے۔ وہ جتنے مالدار تھے اتنے ہی مغرور بھی تھے چاہئے تو یہ تھا، کہ وہ بنو قریظہ کے انجام سے سبق لیتے۔ سبق لینے کی بجائے انہیں مسلمانوں سے بدلہ لینے کی سوجھی۔ انہوں نے اپنے ہمسائے قبائل بنو بکر کو روپے کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے پر تولنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی، کہ خیبر کے یہودیوں کے اکسانے پر بنو بکر فدک پر جمع ہو رہے ہیں تو آپ نے حضرت علیؓ کو دو سو سواروں کا سردار بنا کر فدک بھیجا۔ بنو بکر کی تعداد گو بہت تھی۔ مگر منظم نہ تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ گو دو سو سوار تھے۔ مگر منظم اور ایماندار تھے۔ بنو بکر نے شروع میں تو جی لگا کر مقابلہ کیا۔ مگر پھر ہمت ہار گئے۔ اور ایسے پٹے، کہ بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اس لڑائی کو جیتنے کے بعد جب حضرت علیؓ کا دستہ مدینہ واپس آیا، تو اس کے ساتھ دو ہزار بکریاں، پانچ سو اونٹ، اور بہت سے ہتھیار اور غلہ تھا۔ بنو بکر یہ ساری چیزیں میدانِ جنگ میں چھوڑ گئے تھے۔

مدینہ اب ایک منظم حکومت کا مرکز بن گیا تھا۔ ایسی حکومت کا جس کے ارکان مضبوط ارادوں اور قوی بازوؤں والے تھے۔ اور یہی دو وصف جس قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو اس کے منہ لگنے کی ہمت پھر بزدل دنیا میں باقی نہیں رہتی۔

اٹھارھواں باب

بیرونی اور اندرونی پریشانیاں کم ہوئیں، تو رسول اللہؐ اور صحابہؓ کو وطن کی یاد آئی، وطن سے آئے کئی سال ہو چکے تھے۔ وطن کی مٹی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ کس کا جی نہیں چاہتا۔ کہ وطن کے در و دیوار دیکھے۔ یہ ایک فطری خواہش تھی۔ جو صحابہؓ اور حضورؐ کے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ پھر مکہ میں خدا کا گھر تھا بیت اللہ کو دیکھے برسوں ہو چکے تھے۔ رسول اللہؐ اب ضبط نہ کر سکے۔ اب آپ میں ہمت تھی کہ بیت اللہ تک کا سفر کر سکیں۔ اور جو قوت آپ کو اس سفر سے روکے اس کا مقابلہ کر سکیں اس لئے حضورؐ نے اعلان فرما دیا۔ کہ حج کو چلیں گے۔ صحابہؓ نے اعلان سُنا تو بے قرار ہو گئے اور مکہ جانے کے لئے رختِ سفر باندھنے لگے۔ حج کے دن قریب آ گئے تھے۔ جیسے جیسے یہ دن قریب آتے جاتے صحابہؓ کا شوق تیز ہوتا جاتا!

آخر وہ دن بھی آن پہنچا، جب وادیٔ بطحیٰ سے مشتاقانِ حرم کا قافلہ حرمِ کعبہ کی طرف چلا! کعبہ کے عُشّاق کا عجب عالم تھا۔ اللہ کی بڑائی اور بزرگی کے نعرے لگاتے ہوئے شیدائے حرم بھاگے جا رہے تھے۔ نہ کھانے کا ہوش تھا، نہ پینے کا۔ نماز کا وقت آتا۔ یہ مبارک قافلہ رُک جاتا۔ نماز ہو جاتی، تو یہ قافلہ پھر آگے بڑھتا۔

مدینہ کے حاجیوں کے لئے جس جگہ احرام باندھنا ضروری ہے۔ وہ جگہ آ گئی۔ صحابہؓ نے احرام باندھا۔ اور آگے بڑھے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، کے نعرے زیادہ بلند ہونے لگے۔ اتنے بلند، کہ مکہ کے لوگوں کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے کوئی بڑا لشکر ان پر حملہ کرنے کو بڑھا چلا آ رہا ہے۔ وہ کئی بار خود مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ انھوں نے سوچا۔ کہ جس طرح انھوں نے قوت کے زعم میں آ کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اسی طرح مسلمان اب قوت پکڑ لینے کے بعد ان پر چڑھ آئے ہیں۔

یہ خیال قرینِ قیاس تھا۔ اس لئے انھوں نے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہر گھر میں ہتھیار بجنے اور تلواریں سان پر رکھی جانے لگیں۔

مگر رسول اللہ لڑنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ وہ بیت اللہ کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے، حضور نے حدیبیہ پہنچ کر قیام فرمایا۔ اور ایک سفیر کے ذریعہ کفارِ مکہ کو کہلا بھیجا۔ کہ ہم صرف حج کرنا چاہتے ہیں مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔ بہتر ہو کہ حج کے دنوں میں ایک مصالحت ہو جائے۔ اور ہم حج کر لیں۔ قریش مصالحت کی یہ خبر سن کر خوش تو ہوئے۔ لیکن اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ انھوں نے عروہ کو اپنی طرف سے حضور کے پاس بھیجا۔ عروہ کو سمجھا دیا گیا تھا۔ کہ کسی معقول معاہدہ کی حامی نہ بھرنا۔ عروہ نے ایسا ہی کیا۔ بڑھ بڑھ کر باتیں بنائیں۔ اور دھمکی دی۔ کہ اگر آپ نے ہمارے شرائط قبول نہ کئے تو ہم مزاج درست کر دیں گے عروہ نے محض بڑا بول بولا، ورنہ اس میں اتنی ہمت کہاں تھی۔ اس کی جماعت تو کئی بار شکست کھا کر پلٹی تھی، یہ عروہ کی بڑی گستاخی تھی۔ صدیق کو دربارِ رسالت میں یہ گستاخی ناگوار ہوئی۔ انھوں نے عروہ کو ڈانٹا۔ بولے۔ آدمی بن کے بات کرو۔

اتفاق سے عروہ کی موجودگی میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضور نے وضو کیا۔ صحابہ نے وضو کے اس پانی کو تبرک کے طور پر اپنے جسموں پر مل لیا۔ عروہ کی آنکھوں نے کبھی ایسا تماشہ نہیں دیکھا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا، کہ کوئی جماعت اپنے رہبر سے

اس درجہ بھی عقیدت رکھ سکتی ہے
عروہ بغیر کچھ طے کئے واپس ہو گیا۔ مگر یہ بات اس کے دل میں گھر کر گئی۔
اس نے قریش سے جا کر کہا۔ ارے پگلو!

ایسے شخص سے دشمنی ٹھیک نہیں جس کے
جاں نثار اس سے اس درجہ عقیدت رکھتے
ہوں، کہ وہ وضو کرے اور جاں نثار وضو کا
پانی اپنے کپڑوں پر مل لیں۔

مگر قریش سخت ضدی تھے۔ وہ اڑے رہے۔ اور خاص طور پر ان کی یہ ضد اس وقت تو اور بڑھ گئی، جب انہیں معلوم ہوا، کہ حضورؐ کے ساتھ اسلحہ نہیں ہے انھوں نے سوچا، کہ جنگ تو ہتھیاروں سے کی جاتی ہے مسلمانوں کے پاس ہتھیار ہی نہیں تو وہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔

قریش کا ایک دستہ اسی زعم باطل میں اسلامی قافلہ پر چڑھ دوڑا، مگر پکڑا گیا۔ حضورؐ چونکہ حج کے ارادہ سے آئے تھے۔ اور اللہ کے گھر کو دیکھنے کے بہت خواہشمند تھے اس لئے، ایک اور کوشش کی۔ حضرت عثمانؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ قریش نے انہیں گرفتار کر لیا۔ خبر اڑی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ حج ایک بڑا فرض تھا۔ مگر ایک مظلوم مسلمان کی شہادت کا انتقام حج سے کہیں بڑا فرض تھا۔ حضورؐ نے حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا حکم ملا۔ ان سب جاں نثاروں سے مرنے مارنے کا عہد لیا گیا۔ ہر جاں نثار نے حضورؐ کے دست مبارک پر اپنا اپنا ہاتھ رکھ کر قسم کھائی، کہ وہ لڑائی سے منہ نہیں موڑے گا۔

ادھر جنگ کی پوری تیاری ہو چکی تھی۔ دوسری طرف مشرکین مکہ کو اس کی خبر ملی۔ تو ان کے حواس اڑ گئے۔ وہ تو صرف چھیڑ چھاڑ کر کے ایسی صلح چاہتے تھے

جن سے انہیں غیر معمولی فائدہ ہو۔ مگر وہ ان مسلمانوں سے جنہوں نے باوجود قلیت کے انہیں کئی شرمناک شکستیں دی تھیں۔ لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے انھوں نے باہمی مشورہ کے بعد آپ ہی آپ حضورؐ کی خدمت میں سہیل کو قاصد بناکر بھیجا اس نے قریش کی طرف سے حسب ذیل شرائط پیش کئے:۔

(۱) یہ صلح دس سال تک ہوگی۔ طرفین ایک دوسرے کے علاقے میں بلا روک ٹوک آجا سکیں گے۔

(۲) اس سال مسلمان حج نہ کریں۔

(۳) مسلمان اگلے سال حج کے لئے آسکتے ہیں لیکن طواف کے وقت وہ مسلح نہ ہوں۔

(۴) قریش کا جو فرد بھی اس معاہدہ کے بعد حضورؐ کے پاس چلا جائے اسے حضورؐ قریش کے مطالبہ پر واپس کر دیں۔
اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ جو مسلمان مکہ میں رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں۔

(۵) قبائل عرب جس فریق کے حلیف بنا چاہیں بن سکتے ہیں۔

چوتھی شرط خصوصیت سے مسلمانوں کو ناگوار گذری لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ حضورؐ کے سامنے گستاخی کرے۔ اور بیچ میں بولے۔ حضورؐ نے تمام شرائط منظور فرمالئے۔ حضرت علیؓ نے معاہدہ لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتدا کی، سہیل نے ٹوک

۱؎ صحیح بخاری (باب الشروط فی الجہاد)

دیا۔ بولا ہمیں یہ بسم اللہ پسند نہیں۔ باسمک اللّٰہم لکھیئے۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا یہی لکھ دو۔ بعد کے الفاظ تھے۔

یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریش مکّہ کے مابین

طے ہوا ہے۔

سہیل نے اعتراض کیا۔ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیتے، تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ حضورؐ نے یہ اعتراض بھی مان لیا۔ اور محمدؐ رسول اللہ کی بجائے محمدؐ بن عبداللہ لکھا گیا۔ حضرت علیؓ محمدؐ رسول اللہ کے الفاظ مٹانے پر راضی نہ تھے۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے یہ الفاظ مٹا دیئے۔ معاہدہ لکھا گیا۔ طرفین کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ کہ ایک صحابی ابو جندل قریش مکہ کے قید خانہ سے بھاگ کر حضورؐ کے پاس آ پہنچے۔ ان کی حالت بہت ہی قابلِ رحم تھی۔ مسلمانوں کو ان کی پریشان حالی دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ خود رسول اللہؐ کو اس مردِ مومن کی حالت پر بہت رحم آیا۔ اور آپؐ نے سہیل سے کہا۔ ابو جندل کو معاہدہ سے مستثنٰی کر دو۔ مگر سہیل ایک ضدی تھا۔ وہ نہ مانا۔ اور بے چارے ابو جندل کفّار کے حوالے کر دیئے گئے۔ مسلمان اس کی حالتِ زار کو دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کے جذبات کی ترجمانی کی۔ اور حضورؐ سے درخواست کی، کہ ابو جندل کو کسی نہ کسی طرح چھڑا لیں لیکن حضورؐ نے یہ درخواست رد کر دی۔ فرمایا، معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ ابو جندل نہایت غمگین تھے۔ حضورؐ نے ان کی پشت پر دستِ شفقت رکھا اور انہیں اطمینان دلایا۔ کہ اللہ خود کوئی صورت پیدا کرے گا۔ اس وقت بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ شرائطِ صلح بہت سخت ہیں۔ خاص طور پر نو مسلموں کو مکہ ہی میں رہنے پر مجبور کرنے والی شرط تو صحابہؓ کو بہت ہی بری لگی تھی۔ مگر صحابہؓ کی نگاہ اس وقت کے حالات پر تھی۔ اور نبیؐ جس پر قدرت کی طرف سے غیب کے

اسرار کھول دیئے گئے تھے وہ اپنی دور بین نظروں سے مستقبل کو دیکھ رہا تھا۔
بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا، صحیح کیا۔ ابو جندلؓ اور ان جیسے دوسرے مسلمانوں کی وجہ سے، جنہیں جبراً مکہ میں رکھا گیا تین سو قریش مسلمان ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر قریش مکہ تنگ آگئے۔ اور انھوں نے خود ہی حضورؐ سے درخواست کی، کہ جیسے بھی ہو ان نو مسلموں کو یہاں سے بلوا لیجئے۔ لیکن حضورؐ نے معاہدہ کی خلاف ورزی سے انکار کر دیا۔ قریش نے مجبور ہو کر ابو جندلؓ اور ان کے ساتھیوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابو جندلؓ معاہدہ کی رو سے مدینہ نہیں جا سکتے تھے انھوں نے مکہ اور شام کے رستہ میں ایک پہاڑی کو اپنا مستقر بنایا اور قریش مکہ کے ان قافلوں کو جو شام سے واپس آتے، لوٹنا شروع کر دیا۔ قریش مکہ اس قدر تنگ آئے۔ کہ انھوں نے حضورؐ سے بڑی منت سماجت سے ابو جندلؓ کو مدینہ بلا لینے کی درخواست کی اور ابو جندلؓ بڑی شان سے مدینہ آئے۔

ابو جندلؓ کی طرح ایک مکی مسلمان عتبہ بن اُسید بھی مکہ سے بھاگے اور مدینہ آکر پناہ لی۔

تھوڑی ہی دیر بعد قریش کے دو سفیر بھی آپہنچے اور اس قیدی کی واپسی پر اصرار کیا۔ حضورؐ نے عتبہ کو حکم دیا۔ واپس جاؤ۔ عتبہ نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔
حضورؐ پھر کفر کی آغوش میں ؟

حضورؐ کو علم تھا، کہ عتبہ سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور جب ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو پھر نکلتا نہیں اس لئے فرمایا۔

عتبہ! ہم مجبور ہیں۔ ہم معاہدہ کر چکے ہیں اور معاہدہ کی خلاف ورزی ہمارا دستور نہیں، تم واپس جاؤ۔

یہ کتنا سخت امتحان تھا، یہ منزل کتنی سخت تھی عشق کے لئے لیکن عاشق کے پیش نظر صرف محبوب کی رضا جوئی تھی، اسے محبوب سے محبت تھی، یہ صحیح ہے کہ عاشق محبوب کا وصال چاہتا ہے، عتبہ بھی ہر عاشق کی طرح محبوب کے حضور میں رہنے کا آرزومند تھا لیکن حریص عاشق نہ تھا کہ محبوب کے حکم کے مقابلہ میں اپنی خواہش پر اڑا رہتا۔ حضورؐ نے حکم دیا۔ عتبہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن فوراً بعد مسکرا دیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ کہ جس سے عشق کرتا ہوں اسی کے حکم کی تعمیل میں تو واپس جا رہا ہوں۔ عتبہ جانتا تھا کہ واپسی کیا معنی رکھتی ہے۔ مشرکین اسے جاتے ہی قتل کر دیں گے لیکن محبوب کے حکم کی خلاف ورزی بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ اس کے لئے وہ خوشی خوشی مکہ واپس ہو گیا۔

لوگ کہتے ہیں اسلام نے تلوار سے فتح پائی لیکن کیا تلوار دلوں میں اتنا سوز اور استحکام پیدا کر سکتی ہے؟ کیا دنیا کی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ ہے کہ تلوار کے زور سے عوام کے دلوں میں کسی بھی طاقت نے محبوبیت کی یہ جگہ حاصل کی ہو۔ کارلائل مشہور انگریز ادیب نے ان ہی واقعات سے متاثر ہو کر حضورؐ کے مذہب کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

کہتے ہیں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ گو یہ حقیقت نہیں لیکن کیا تلوار مفتوح کے دل میں فاتح کے لئے وہ جگہ پیدا کر سکتی ہے جو محمدؐ نے حاصل کی۔

محمدؐ نے تلوار چلائی لیکن اس وقت جب اسے مجبور کر دیا گیا۔

کیا دنیا میں کوئی مذہب ایسا ہے جس کے ماننے

والوں نے تلوار استعمال نہ کی ہو۔ اگر کوئی ایسا
مذہب ہے تو پھر محمدؐ کا تلوار چلانا جرم ہو سکتا ہے
لیکن جب ایسا کوئی مذہب نہیں ہے تو پھر محمدؐ
کیوں مجرم قرار دیئے جائیں۔

سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں بھی دبے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اور سچ پوچھیئے۔ تو کوئی بڑے سے بڑا متعصب بھی حقیقت کی روشنی میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اسلام نے البتہ اس وقت تلوار ضرور استعمال کی جب اس کے بال و پر کاٹنے اور سبزہ زخمی کرنے کے لئے، ہر چہار طرف سے اس پر تلواریں اور بھالے اٹھنے لگے۔ ہجرت کے بعد سے لے کر صلحِ حدیبیہ تک کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ ان واقعات میں سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں۔ جب حضورؐ یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا کی ہو۔ بدر، احد، احزاب اور دوسری لڑائیاں کفار نے کئی سو میل کی مسافت طے کر کے مدینہ کے قرب و جوار میں آن کر لڑیں حضورؐ نے صرف مدافعت کی۔ جوں ہی کفار بھاگے حضورؐ نے لڑائی روک دی جنگِ احد میں حضورؐ نے دوسرے دن ابو سفیان کا آٹھ میل تک تعاقب ضرور کیا لیکن اس تعاقب سے مقصد بھاگتے دشمن پر حملہ نہ تھا۔ بلکہ اسے یہ بتانا مقصود تھا۔ کہ ہم دبے نہیں۔ اگر تم دل کے حوصلے نکالنا چاہتے ہو۔ تو ہم حاضر ہیں، یہ صرف حاضری تھی لیکن ابو سفیان جب بھاگ نکلا اور حضورؐ کو یقین ہو گیا کہ اب وہ واپس نہیں ہوگا۔ تو مدینہ لوٹ آئے۔ جنگِ احد کے بعد دوسرے سال مشرکین مدینہ کی انگیخت پر ابو سفیان پھر مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضورؐ مدینہ سے چلے لیکن جب ابو سفیان حضورؐ کو مستعد پا کر لوٹ گیا۔ تو حضورؐ آٹھ دن کے انتظار کے

بعد مدینہ تشریف لے آئے۔ اور غزوۂ احزاب میں تو مدینہ سے باہر نہیں نکلے خندق کھود کر مدافعت کی حضور نے بعض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور بھی لڑیں۔ اور یہ لڑائیاں اس وقت لڑی گئیں۔ جب حضورؐ کو کسی مخالف جماعت کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی۔ حضورؐ نے ان تیاریوں کو ناکام بنانے کے لئے چڑھائی کی۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مدینہ پر آئے دن کوئی نہ کوئی قافلہ چڑھ دوڑتا۔ دنیا میں کون ایسا شخص ہے۔ جو اپنی گردن کٹوانے کے لئے دوسرے کے ہاتھ میں چھری دے دے۔ حضورؐ نے دشمن کے ہاتھ میں چھری نہیں دی!

اسی صلح حدیبیہ کو لیجئے اس کے شرائط ہر کسی کو سخت معلوم ہوتے ہیں لیکن حضورؐ جنگ پر صلح کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے نہیں کہ مسلمان تلوار اٹھانے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ مسلمان اس وقت تک کفار مکہ کو ایک دفعہ نہیں پانچ دفعہ تلوار کی روانی کا منظر دکھا چکے تھے۔ خود کفار اسی چیز سے خائف تھے۔ اور یہ صلح اسی خوف کا نتیجہ تھی۔ اگر اس وقت مسلمان تلوار اٹھاتے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے، کہ انہیں ناکامی ہوتی۔ وہ تعداد میں چودہ سو تھے۔ کفار مکہ کی اس وقت کچھ زیادہ تعداد نہ تھی، اور پھر جبکہ دوسرے قبائل عرب حضورؐ کے سلامتی جو کے حامی تھے۔ اور مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے بھی طیار رہتے تھے۔ مسلمان اگر لڑتے تو یقیناً کامیاب رہتے مگر حضورؐ نہیں لڑے۔ مسلمانوں نے لڑنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ یہ خواہش مصالح نبوت کے پیش نظر رد کر دی گئی۔

اس سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک سال میں جتنے لوگ اسلام لائے۔ یہ پچھلے کئی سال کے مسلمانوں کے برابر تھے اس سال کہیں کسی موقع پر تلوار نہیں اٹھائی گئی۔ پھر اسلام قبول کرنے والے یہ لوگ کیوں قافلہ در قافلہ اور صف در صف مرکز اسلام کی طرف کھنچے آرہے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ ان اسلام لانے والوں میں کوئی ایک شخص بھی ہزار سختیوں اور تکلیفوں کے باوجود اسلام سے نہیں پھرا۔ اگر یہ لوگ تلوار کے اثر سے اسلام لائے ہوتے۔ تو صلح کے دور میں یہ لوگ اسلام سے پھر سکتے تھے۔ جب صلح کی یہ بھی ایک شرط تھی کہ جو مسلمان ارتداد کے بعد مکہ واپس جانا چاہیں انہیں رد کا نہ جائے۔ کیا ایسا ایک واقعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک مسلمان بھی اس شرط کے ماتحت، مدینہ سے مکہ گیا ہو۔ اور اس نے اسلام کی ردائے رُشد و ہدایت سے نکل کر کفر کی غلیظ چادر میں مُنہ چھپایا ہو؟

البتہ ایک چیز جس پر عیسائی مورخین نے زور دیا ہے۔ وہ یہود کے ساتھ حضورؐ کا سلوک ہے۔ ہم نے بنو نضیر، بنو قریظہ کی جلا وطنی کے باب میں اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ کہ یہ لوگ اسلام کو مرکزِ اسلام میں رہ کر کمزور کرنے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ نہیں، کئی دفعہ بے وفائی اور بدعہدی کی، مگر حضورؐ کا انصاف دیکھو کہ پہلے قبیلہ کو صرف جلا وطن کیا۔ اور سامان بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ دوسرے قبیلہ کے ساتھ اس کے مقرر کردہ جج کے فیصلہ کے مطابق سلوک کیا۔ اپنی طرف سے اُسے کوئی سزا نہیں دی۔

یہود اسلام کے لئے کتنے خطرناک تھے۔ اور حضورؐ نے ان کے ساتھ کیا حُسن سلوک کیا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں تو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ جنگِ خیبر کے واقعات میں ایک مثال اور دیکھئے۔

انیسواں باب

رسول اللہ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ واپس آئے۔ تو انہیں دفعتاً اطلاع ملی۔ کہ خیبر کے یہودی اور بنی غطفان مل کر مدینہ پر چڑھائی کے منصوبے سوچ رہے ہیں۔ یہ خبر کم پریشان کن نہ تھی۔ یہود کی تعداد دس ہزار تھی۔ اور بنو غطفان چار ہزار سے کسی طرح کم نہ تھے۔ یہ دونوں فوجیں اگر مل جاتیں تو خطرہ کا باعث بن سکتی تھیں۔ حضورؐ کی دوربیں نگاہ نے بھانپ لیا۔ اور پندرہ یا چودہ سو صحابؓ کے ساتھ خیبر کا ارادہ کر کے مدینہ سے چلے۔

بنو غطفان اور یہود ابھی ایک جگہ نہ ہونے پائے تھے۔ کہ حضورؐ نے بنو غطفان کی بستیوں سے قریب ایک مقام رجیع پر چھاؤنی ڈال دی۔ اس میں مصلحت یہ تھی، کہ بنو غطفان اپنی بستیوں کی حفاظت کے خیال سے یہود کی امداد کو نہ بڑھ نہیں سکیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ بنو غطفان اپنی بستیوں میں ہی بیٹھے رہے۔ اور مسلمانوں کو خیبر کے یہودیوں سے نپٹنے کا ایک بہت اچھا موقع مل گیا۔ طبری کا بیان ہے کہ خیبر کے یہودی مال و دولت اور طاقت و قوت کے اعتبار سے سارے عرب میں ممتاز تھے۔ انھوں نے اپنی حفاظت کے لئے دس مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ انہیں خیال تھا، کہ اس وقت کی کوئی قوت ان قلعوں کو سر نہیں کر سکتی۔ اس لئے وہ انتہائی مغرور اور خود سر تھے۔

مسلمان خیبر پر حملہ آور ہوئے، تو یہودی قلعوں میں محصور ہو گئے۔ حضورؐ نے مسلمان فوج کو کئی حصوں میں بانٹ دیا۔ اور ہر حصہ کو الگ الگ کر کے ایک

ایک قلعہ کے محاصرہ کی ہدائت فرمائی۔
یہودیوں کے ان قلعوں میں سب سے مضبوط قلعہ ناعم تھا۔ حضورؐ نے سب سے پہلے اسی کو سر کرنے کا حکم دیا۔
محمد بن مسلمہ اس دستہ کے امیر مقرر ہوئے جس نے اس قلعہ پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کا حملہ گو سخت تھا۔ مگر متواتر پانچ دن کی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کیا جا سکا۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو ایک یہودی نے دھوکے سے شہید کر دیا۔ اور لڑائی بظاہر رک گئی محمد کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اس قلعہ کی فتح پر مامور ہوئے۔ حضرت علیؓ بڑے بہادر اور بڑے جری تھے۔ علم ہاتھ میں لیتے ہی قلعہ کے سامنے جا پہنچے۔ اور لڑائی کی طرح ڈال دی۔ یہودی کی طرف سے مرحب نے آج کی لڑائی کا آغاز کیا۔ مرحب بڑا جنگجو اور بہادر سمجھا جاتا تھا۔ وہ میدان جنگ میں اس شان سے اترا جیسے وہ کوئی دیو ہو۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت عامرؓ اس کے مقابلہ کو آئے لیکن اپنی تلوار سے زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ مرحب شیر کی طرح غرایا اور میدان میں اس طرح پھرنے لگا۔ جیسے وہ سارے مسلمانوں کو چیلنج دے رہا ہو۔ حضرت علیؓ ان دنوں گو بیمار تھے لیکن مرحب کو اتراتے دیکھ کر ضبط نہ کر سکے۔ ہتھیار سجا کر مرحب کے مقابلہ میں تشریف لائے اور پہلے ہی وار میں اس مغرور کا سر قلم کر دیا۔ مرحب کے قتل پر اس کا بھائی یاسر سامنے آیا۔ حضرت زبیرؓ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور اسے مار ڈالا۔
اس انفرادی جنگ کے بعد عام حملہ ہوا۔ اور قلعہ ناعم فتح ہو گیا۔ دوسری طرف حضرت حبابؓ نے قلعہ صعب بھی فتح کر لیا۔ صعب سے کھانے پینے کا بہت سامان ملا۔ اور رسد کی دقت جاتی رہی۔ نیز منجنیقیں بھی ملیں جو دوسرے قلعوں کی فتح میں بہت کار آمد ثابت ہوئیں۔ پھر نطاۃ، زبیر، حصن ابی،

اور قموص فتح ہوئے۔ قموص کی فتح کے وقت حضرت صفیہؓ بنت حیؒ بھی گرفتار ہوئیں حضورؐ نے انہیں آزاد کر دینے کے بعد اپنے نکاح میں لے لیا۔ دو قلعے وطیح اور سلالم البتہ دس دن تک فتح نہ کئے جا سکے۔ دس دن کے بعد محصورین نے آپ ہی آپ ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کی طرف سے ایک شرط پیش کی گئی کہ انہیں ان کی زمین نصف پیداوار پر کاشت کرنے کی اجازت لے ہے، حضورؐ نے یہ شرط مان لی خیبر کے سارے قلعے فتح ہو گئے اور مسلمانوں نے یہودیوں پر غلبہ پالیا۔ تو ان بد باطنوں نے اپنی قومی خصوصیت کی بنا پر حضورؐ کی جان لینے کی ایک ناپاک سازش کی۔ یہود کا ایک ممتاز سردار سلام اس سازش کا سرغنہ بنا۔ اس کی بیوی زینب بنت حرث نے حضورؐ کی دعائیں حاصل کرنے کے بہانہ سے ایک بھنی ہوئی سالم بکری حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ حضورؐ کی عادت تھی کہ آپ کسی کا ہدیہ لوٹاتے نہ تھے۔ اور قبول فرما لیتے تھے حضورؐ نے یہ بکری قبول فرمالی۔ اور بشرؓ بن البراء کے ساتھ مل کر اس بکری کا گوشت کھانے لگے۔ بشرؓ زیادہ بھوکے تھے۔ انھوں نے کئی بوٹیاں جلد ہی جلد ہی منہ میں ڈال لیں حضورؐ نے ابھی پہلی بوٹی ہی کاٹ کر منہ میں رکھی تھی۔ کہ حضورؐ کو وحی ہوئی۔

محمدؐ! اس گوشت میں زہر ملا ہے۔

حضورؐ نے بوٹی تھوک دی اور گوشت سے ہاتھ ہٹا لیا بشرؓ بھی رک گئے لیکن چونکہ کافی بوٹیاں کھا گئے تھے اس لئے زہر اپنا اثر کر گیا۔ اور وہ دیکھتے کے دیکھتے شہادت پا گئے۔

ہر طرف شور مچ گیا۔ زینب پکڑی گئی اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ مگر سزا سے بچنے کے لئے اسلام کے دامن میں پناہ بھی لے لی اور رحمت عالمؐ نے اس کا اتنا بڑا جرم معاف کر دیا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو رسول اللہؐ پر سخت گیری

کا الزام دھرتے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی مثال موجود ہے۔ کہ کسی بڑے آدمی کی جان لینے کی کوشش کرنے والے کو معاف کیا گیا ہو۔ یہ صرف رسول اللہ تھے۔

خیبر سے واپسی پر فدک بلا لڑے فتح ہوا۔ وادی ام القریٰ کے یہودی تھوڑی دیر تک لڑے لیکن پھر محاصرہ سے عاجز آکر نصف بٹائی اور قبضۂ زمین کی شرط پر ہتھیار ڈال دیئے۔ تیما کے یہودی بھی اسی شرط پر مطیع ہو گئے۔

فتح خیبر سے جہاں ایک طرف یہ فائدہ ہوا۔ کہ یہود کی شرارتیں ختم ہو گئیں وہاں اس فتح سے آس پاس کے قبائل بھی دب گئے اور انھوں نے انسانیت اور شرافت سے رہنا شروع کر دیا۔ فتح خیبر سے مہاجر مسلمانوں کی غربت دور ہو گئی۔ یہاں سے نقد روپیہ اور سامان کے علاوہ زراعت کے قابل زمین بھی ملی۔ جو زیادہ تر مہاجر صحابہ میں تقسیم کر دی گئی۔ انصار کے پاس ضرورت کے لئے کافی زمین تھی۔ مہاجر البتہ محتاج تھے۔ ان کی احتیاج بھی اس طرح ختم ہو گئی۔ اور مسلمانوں کی مالی حالت سنبھل گئی۔ مہاجر صحابہ کی طرح حضورؐ کی گزر اوقات کا بھی اب تک کوئی مستقل انتظام نہیں ہوا تھا۔ فدک کی زمین چونکہ بلا لڑے ہاتھ آئی تھی۔ اور اسلامی قانون کے مطابق ایسی زمین خدا اور اس کے رسولؐ کا حق تھا اس لئے حضورؐ نے اسے اپنے تصرف میں لے لیا یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ حضورؐ فدک کی آمدنی محض اپنی ذات پر صرف فرماتے۔ اس میں وہ غریب بھی برابر کے حصہ دار تھے جن کی پرورش حضورؐ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ فتح خیبر کے اثرات میں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ قریش مکہ جنہیں اس جنگ کے نتائج سننے کا بہت اشتیاق تھا بہت متاثر ہوئے۔ اگر خدانخواستہ حضورؐ کو ناکامی ہوتی تو ایسی صورت میں قریش کے حوصلے بہت بڑھ جاتے۔ اور بہت ممکن کیا یقینی تھا کہ وہ مدینہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرتے۔ فتح خیبر نے یہ تمام امکانات ختم کر دیئے اور مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

بیسواں باب

خیبر کی فتح کے بعد حضورؐ نے چھوٹے دشمنوں کی طرف توجہ فرمائی اور ان قبائل کی سرکوبی کے لئے چند فوجی دستے بھیجے جن کے دلوں میں اسلام کو نقصان پہنچانے کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی۔

یہ فوجی دستے، حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت فاروقؓ۔ حضرت اسامہؓ بن زید۔ حضرت غالبؓ بن عبداللہ اور حضرت اسلمیؓ کی قیادت میں روانہ ہوئے۔ اور ان میں سے کسی دستے کے افراد تیس سے زائد نہ تھے۔ مگر اسلام اور ایمان کا اعجاز دیکھئے کہ یہ سب دستے نہایت کامیاب کامران واپس آئے۔ اور انہیں کہیں بھی ناکامی نہیں ہوئی۔ بظاہر یہ بات کچھ ناممکن سی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے اس کامیابی کا باعث کیا تھا۔ صرف یہی کہ یہ دستے جہاں بھی گئے۔ ایماندار اور فرض شناس سپاہ کی حیثیت میں گئے۔ تلوار صرف اسی موقع پر اٹھائی جہاں اس کی سخت ضرورت سمجھی گئی۔ ورنہ زیادہ تر تبلیغ ہی سے کام لیا گیا۔ ان فوجی دستوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ لوگ جو اسلام کو ہوّا سمجھتے تھے اس کی حقیقت سے واقف ہو گئے۔ اور انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ مذہب دنیا اور عقبیٰ دونوں میں سربلندی عطا کرتا ہے۔

اس فوجی گشت میں دو واقعات ایسے بھی پیش آئے۔ جن کے باعث میر قافلہ سے جواب طلب کیا گیا۔ حضرت اسامہؓ بن زید اور مسلمؓ کے خلاف حضورؐ کو یہ رپورٹ ملی کہ ان دونوں نے اپنے حق کا ناجائز استعمال کیا ہے! سامہؓ کے

خلاف شکایت تھی۔ کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا
معلمؓ کے خلاف کہا گیا۔ کہ اس نے ایک ایسے شخص پر تلوار اٹھائی جس نے اسلامی طریقہ
سے سلام کیا۔ اسامہؓ اور معلمؓ دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اسامہؓ سے پوچھا گیا
کہ تم نے اس شخص کو اس وقت جبکہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کا اعتراف کر لیا تھا
قتل کیوں کیا؟

اسامہؓ نے جواب دیا۔ حضور وہ ڈر کر مسلمان ہوا تھا؟

حضورؐ نے فرمایا۔ "یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر یہ کیفیت
پڑھ لی تھی؟

یہ چونکہ اجتہادی غلطی تھی اس لئے اسامہؓ کو اس شرط پر معافی مل گئی کہ وہ
آئندہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔

مسلمؓ سے پوچھا گیا۔ "تم نے یہ دیکھ کر بھی کہ عامر نے تمہیں مسلمانوں کی طرح
سلام کیا۔ کیوں مارا؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "حضور! وہ اپنی دولت اور جان ہم سے
بچانا چاہتا تھا اس لئے مسلمانوں کی طرح سلام کیا۔

حضورؐ نے معلمؓ کو سخت ڈانٹا، اور عامر کے ورثا کو بلا کر قتل کے بدلہ میں
پچاس اونٹ خون بہا کے طور پر دیئے۔ اگر ورثا خون بہا لینے پر راضی نہ ہوتے
تو حضورؐ قصاص میں معلم کو اس کے ورثا کے سپرد کر دیتے۔

یہ دو واقعات بظاہر معمولی نظر آتے ہیں لیکن سچ پوچھو تو یہی دو واقعات
اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضور کتنے بڑے منصف تھے۔ حضورؐ فاتح تھے۔ اس
وقت کے عرب کی سب سے بڑی قوم آپ کے تابع فرمان تھی۔ ان سب حملوں
میں دو شخصوں کا ناجائز قتل کوئی بڑی چیز نہ تھی لیکن اگر یہ قتل نظر انداز

کر دیئے جاتے تو آئندہ کے لئے مسلمان جس پر چاہتے تلوار اٹھانے میں کوئی باک نہ سمجھتے اور انسانی خون بلا کسی نیک مقصد کے محض خون آشامی کے جذبہ میں بہنے لگتا اس لئے حضورؐ نے ایسے واقعات کی روک تھام کر دی تاکہ مسلمان کے دامن پر کسی بے گناہ کے خون کا دھبہ دکھائی نہ دے۔

نور پھیل نکلا

اکیسواں باب

صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ اور مسلمانوں نے آرام کا سانس لیا۔ حضورؐ کا مقصد لڑائی نہیں تھا۔ حضورؐ صلح و امن کے ساتھ اسلام کی تعلیمات عام کرنے آئے تھے، کفّار نے حضورؐ کے رستہ میں سینکڑوں روکاوٹیں ڈالیں۔ جب یہ روکاوٹیں اسلام کی ہمہ گیری اور حضورؐ اور صحابہؓ کے استقلال و ایمان کی بدولت دُور ہوگئیں۔ تو حضورؐ نے پھر اپنا پرانا انداز اختیار فرما لیا اور دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والے اکابر کو اسلام کی دعوت دی۔ ان اکابر میں حسب ذیل پادشاہ اور حکام قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱) شاہِ حبش

(۲) شاہ بحرین

(۳) ہرقل شاہِ روم

(۴) مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ

(۵) شاہِ دمشق۔

(۶) شاہِ عمّان

(۷) شاہِ یمن

(۸) شاہِ ایران

(۹) جبلہ بن ایہم

(۱۰) شاہِ یمامہ

(۱۱) حاکمِ بصریٰ

اب تک دنیا کے اس سب سے اونچے اور پاک تاجدار کے پاس کوئی مُہر نہ تھی۔ خطوط لکھنے کا ارادہ ہوا تو ایک سادہ سی مہر بنی جس پر یہ حروف کندہ تھے۔

"محمدؐ رسول اللہ"

یوں خطوں کی عبارت یکساں تھی لیکن عیسائی بادشاہوں کے نام جو خطوط لکھے گئے، ان سب کے شروع میں قرآنِ حکیم کی یہ آیت درج تھی :۔

یاھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم ان لانعبد الاّ اللہ ولانشرک بہ شیئًا ولایتخذ بعضنا بعضًا اربابًا مّن دون اللہ ط

"اے اہلِ کتاب۔ آؤ ہم تم ایک ایسی چیز پہ متفق ہو جائیں۔ جو ہمارے اور تمہارے مابین ایک ہی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم خدا کے سوا کسی کو معبود نہ مانیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم اپنے جیسے انسانوں کو خدائی کا درجہ نہ دیں۔"

عیسائیوں کے نام جو خطوط لکھے گئے ان میں حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق

اپنا عقیدہ بھی بیان کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ عیسائیوں کو معلوم ہو جائے کہ حضورؐ ان کے سب سے بڑے پیشوا کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ انجیل اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے کتنا مطابق ہے۔

شاہِ حبشہ کے نام جو خط لکھا گیا۔ اسے عمر بن امیہ الضمری لے کر گئے۔ شاہِ حبشہ پاک ضمیر اور سیدھا اور روح رکھتا تھا۔ حضورؐ کا نامہ مبارک پاتے ہی ایمان لے آیا۔ اور جواب میں جو خط لکھا۔ اس میں اس بات کا اعتراف کیا کہ حضورؐ سچے نبی ہیں۔

اس کے آخر کے الفاظ تھے :-

میں حضورؐ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارح کو بھیج رہا ہوں
اگر حضورؐ فرمائیں تو میں حکومت و تاج سب کچھ چھوڑ
کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

حضرت علاءؓ بن حضرمی منذر بن ساوی شاہِ بحرین کے پاس تشریف لے گئے۔ شاہِ بحرین نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اس کی رعایا میں سے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ حضورؐ کے خط کے جواب میں اس نے بھی ایک عریضہ لکھا جس میں انتہائی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا اور حضورؐ سے ان لوگوں سے سلوک کے بارے میں رہنمائی کی درخواست کی جو اسلام نہیں لائے تھے۔ حضورؐ نے لکھ بھیجا کہ ایسے لوگوں سے جزیہ (ایک قسم کا ٹیکس) لیا جائے اور اس ٹیکس کے عوض ان کے مال و جان کی حفاظت کی جائے اور انہیں رعایا کے تمام حقوق دیئے جائیں۔

شاہِ عمان کی طرف، حضرت عمرو بن العاصؓ بھیجے گئے۔ اور اس نے، اس کے بھائی اور رعایا کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کر لیا۔

گورنر شام کے پاس شجاع بن وہبؓ حضورؐ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ اس شخص نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن سفیر کے ساتھ بہت عزت کے ساتھ پیش آیا۔

یمامہ کے حاکم ہوزہ بن علی نے، البتہ حضورؐ کے نامہ مبارک کے ساتھ گستاخی کی اور جواب دیا، کہ اگر آدھی اسلامی قلمرو پر اس کی بادشاہت تسلیم کر لی جائے تو وہ ایمان لا سکتا ہے۔

ظالم نے ایمان لانے کے لئے کتنی گراں رشوت مانگی۔ بدنصیب کو اسلام کی قدر و قیمت معلوم نہ تھی۔ ورنہ وہ اسے مادی فوائد کے ترازو میں نہ تولتا اور محرومی کی موت نہ مرتا۔

حضورؐ کا نامہ بر مصر بھی پہنچا۔ اس نے حضورؐ کا گرامی نامہ حاکم مصر کے سپرد کیا۔ حاکم مصر نے یہ گرامی نامہ پڑھا۔ اثر تو لیا، مگر اسلام قبول نہ کر سکا۔ اس کی روح اتنی بیدار نہ تھی کہ حضورؐ پر ایمان لانے کو ذاتی عروج پر ترجیح دیتا۔ کیونکہ ... جانتا تھا۔ کہ اگر وہ ایمان لے آیا۔ تو حکومت سے محروم کر دیا جائے گا۔ وہ خود مختار نہ تھا اگر خود مختار ہوتا تو شائد مسلمان ہو جاتا۔ لیکن اس نے حضورؐ کے نامہ بر کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کچھ دن بڑی عزت کے ساتھ اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور جب وہ رخصت ہونے لگا۔ تو اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بہت سے تحفے تحائف بھی دیئے۔ اور درخواست کی کہ حضورؐ کی خدمت میں میری طرف سے اچھے خیالات پیش کئے جائیں۔

حضورؐ کا ایک نامہ بر شاہ ایران کے پاس بھی پہنچا۔ شاہ ایران اس وقت کی آدھی دنیا کا بادشاہ تھا۔ وہ خود کو عرب کا بادشاہ بھی سمجھتا تھا۔ وراثت میں شاہی پانے والے اس بادشاہ کا مزاج بہت اونچا تھا۔ بھرے دربار میں جب مترجم نے حضورؐ کا نامہ مبارک کھولا۔ ابھی پہلے الفاظ پڑھے ہی تھے کہ بادشاہ نے مترجم کے ہاتھ سے یہ نامہ چھین لیا۔ اسے پھاڑ ڈالا۔ اور بڑے غصے کے ساتھ گرجا۔

میری رعایا کے ایک ادنیٰ فرد کو یہ جرأت کہ میرے
نام سے پہلے اپنا نام لکھے۔

پھر ذرا رک کر بولا۔

وزیر اعظم! حاکم یمن کے نام حکم لکھو۔ کہ اس شخص کو
گرفتار کرکے میرے حضور حاضر کرے۔

وزیر اعظم نے اسی وقت حکم لکھا۔ حضورؐ کے نامہ بر کے ساتھ بدسلوکی کی، اسے دربار سے نکال دیا۔ نامہ بر حضورؐ کے پاس آیا کیفیت عرض کی۔ حضورؐ نے زبانِ وحی سے فرمایا۔

نادان نے میرا خط چاک نہیں کیا اپنی سلطنت کی
مسند پھاڑ ڈالی۔ اور خود کو ہلاکت کے گڑھے میں
ڈال دیا۔

یہ زبانِ وحی تھی، یہ نبیؐ کا غصہ تھا۔ مزاج شناسانِ نبوت نے یہ بات سنی، تو بدبخت شاہِ ایران کے انجام کا خیال کرکے کانپ گئے۔

حاکم یمن کو شاہِ ایران کا حکم پہنچ گیا۔ وہ رسول اللہؐ کی قوت سے آگاہ تھا۔ اس لئے اس نے فوج کا ایک دستہ مدینہ بھیجا، کہ حضورؐ کو شاہِ ایران کے منشا سے آگاہ کرے۔ یہ دستہ مدینہ سے باہر اترا۔ اس کا سردار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ حکم خداوندی کے منتظر تھے اس لئے سردار سے کہا۔

کل آنا۔ کل منشا بتا دوں گا۔

صبح ہوئی سورج طلوع ہوا۔ سردار پھر باریاب ہوا۔ حضورؐ نے اس کی طرف دیکھا۔ اور زبانِ وحی سے فرمایا۔

رات شاہِ ایران کے گلے پر اس کے بیٹے نے چھری

پھیر دی! تم اپنے ہاں واپس جاؤ۔ جب شاہ نہیں
رہے تو ہمیں کس کے پاس لے چلو گے۔

یہ بات عجیب تھی، سردار نے اسے سُنا تو دانتوں میں انگلی داب لی، گستاخ نہ تھا، ورنہ کٹ حجتی سے کام لیتا! اس نے سوچا، محمدؐ بھی تو ایک بڑے بادشاہ ہیں۔ بادشاہوں کی باتیں بادشاہ ہی جانیں! اس لئے معانقہ کر کے مدینہ سے باہر آیا، اور فوجی دستہ کو ساتھ لے کر یمن پہنچا۔ حاکم یمن کو ساری بات کہہ سنائی، عجیب اتفاق ہوا! اسی وقت شاہِ ایران کے دربار سے ایک ایلچی ماتمی خبر لایا۔ سچ مچ شاہِ ایران اسی رات ہلاک ہوا جس رات کی خبر حضورؐ نے دی! اس وقت نہ تار برقی کا سلسلہ کہیں قائم تھا، نہ ریڈیو ہی ایجاد ہوا تھا۔ ایران کا دارالخلافہ مدینہ سے مہینوں کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ بات قطعاً عجیب تھی۔ کہ اتنے فاصلے کی خبر حضورؐ کو مدینہ میں بیٹھے بیٹھے اسی رات اور اسی وقت مل جائے جب یہ واقعہ عمل میں آئے۔

نبیؐ کی صرف ایک بات نے یمن کی قسمت پلٹ ڈالی۔ ہو سکتا تھا۔ کہ حضورؐ اس دستہ سے مقابلہ کرتے اور فتح پاتے لیکن یہ فتح اس فتح سے کتنی نرالی اور کتنی نتیجہ بخش تھی! اس کا اندازہ اس سے کیجئے۔ کہ نہ صرف وہ دستہ جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ایمان سے مشرف ہوا، بلکہ یمن کا حاکم، اس کا دربار، اور بہت سی رعایا بھی اسلام لے آئی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضورؐ نے شاہِ ایران کو جو خط لکھا اس کے آخری الفاظ تھے! اسلم تسلم، ایمان لے آؤ۔ بچ جاؤ گے لیکن وہ ایمان نہ لایا، اور بچ بھی نہ سکا۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اکثر حکومتوں کے تختے اسی طرح اُلٹے۔ یہ اکثر ہوا کہ کسی نافرمان بیٹے نے سلطنت کی ہوس میں باپ کو قتل کر ڈالا

لیکن ایک نبی کی دعوت کا انداز تو دیکھو کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ اگر وہ ایمان لے آتا۔ تو اس کا بیٹا کبھی بغاوت نہ کرتا۔ اور وہ خدا جس نے حضورؐ سے یہ الفاظ کہلوائے شاہِ ایران سے حکومت کی باگ، چھینتا۔

حضورؐ نے ہرقل شاہِ روم کے نام جو نامۂ مبارک لکھا۔ اسے دحیہ بن خلیفہ لے کر گئے تھے۔ ہرقل، شاہِ ایران سے زیادہ سمجھدار اور صاحب بصیرت تھا۔ اس نے سفیر کے اعزاز میں ایک شاندار دربار منعقد کیا۔ اور کسی ایسے آدمی کی تلاش کی جو حضورؐ کا دشمن ہو۔ اتفاق کی بات، ابوسفیان اس وقت شام میں موجود تھا۔ اُسے دربار میں طلب کیا گیا۔ رسول اللہؐ کے متعلق بادشاہ اور ابوسفیان میں حسبِ ذیل باتیں ہوئیں :۔

بادشاہ: محمدؐ کے خاندان اور نسب کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

ابوسفیان: محمدؐ کا خاندان شریف بھی ہے اور اونچا بھی

بادشاہ: نبی ہمیشہ شریف گھرانوں میں پیدا ہوئے۔

بادشاہ: کیا محمدؐ سے پہلے بھی کسی عرب نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

ابوسفیان: ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا۔ کسی عرب نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

قیصر نے ابوسفیان کے اس جواب پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا:۔

اگر کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو پھر میں سمجھ لیتا کہ محمدؐ نے اس کی پیروی کی ہے۔

بادشاہ: نبوت سے پہلے کیا محمدؐ نے کبھی جھوٹ بولا۔ یا کسی نے اس پر یہ اتہام لگایا؟ کہ وہ جھوٹ بولتا ہے؟

ابوسفیان: محمدؐ نے نہ کبھی نبوت سے پہلے جھوٹ بولا۔ اور نہ

اس پر کسی نے یہ الزام لگایا۔

قیصر! تو جب اس نے انسانوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولا تو خدا پر کیسے اتہام لگا سکتا ہے؟

قیصر! کیا محمدؐ کے باپ دادا میں سے کسی نے بادشاہت کی ہے؟

ابوسفیان! "نہیں"

قیصر! اگر ایسا ہوتا تو بھی یہ سمجھا جا سکتا کہ محمدؐ اپنے باپ دادا کی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

قیصر! محمدؐ کے ماننے والے زیادہ غریب ہیں یا مالدار؟

ابوسفیان! محمدؐ کے ماننے والے سب غریب ہیں۔

قیصر! نبیوں کے ماننے والے شروع میں غریب ہی ہوتے ہیں، ان لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟

ابوسفیان! بڑھ رہی ہے۔

قیصر! ایمان کی یہی خصوصیت ہے۔ کیا اب تک کوئی شخص محمدؐ کے دین سے پھرا بھی ہے؟

ابوسفیان! نہیں۔

قیصر! ایمان کی یہی تاثیر ہوتی ہے۔ کیا محمدؐ نے کبھی عہد توڑا؟

ابوسفیان! نہیں

قیصر! نبی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا تم میں اور محمدؐ میں کبھی

لڑائی ہوئی ؟

اور اگر ہوئی تو کون جیتا ؟

ابوسفیان! کبھی ہم اور کبھی وہ (یہ بیان غلط تھا ہمیشہ مسلمانوں کو ہی فتح ہوئی)

قیصر! محمدؐ کن باتوں کی تلقین کرتے ہیں ؟

ابوسفیان: ایک خدا کی عبادت کرو۔ باپ دادا کا مذہب چھوڑ دو۔ نماز پڑھو، روزے رکھو، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی اختیار کرو۔

قیصر! ہر نبی یہی باتیں سکھاتا ہے، اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو یقین رکھو کہ یہ نبی کامیاب ہوگا اور اس کی حکومت یہاں تک پھیل جائے گی جہاں میں بیٹھا ہوں، اے کاش! میں اس نبیؐ کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کر سکتا!

یہ باتیں نامہ مبارک سننے سے پہلے ہوئیں۔ نامہ مبارک سننے کے بعد تو بادشاہ اور زیادہ متاثر ہوا لیکن سیاسی مصالح ایسی تھیں کہ اسلام قبول نہ کر سکا۔

حضورؐ نے غسان کے بادشاہ جبلہ بن ایہم کو جو خط بھیجا اس کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا جبلہ نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ کو تسلی بخش جواب بھیجا۔

شام کے گورنر فروہ بن عمر خزاعی بھی مسلمان ہو گئے قیصر کے دربار میں ان کے اسلام لانے کی شکایت ہوئی۔ درباری اسلام کے خلاف تھے اس لئے فروہ بن عمر قتل کر دیئے گئے۔ مگر اسلام سے انحراف کی ذلت گوارا نہ کی۔

اوپر جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کے پیش نظر صرف دو مکتوب الیہ ایسے

تھے۔ جنھوں نے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف نہیں کیا۔ باقی سب لوگوں نے رسول اللہؐ کو سچا جانا۔ اور اسلام کی تعلیمات کی ہمہ گیری تسلیم کرلی۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جو خود اصحابِ اختیار اور اربابِ حکومت تھے۔ وہ اگر چاہتے تو اسلام کے سامنے سر نہ جھکاتے اور اس کی خوبیوں کا اعتراف نہ کرتے۔ قوت، اختیار اور اقتدار رکھنے کے باوجود انھوں نے اسلام کو اچھا سمجھا اور ان میں سے اکثر اسلام لے آئے اور رسول اللہؐ کی غلامی اختیار کرکے دنیا و دین دونوں میں سرخروئی پائی۔

بائیسواں باب

صلح حدیبیہ کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ حضورؐ اور مسلمان اس سال حج نہ کریں۔ جیسے آئے ہیں ویسے ہی لوٹ جائیں۔ اگلے سال آئیں اور آزادی کے ساتھ حج کریں۔ اسی قرارداد کے پیش نظر حضورؐ نے شوال ۷ھ میں مکہ جانے کی تیاریاں کیں۔ دو ہزار صحابہؓ نے حضورؐ کا ساتھ دیا۔ یہ مقدس قافلہ عمرہ کی نیت سے یثرب کی پاک زمین سے حرم بیت اللہ کی طرف بڑھا۔ حضورؐ کو شرائطِ صلح کا حد درجہ احترام تھا اس لئے حضورؐ نے مکہ کے حدود میں داخل ہوتے ہی تلوار کے سوا تمام ہتھیار اتار دیئے۔ اللہ اللہ وہ وقت بھی کیا عجیب تھا جب دو ہزار مہجور مسلمان خانہ کعبہ کی چار دیواری میں پہنچے تھے۔ ان میں کئی ایسے تھے، جو آٹھ نو سال سے مکہ محترمہ کے قریب تک آنے نہیں پائے تھے اور مہاجر صحابہؓ کی غالب تعداد ایسی تھی جنہیں مکہ کے ظالم باشندوں نے ہزاروں تکلیفیں دینے کے بعد ان کے گھروں سے نکال دیا تھا۔ ان کے مکان ان سے چھین لئے تھے۔ ان کی جائدادیں خود ہضم کر لی تھیں۔ اور ساماں اپنے صرف میں لے آئے تھے۔ شروع میں ان ایمانداروں نے مکہ کے ظالم باشندوں کی ہر سختی برداشت کی تھی اور جب سختیاں حد سے گزر گئی تھیں، تو چھپ چھپا کر وطن سے نکل بھاگے تھے۔

اب محمد سرورِ دو عالمؐ کے صدقے، رحمتِ دو عالمؐ کے طفیل، یہ سب پھر اپنے وطن، اپنے آبائی شہر کی چار دیواری میں پہنچ گئے تھے۔ کس میں ہمت ہے کہ اس منظر کی تصویر پیش کر سکے۔ اس دَور کے مورخین نے ہم سے وہ روداد بیان

نہیں کی۔ جو مہاجر صحابہؓ نے اس وقت مرتب کی تھی۔ جب یہ مکہ کی چار دیواری میں داخل ہوئے تھے۔

لیکن تصور کہتا ہے۔ کہ یہ وقت بڑا نازک تھا۔ نہ جانے کتنے ایسے تھے جن کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں پرو رہی تھیں۔ کتنے ایسے تھے جن کے دل تڑپتے تڑپتے مچل گئے تھے، کتنے ایسے تھے جن کے پاؤں وطن کی زمین پر پڑتے ہی کانپ اٹھے تھے۔ محدثین نے ان میں سوائے رسول اللہؐ کے تاثرات کے ہم تک کسی اور کے تاثرات نہیں پہنچائے۔ اور رسول اللہؐ کے وہ تاثرات بیان کئے ہیں جو صرف بیت اللہ کی زیارت کے بارہ میں ہیں۔

امام مسلم کا بیان ہے۔ کہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ جب خانہ کعبہ کی چار دیواری میں پہنچے تو حضورؐ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے فرمایا۔

اے اللہ کے گھر! تو مجھے سب سے پیارا ہے۔ مگر کفار
نے مجھے تم سے اتنی دیر تک دُور رکھا۔

حضورؐ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔ صحابہؓ نے بھی یہی کلمات کہے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگے۔ حضورؐ نے طواف شروع کرنے سے پہلے صحابہؓ کو ہدایت فرما دی تھی۔ کہ احرام کی چادروں کو اس طرح پہنیں کہ ان کے کندھے کھلے رہیں۔ مقصد یہ تھا۔ کہ کفار پر صحابہؓ کی جسمانی قوت کا رعب بیٹھے۔ اللہ اللہ! اس نبی امیؐ کو جس نے کسی سیاسی مکتب میں نہ تعلیم پائی اور نہ تجربہ حاصل کیا دین کی باتوں میں بھی سیاست کی کتنی باریک باتیں سوجھتی تھیں۔

طواف ہوا۔ حج کے دوسرے ارکان ادا کئے گئے۔ مکہ والوں اور حضورؐ میں یہ طے ہوا تھا۔ کہ حضورؐ اور صحابہؓ مکہ میں صرف تین دن رہیں گے۔ یہ تین دن بھی کتنے عجیب ہوں گے۔ صحابہؓ اور رسول اللہؐ کی وہی حالت ہو گی۔ جو اس

بچھڑے ہوئے چاہنے والی کی ہوتی ہے۔ جیسے چند ساعتوں کے لئے اس کے محبوب کے قریب کر دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ یہ ساعتیں گزر جانے کے بعد اسے محبوب سے الگ ہونا پڑے گا۔

ان تین دنوں میں کفارِ مکہ گھروں کو چھوڑ کر شہر سے باہر نکل گئے تھے۔ ضدی عرب۔ ان لوگوں کو جنہیں وہ نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کر چکے تھے اس شان و شوکت کے ساتھ اپنے شہر میں پھرتا نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن محمد سیدِ کون و مکان کا اعجاز دیکھو۔ کہ حالانکہ دشمن اپنی ساری قیمتی چیزیں شہر میں چھوڑ گیا تھا اور اس کا کوئی پاسبان شہر میں نہ تھا۔ صحابہؓ اگر چاہتے تو نہ صرف شہر کے ساز و سامان پر قبضہ کر لیتے بلکہ مکہ پر بھی تسلط پا سکتے تھے لیکن کیا مجال کہ صحابہؓ نے شہر والوں کی کسی ایک چیز کی طرف بُری نیت سے دیکھا ہو۔ حضورؐ اور صحابہؓ نے معاہدہ کا جس طرح احترام کیا۔ کیا اس کی نظیر کہیں موجود ہے؟ اور کیا اس دنیا کے تختہ پر کبھی ایسا ہوا کہ وہ جماعت جسے سات سال کے بعد اپنے وطن اور گھروں میں آنے کا موقع ملا ہو اور اس میں ان پر قبضہ پانے کی قوت بھی ہو بغیر قبضہ پائے واپس چلی جائے؟

لیکن محمد سیدِ کون و مکانؐ کے سامنے زندگی کا جو اصول تھا حضورؐ جو مشن لیکر آئے تھے وہ اتنا اونچا اور پاک تھا کہ وطن کیا! اس کی محبت کیا۔ جان تک اس پر قربان کی جا سکتی تھی۔ صحابہؓ اس مشن کی عظمت کو سمجھتے تھے اور ان کی یہی سمجھ انہیں مکہ سے ایسے ہی خالی ہاتھ لے گئی جیسے خالی ہاتھ وہ وہاں آئے۔ وصال کے یہ تین دن بیت گئے۔ ان تین دنوں کی ایک ایک گھڑی بڑی قیمتی تھی۔ صحابہؓ خانہ کعبہ کے ایک ایک رکن۔ ایک ایک دیوار اور ایک ایک حصہ سے لپٹ لپٹ کر روئے۔ انھوں نے اس کے در و دیوار

کر چوما۔ اسے سینہ سے لگایا اس پر آنکھیں رگڑیں۔ کہ دل کا تقاضا یہی تھا محبت یہی کہتی تھی۔

افسوس مورخین نے اس اظہارِ محبت کی تفصیل بھی بیان نہیں کی۔ اور نہ کسی نے یہ لکھا۔ کہ مہاجر صحابہؓ اپنے ان گھروں میں کچھ دیر بیٹھ بھی سکے یا نہیں جن سے انہیں نکال دیا گیا تھا۔

تین دن گزرتے ہی یہ عہد و صال گزر گیا۔ اور صحابہؓ رسول اللہ کے پیچھے پیچھے مکہ کی چار دیواری سے باہر نکل آئے۔ مکہ کے باہر کتنوں نے حسبِ ضرورت قیام کیا۔ اور پھر اُس شخص کی طرح، جو محبوب کو پیچھے چھوڑ کر دُور سفر پر جا رہا ہو۔ مکہ کے در و دیوار کو دیکھا۔ اور نہ جانے کتنے ایسے تھے جنھوں نے کئی بار مڑ مڑ کر اس چار دیواری کو دیکھا تھا۔ دو ہزار صحابہؓ کا یہ قافلہ جس شوق سے مکہ کی طرف بڑھا تھا۔ اسی شوق کے ساتھ مدینہ کو پلٹا۔ کہ مدینہ اب ان کا گھر تھا۔ اور پھر ساری دنیا سے پاکیزہ اور افضل، اللہ اور ان کے محبوب رسولؐ ان کے ساتھ تھے۔

یہ کتنا بڑا سرمایہ تھا۔ جو خود چل کر ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ کئی دن کے سفر کے بعد اللہ کے پیارے بندوں کا یہ قافلہ مدینہ آن پہنچا۔

تیسواں باب

مدینہ آنے کے بعد حضورؐ نے شاہ بصریٰ کے نام ایک خط لکھا۔ اور اسے اسلام لانے کی دعوت دی۔ یہ خط حارث بن عمیرؓ لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت حارثؓ جب شام کے ایک سرحدی مقام موتہ پر پہنچے تو وہاں کے حاکم شرجیل غسانی نے انہیں پکڑ لیا۔ اور شہید کر دیا۔ نامہ بر کا قتل دنیا کے کسی آئین میں بھی جائز نہیں شرجیل نے حارث کو قتل کر کے دنیا کی اس شریفانہ ریت کو توڑا۔ نامہ بر کا قتل اور پھر حضورؐ کے نامہ بر کا قتل انسانیت کی توہین تھی۔

نامہ بر کے قتل کے معنی یہ تھے۔ کہ یہ شامی اسلام کا بدترین دشمن ہے اور اگر اس کی یہ غلطی معاف کر دی گئی تو وہ سمجھے گا۔ مسلمانوں میں اتنی قوت نہیں کہ وہ ایک فرض کے لئے لڑ سکیں۔ حضورؐ کو جیسے ہی اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ملی آپؐ نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ بہت تھوڑی دیر میں تین ہزار جانباز مسلح ہو گئے۔ زید بن حارثؓ اس جانباز فوج کے سپہ سالار بنائے گئے۔ حضورؐ نے ہدایت فرمادی کہ اگر زیدؓ بن حارث شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب ان کی جگہ لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ اور اگر عبداللہؓ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جسے مناسب سمجھیں سردار مان لیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں حضورؐ نے یہ اعلان فرمادیا کہ زیدؓ بن حارث سپہ سالار ہیں۔ تو دوسرے دو ان کے اسٹاف کے سب سے بڑے رکن قرار دیئے گئے ہیں۔

حضرت خالدؓ اسی سال اسلام لائے تھے۔ وہ بھی اس فوج میں شریک ہوئے

مسلمان فوج ابھی معان پہنچی تھی کہ جاسوس خبر لائے کہ حاکم موتہ ایک لاکھ جرار فوج کی معیت میں مسلمانوں کا رستہ روکنے کے لئے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کی امداد کو خود قیصر روم اپنے درباریوں سمیت تھوڑی دور پر موجود ہے۔ تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا تھا۔ لیکن صحابہؓ کی یہ مقدس جماعت اقلیت کے باوجود اکثریت سے ڈرنے والی نہ تھی۔ عبداللہؓ بن رواحہ نے ساری فوج کے سامنے اقلیت اور اکثریت کے اس بین تفاوت کے باوجود اس اصولِ زندگی کی تشریح کی۔ جو مسلمان اور غیر مسلم میں ہمیشہ سے مابہ الامتیاز رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

ہم لوگ اللہ کی راہ میں قربان ہونے کا عزم لیکر آئے ہیں۔ ہم نے کبھی آدمی گن کر کسی سے لڑائی نہیں کی ہم ہمیشہ اس جذبۂ صادق کی بنا پر لڑے جسے اسلام نے ہمارے دلوں میں پیدا کیا ہے۔"

پھر ذرا رک کر فرمایا:۔

اللہ کا نام لو۔ اور موتہ کی طرف مردانہ وار آگے بڑھو اپنی صفیں مضبوط رکھو۔ ان میں انتشار نہ آنے دو۔ پوری دلجمعی کے ساتھ دشمن سے لڑو۔ ہم جیتے تو اسلام کی فتح ہوگی اور اگر ہارے تو شہید ہوں گے۔ خدا کی راہ میں شہادت بھی تو بہت بڑی سعادت ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی یہ تقریر کیا تھی۔ مسلمان کی زندگی کی صحیح تفسیر تھی، تقریر کے بعد زیدؓ بن حارث نے حضورؐ کے عطا کئے ہوئے علم کو فضا میں لہرایا، اور نیزہ تانا۔ سپہ سالار کے نیزہ تانتے ہی، ساری فوج کے نیزے تن گئے۔ اور

مجاہدوں کی یہ فوج موتہ کی طرف بڑھتی نظر آئی۔
موتہ[1] کے وسیع میدان میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئیں
گھمسان کا رن پڑا۔ ایک طرف تین ہزار غلامانِ محمدؐ اسلام اور ایمان کی امانت سینوں
میں لئے دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ تو دوسری طرف ایک لاکھ شامی اور رومی
ان چند سر پھرے مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ خدا جانے حضورؐ
نے فوج کی روانگی کے وقت یکے بعد دیگرے تین سرداروں کا جو تقرر فرمایا تھا اس
اثر تھا۔ یا زیدؓ کا حد سے بڑھا ہوا شوقِ شہادت کہ وہ لڑتے لڑتے اپنی صفوں سے
بہت آگے نکل آئے اور دشمن کے قلب میں گھس کر حیرت انگیز مردانگی کا ثبوت دیا
وہ اکیلے انبوہ در انبوہ دشمنوں میں گھرے دادِ شجاعت دے رہے تھے انھوں نے
صفیں کی صفیں اُلٹ ڈالیں۔ دشمن نے یہ رنگ دیکھ کر ان پر اس زور سے تیر
برسائے کہ وہ بُری طرح زخمی ہو گئے۔ دشمن نے ان پر پے در پے کئی حملے کئے
یہاں تک کہ انھوں نے شہادت پائی۔ اب جعفرؓ بن ابی طالب آگے آئے اسلامی علم
اب ان کے ہاتھ میں تھا۔ ایک بدبخت شامی نے ان کے اس ہاتھ پر تلوار ماری
جس میں وہ علم تھامے تھے، ہاتھ کٹ کر دُور جا پڑا لیکن بہادر مجاہد نے علم دوسرے
ہاتھ میں لے لیا۔ یہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تو اسلام کے اس فدائی نے علم سینے اور گلے
کے زور سے سربلند رکھا۔ آخر یہ پاک گردن بھی کٹ گئی۔ اور علم عبداللہؓ بن رواحہ
کے ہاتھ میں پہنچا۔ مگر زبانِ نبوت کے اسرار کو کون جانے، عبداللہؓ بن رواحہ بھی
شہید ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے اسلامی علم سرنگون ہو گیا۔ ایک بہادر مسلمان
ثابت بن ارقم آگے بڑھے اور علم اٹھا لیا۔ ان کی تجویز پر حضرت خالدؓ بن ولید اسلام
لانے کے بعد پہلی دفعہ لشکرِ اسلام کے سردار بنے۔

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے طبری۔ ابن خلدون اور کامل ابن اثیر دبیان غزوۂ موتہ)

خالدؓ نے علمِ اسلام ہاتھ میں لیتے ہی ساری صفیں از سرِ نو مرتب کیں وہ کبھی ایک صف کو آگے بڑھاتے اور کبھی دوسری کو، تین ہزار کی اس چھوٹی سی فوج کو انھوں نے اس ہنرمندی کے ساتھ لڑایا۔ کہ دشمن کے ہوش اُڑ گئے خالدؓ کا لڑنے کا ڈھنگ عجیب سے عجیب تر ہوتا گیا کبھی وہ میسرہ کو آگے بڑھاتے کبھی میمنہ کو، اور کبھی دونوں کو آگے کر دیتے۔ اور پھر دفعتاً محفوظ قلب آگے بڑھتا۔ تو اپنوں اور دشمنوں کو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی تازہ دم فوج لڑائی میں آکودی ہے۔ خود خالدؓ کی اپنی یہ حالت تھی، کہ وہ بجلی کی طرح کبھی یہاں دکھائی دیتے کبھی وہاں، شام تک لڑائی کا یہی رنگ رہا۔ یہ ایمان اور کفر کی جنگ تھی ایمانداروں اور بے ایمانوں کا مقابلہ تھا۔ ایماندار قلتِ تعداد کے باوجود میدانِ جنگ میں مردانہ وار کھڑے تھے لیکن اکثریت ہمت ہار کر بھاگ نکلی۔ مسلمان کچھ دُور تک اس کے پیچھے گئے اور پھر لوٹ آئے۔

بھاگتے وقت دشمن میدانِ جنگ میں بہت سا سامان چھوڑ گئے۔ حضرت خالدؓ کے ساتھیوں نے اسے سمیٹا اور فتح و کامرانی کے نعرے لگاتے مدینہ کو لوٹے۔

حضورؐ نے اس کامیاب و کامران فوج کی واپسی کی اطلاع پائی، تو کافی دُور تک صحابہؓ کو ساتھ لے کر استقبال کو تشریف لے گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے کارناموں کی بہت تعریف کی اور انہیں خالد سیف اللہ کا شاہانہ خطاب عطا فرمایا یہ وہ خطاب تھا جس پر حضرت خالدؓ نے ہمیشہ فخر کیا اس خطاب کے باعث اُن کا سر ہمیشہ سربلند رہا اور انھوں نے کبھی کسی معرکہ میں شکست نہ کھائی ؛

مکّہ میں

چوبیسواں باب

صلح حدیبیہ میں ایک اہم شرط یہ تھی کہ عرب قبائل میں سے جو قبیلہ بھی چاہے فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن سکتا ہے۔ اس قرارداد کے مطابق خزاعہ حضورؐ کے حلیف بن گئے اور بنو بکر نے قریش کی رفاقت اختیار کی۔ معاہدے کے شرائط اب ان دونوں قبیلوں پر عائد ہوتے تھے۔ اور معاہدے کی رو سے انہیں حق نہ تھا کہ ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھائیں۔ مگر بنو بکر نے قریش کی شہ پر خزاعہ پر اچانک اس وقت حملہ کر دیا۔ جب وہ اپنے گھروں میں سو رہے تھے۔ قریش کے اکابر نے ان کا ساتھ دیا۔ رات بھر ظالم اور مظلوم میں لڑائی ہوتی رہی۔ خزاعہ بھاگ کر حرم میں آ چھپے۔ ان کا خیال تھا، کہ حرم کی پاک چار دیواری میں انہیں امان ملے گی لیکن بنو بکر وہاں بھی آ گھسے اور قریش کی موجودگی میں بنو خزاعہ کو چن چن کر قتل کیا۔ بنو خزاعہ نے قریش سے امداد چاہی لیکن قریش تو خود اس حملہ میں شریک تھے بنو خزاعہ کی امداد کس طرح کرتے۔

اس زمانہ میں نہ ریڈیو ایجاد ہوا تھا اور نہ تار برقی سلسلہ ہی چلا تھا۔ کہ بنو خزاعہ

اپنے حلیف کو اپنی امداد پر بلاتے لیکن ان ساری ایجادات کے معدوم ہونے کے باوجود خزاعہ کے چند مظلوموں نے حرم کعبہ کی چار دیواری میں کھڑے ہو کر رحمۃ للعالمینؐ کو آواز دی۔ یہ بے چارے دل کی گہرائیوں کے ساتھ پکارے

محمدؐ! ہم تمہارے حلیف ہیں۔ ہم پر بنو بکر اور قریش
نے زیادتی کی ہے۔ ہماری مدد کو آؤ۔

یہ مظلوم کے دل کی آواز تھی۔ ہوا کے دوش پر اڑی اور ریڈیو کی بسیتی رو سے زیادہ سرعت کے ساتھ سفر کرتی محمدؐ سید کون و مکان کے کانوں تک جا پہنچی۔ حضورؐ اس وقت حضرت میمونہؓ (ام المومنین) کے ہاں بیٹھے وضو فرما رہے تھے۔ حضورؐ نے یہ آواز سنتے ہی پوری قوت اور انتہائی جوش کے ساتھ جواب دیا

لبیک، لبیک، ہم نے تمہاری پکار سن لی اطمینان
رکھو، ہم تمہاری مدد کو آئیں گے۔

حضرت میمونہؓ نے حیرت سے پوچھا۔

یہ حضورؐ کسے مخاطب ہو کر لبیک لبیک
کہہ رہے ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا:۔

خزاعہ نے مجھے پکارا ہے۔ ان پر بنو بکر نے
ظلم کیا ہے۔

دوسری صبح حضورؐ نے یہی واقعہ حضرت عائشہؓ سے بھی بیان فرمایا
حضرت عائشہؓ نے تعجب سے پوچھا

حضورؐ کیا قریش بد عہدی کر سکتے ہیں؟

ما طبری (فتح مکہ)

حضورؐ نے جواب دیا۔

انھوں نے یقیناً بدعہدی کی ہے۔

چند دن بعد[1] خزاعہ کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی تفصیل عرض کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔

ہم تمہاری مدد کے لئے عنقریب مکہ آئینگے

تھوڑے دن بعد قریش کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا انھوں نے سوچا یہ تو بہت برا ہوا۔ ابوسفیان کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا گیا کہ تجدید عہد کرے۔ ابوسفیان مدینہ پہنچا۔ مگر مجرم تھا اور مجرم قوم کی طرف سے سفیر ہو کر آیا تھا اس لئے ڈرتے ڈرتے حضور نبویؐ میں حاضر ہوا۔ مگر حضورؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابوسفیان نے حضرت صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے اپنی خواہش کا ذکر کیا۔ حضرت صدیقؓ اور عمرؓ تو خاموش رہے لیکن حضرت علیؓ نے اس بڈھے سردار سے ایک لطیف مذاق کیا۔ اور اسے مشورہ دیا۔ کہ تم تو قریش کے سردار ہو۔ مسجد نبویؐ میں کھڑے ہو کر اعلان کر دو۔ کہ ہم معاہدہ کی تجدید کرتے ہیں اور بس پھر گھر چلے جاؤ۔ ابوسفیان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اس نے مسجد نبوی میں تجدید صلح کا اعلان کیا۔ اور کسی سے ملے بغیر مکہ کو پلٹ آیا۔

قدرت نے یہ موقعہ خود دیا تھا۔ ابوسفیان کی روانگی کے فوراً بعد حضورؐ نے صحابہؓ کو مکہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ آس پاس کے حلیف قبائل بھی ساتھ آملے اکیس سال متواتر ظلم و ستم برداشت کرنے کے بعد حضورؐ اور ان کے ساتھی اس قوم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو پانچ دفعہ مدینہ پر چڑھ کر

---

[1] صحیح بخاری فتح مکہ

آئی۔ جہاں انھوں نے ظالم کے ظلم سے تنگ آ کر پناہ لی تھی لیکن ہر بار ناکام لوٹی یہ روانگی ایسی اتفاقی اور جلدی کی تھی کہ صحابہؓ میں سے اکثر نے سمجھا کہ اب مکہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ ظالم چن چن کر قتل کیے جائیں گے حضرت حاطبؓ ایک صحابی تھے ان کے بیوی بچے اور عزیز مکہ میں تھے۔ وہ ڈرے کہ کہیں قریش مکہ حضورؐ کے حملہ کی خبر سن کر ان کے بیوی بچوں کو قتل نہ کر دیں۔ بیوی، بچوں کی محبت نے انہیں ایسے کام پر مجبور کیا۔ جو آئین دوستی و ایمان کے خلاف تھا۔ حاطبؓ نے قریش مکہ کو ایک خط لکھا اور حضورؐ کے حملہ کی اطلاع دے دی۔ مقصد یہ تھا کہ قریش اس احسان کے بدلہ میں اس کے بیوی بچوں کو قتل نہ کریں گے۔ قاصد پکڑا گیا۔ اور ایمان کی اس کمزوری کی سزا حاطب کو تھوڑی دیر بعد ہی مل گئی۔ حضرت فاروقؓ ہمیشہ ایسے موقعوں پہ آگے رہتے تھے۔ انھوں نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور حضورؐ سے حاطب کے قتل کی اجازت مانگی۔ مگر رحمۃ للعالمین کا دریائے رحمت آج خدا جانے کیوں اس درجہ جوش پر تھا۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ اجازت نہ دی۔ حاطب حاضر ہوئے، انھوں نے انسانی کمزوری کا عذر پیش کیا۔ رحمۃ للعالمین مسکرائے فرمایا:-

حاطب جاؤ، ہم نے تمہیں معاف کیا۔

فیاض فطرت انسانی کمزوریوں سے آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حاطب نے بیوی، بچوں کی محبت سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے۔ محبت اور عشق کی رو سے حاطب کا یہ گناہ ناقابلِ معافی تھا۔ مگر محبوبِ عالم آج کرم پہ مائل تھے کمزور عاشق کے اس گناہ کو معاف کر دیا گیا۔ کسی اور حاکم کی عدالت ہوتی۔ تو نہ جانے حاطبؓ کو کتنی بڑی سزا ملتی لیکن یہ عدالت تو مدینہ کے اس تاجدار کی تھی۔ جو مکہ

کے گنا ہگاروں کو کچلنے کے لئے نہیں معاف کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہی وہ تاجدار تھا۔ جو آج سے آٹھ سال پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف بھاگا۔ بھاگتے وقت اس کے ساتھ ایک دوست، ایک رہبر اور ایک غلام تھا۔ اس وقت اور آج کی حالت میں کتنا عظیم الشان فرق تھا۔ اس وقت صرف ایک ساتھی تھا اور آج دس ہزار ساتھی تھے۔ اس وقت یہ بھاگتا ہوا آیا تھا۔ مگر آج یہ ابرِ رحمت بن کر اس سرزمین پر برسنے والا تھا جس کے بسنے والوں نے اُسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دنیا نے ایسا انقلاب کبھی نہ دیکھا تھا۔ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ آنے والی سڑک پر کسی ایسے مسافر کے پاؤں آج تک نہ رکھے گئے تھے جو بھاگا تو اس بے بسی سے اور لوٹا تو اس شان سے۔

مرالظہران پہنچ کر یہ عظیم الشان قافلہ رک گیا۔ رات آگئی اور اس نے اپنی تاریک چادر سارے عالم کو اڑھا دی۔ اس اندھیری رات میں رحمۃ للعالمین ؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا۔ کہ ہزار ہزار افراد کے علیحدہ علیحدہ کیمپ نصب کر دو اور ہر کیمپ میں کئی کئی جگہ آگ جلاؤ۔ یہ بات اصولِ جنگ کے خلاف تھی۔ مگر نبوت کے اسرار کون جانے۔ صاحبِ کونین ؐ کے دل پر اس وقت کیا بیت رہی تھی۔ صحابہؓ کو اس کی کیا خبر ہوتی۔ وہ حکم کے بندے تھے۔ انھوں نے خیموں میں خوب آگ روشن کی۔ مکہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ مکہ والوں نے جنگل میں یہ تماشہ دیکھا۔ تو حیران رہ گئے۔ انہیں ایسا محسوس ہوا۔ کہ دنیا کی ساری آبادی مرالظہران کے میدان میں آ بسی ہے۔ وہ تحقیقِ حال کے لئے باہر نکلے اتفاق کی بات ابوسفیان پہلا شخص تھا۔ جو تحقیقِ احوال کے لئے باہر آیا۔ حضرت عباسؓ کو اہلِ مکہ سے بہت محبت تھی۔ حضور ؐ کے حملے سے ان کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا۔ کہ نہ جانے کل مکہ والوں کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ اس لئے وہ بیقرار

ہو کر اپنے خیمہ سے نکلے اور مکہ کے قریب آئے۔ انھوں نے ابوسفیان کو کسی سے باتیں کرتے دیکھا۔ تو آواز پہچان گئے۔ اسے اپنے قریب بلایا۔ اور ساری حقیقت کہہ سنائی اور ساتھ ہی مشورہ دیا۔ کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آؤ۔ اور پھر مکہ والوں کے لئے معافی مانگو۔ ابوسفیان اسی وقت حضرت عباسؓ کے خچر پر بیٹھا۔ اور یہ دونوں دوست اسلامی خیمہ کی طرف بڑھے۔

حضرت عمرؓ اس رات اسلامی کیمپ کے پہرہ پر مامور تھے۔ انھوں نے حضرت عباسؓ اور ابوسفیان کو خچر پر بیٹھے اسلامی کیمپ میں گھستے دیکھا۔ تو تلوار ہاتھ میں لے کر ان کے پیچھے بھاگے۔ حضرت عباسؓ نے خچر تیز کر لی اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ بھی تھوڑی دیر بعد جا پہنچے اور دُور ہی سے پکارے۔

حضورؐ یہ کافر بلا کسی شرط کے قابو میں آیا ہے۔ حکم دیجیئے تو اس کا سر اڑا دوں

حضرت عباسؓ بیچ میں بول اٹھے۔

حضورؐ میں نے اسے امان دی ہے۔

عمرؓ بتاؤ۔ اگر کوئی تمہارا عزیز ہوتا۔ تو کیا تم اُسے اتنی تیزی سے قتل کر دیتے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

عباس! خدا کی قسم جب تم اسلام لائے تھے تو مجھے اتنی خوشی ہوئی تھی جیسے میرے باپ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عمرؓ اور عباسؓ میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ رحمۃ للعالمینؐ نے ارشاد فرمایا۔

عباس! ابوسفیان آج تمہارے پاس رہیں۔
صبح پھر باتیں ہوں گی۔

خیال رہے کہ ابوسفیان وہی شخص ہے، جس نے حضورؐ پر کئی بار چڑھائی کی تھی۔ حضورؐ کے قتل کی سازشیں کیں مگر رحمۃ للعالمینؐ کا ابرِ کرم دیکھو کہ اسے ایک رات کی اور مہلت دے دی کہ وہ اپنے گناہوں پر تائب ہو کر ایمان لے آئے۔

ابوسفیان نے یہ رات حضرت عباسؓ کے کیمپ میں کاٹی۔ عباسؓ نے ساری رات اسے سمجھایا۔ خود ابوسفیان بھی اب سمجھ گیا تھا۔ کہ مخالفت کے دن جا چکے ہیں اس لئے جیسے ہی صبح ہوئی۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور اسلام لے آیا۔

حضورؐ اتنے خوش ہوئے کہ ابوسفیان سے فرمایا۔

مکہ میں جا کر سنادی کر دو۔ کہ جو شخص خانہ کعبہ میں اور ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا وہ امان میں ہو گا اسی طرح جو اپنے گھر کے دروازے بند کرلے گا اس سے بھی درگزر کیا جائے گا اور جو شخص ہتھیار رکھ دے گا اسے بھی کچھ نہ کہا جائے گا۔

دشمن اور دوست سمجھتے تھے۔ کہ آج مکہ کے بازاروں میں خون کی ندیاں بہیں گی۔ مہاجرینؓ کا خیال تھا کہ حضورؐ آج عام اعلان فرمائیں گے کہ ان ان شخصوں کو پکڑ پکڑ کر خوب مارو جنھوں نے تم پر تمہاری مظلومی کی حالت میں

ہاتھ اٹھائے لیکن رحمۃ للعالمینؐ نے ایسا کوئی اعلان نہ کیا۔ اور اگر اعلان کیا تو وہ بھی ایسا جس سے مظلوموں کے دلوں کی آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی۔

اس اعلان کے معنی یہ تھے۔ کہ آج مکہ میں کوئی دشمن نہیں دوست داخل ہو رہا ہے۔ اور سچ پوچھو تو حضورؐ آج ظالموں سے انتقام لینے نہیں آئے تھے۔ انہیں اپنے دامن کرم میں جگہ دینے آئے تھے۔ صبر و تحمل اور کردار کی عظمت کا یہ کتنا عجیب نظارہ ہے۔ کہ آج وہ شخص اپنے وطن آیا ہے جس کے اہل وطن نے اس کے قتل کی سازش کی تھی۔ اور جو یہاں سے چھپ کر بھاگا تھا۔ مگر وہ یہ سب کچھ بھول چکا ہے۔ اسکے سامنے صرف حال کی تصویر ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس وقت اس کے ساتھ دس ہزار غلام ہیں۔ اور وہ ایک غالب قوت کی حیثیت سے اپنے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ دس ہزار قدوسیوں کا یہ بلند مقام قافلہ ہولے ہولے شہر میں داخل ہوا۔

ابوسفیان ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر اسلامی فوج کی یلغار دیکھ رہا تھا رنگا رنگ کے علم فضائے آسمانی میں لہرا رہے تھے۔ پیدل اور سوار نہایت سکون مگر شان کے ساتھ کعبہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس شان و شوکت کے باوجود ہتھیاروں کی نمائش کی اجازت نہ تھی۔ البتہ کہہ دیا گیا تھا۔ کہ اگر کوئی بلا وجہ ٹکرائے تو اُسے پکڑ لیا جائے۔ مارا نہ جائے۔ اسلامی فوج چند دستوں پر تقسیم تھی۔ ایک دستہ کے حاکم سعدؓ بن عبادہ تھے۔ ان کے ہاتھ میں عَلَم تھا۔ جس ٹیلے پر ابوسفیان کھڑا تھا اسی کے پاس سے دستہ گزرا۔ حضرت سعدؓ نے اُسے دیکھا تو یوں ہی پکارے۔

آج لڑائی کا دن ہے۔ آج تمہیں امن نہیں ملیگا

رحمۃ للعالمینؐ نے یہ آواز سُنی۔ سعدؓ کی یہ تعلّی حضورؐ کو پسند نہ آئی۔ فرمایا۔

علَم سعدؓ سے لے کر ان کے بیٹے قیسؓ کو دے دو۔ سعدؓ سے یہ شرف چھین کر اُن کے بیٹے کو دیا گیا کہ سعدؓ کو بھی رنج نہ پہنچے اور رحمت کا اقتضا بھی پورا ہو جائے

ساری فوج کے سپہ سالار تو خود حضورؐ تھے۔ مگر فوج کی ترتیب حضرت خالدؓ کے سپرد تھی یا دوسرے لفظوں میں حضرت خالدؓ حضورؐ کے چیف آف دی اسٹاف تھے۔ حضورؐ خود تو خانہ کعبہ کی طرف بڑھ گئے! اور حضرت خالدؓ کو حکم دیا۔

"فوج کو بالائی حصہ کی طرف سے اندر لاؤ"

بالائی حصہ میں وہ لوگ آباد تھے جنھوں نے خزاعہ کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ ان لوگوں نے اسلامی فوج کو بڑھتے دیکھ کر اس پر تیروں کی بارش کر دی۔ خالدؓ لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ حضورؐ کا منشا سمجھتے تھے۔ مگر اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے اور مجبوراً تیر برسانے والوں پر حملہ کر دیا۔ چند آدمی مارے گئے لیکن حضورؐ کو جوں ہی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ نے فوج کو روک دیا اور خالدؓ سے جواب طلب فرمایا۔ حضرت خالدؓ نے وجہ بیان کر دی۔ تو حضورؐ مطمئن ہو گئے لیکن حضورؐ کا جی چاہا۔ اے کاش یہ چیز بھی پیدا نہ ہوئی ہوتی۔ ہوتے ہوتے حضورؐ خانہ کعبہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ طواف کے بعد اللہ کے اس پاک گھر کو جو صدیوں سے بتوں کی ناپاکی سے ملوث کر دیا گیا تھا، بتوں سے پاک کیا۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ حضورؐ اس چھڑی سے بتوں کو گراتے جاتے اور فرماتے جاتے۔

جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل
کان زھوقا

ؐ صحیح بخاری۔ ؑ تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری، صحیح مسلم (باب فتح مکہ)

"حق آیا اور باطل گیا۔ باطل اسی لائق تھا۔"

بت توڑنے کے بعد حضورؐ نے خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک تقریر فرمائی۔ اس تقریر کے چند الفاظ یہ تھے :۔

اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا وعدہ سچا نکلا۔ اس نے اپنے بندے کی امداد فرمائی اور سارے گروہ شکست کھا گئے۔

مسلمان پر مکّہ میں خونریزی جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے درختوں کو کاٹنا روا ہے۔

خبردار! جاہلیت کی تمام رسمیں اور عادتیں میرے قدموں تلے ہیں۔ جاہلیت کے تمام خون بہا معاف کر دیئے گئے۔ میں نے اپنی طرف سے اپنے خاندان کا خون بہا معاف کیا۔

البتہ زمزم اور تولیتِ کعبہ کی رسم باقی رہے گی خبردار! اللہ نے تم کو جاہلیت کے غرور اور تکبر اور نسب پر فخر کرنے سے روکا ہے۔ یاد رکھو۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہے۔

حضورؐ جس وقت خطبہ فرما رہے تھے۔ تمام قریش مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے۔ حضورؐ نے ان سب کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا۔

کیا تم جانتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟

قریش کیا جانتے تھے۔ انہیں تو صرف یہی معلوم تھا کہ انھوں نے حضورؐ کی پیٹھ پر اوجھڑیاں رکھیں۔ انھوں نے رات کے وقت حضورؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے کہ حضورؐ کے پاؤں زخمی ہوں۔ انہیں تو صرف یہی معلوم تھا کہ انھوں نے حضورؐ کو دیوانہ، مجنوں اور جادوگر کے خطاب دیئے تھے۔ انہیں یاد تھا۔ کہ خانہ کعبہ میں جب حضورؐ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انھوں نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچا تھا۔ کہ آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ انھوں نے حضورؐ کے قتل کی سازش کی تھی اور اس سازش میں وہ سب شریک تھے۔ انہیں معلوم تھا۔ کہ انھوں نے اس فاتح کے مظلوم ساتھیوں پر کس قدر سختی کی تھی۔ اس کے کتنے ساتھیوں کو سولی دی، پتھر مارے۔ عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے چبھوئے۔ اپنے مظالم کی ساری تصویریں ان کے سامنے تھیں۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے ڈرتے ڈرتے اس چودھویں رات کے چاند پر جو نظر کی تو وہاں انہیں عجیب سکون اور اطمینان نظر آیا۔ وہ سب بول اٹھے

ہمیں آپ سے وہی توقع ہے جو مہربان بھائی
اور مہربان بھائی کے بیٹے سے کی جا سکتی ہے۔

قریش کے یہ الفاظ کہ رہے تھے۔ کہ وہ سزا تو سہنے کو تیار ہیں لیکن سخت سزا انہیں نہ دی جائے۔ گو وہ اس کے مستحق ضرور ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی یہ گمان نہ تھا کہ رحمۃ للعالمینؐ کی طرف سے آواز آئے گی۔

تم سب کو معاف کر دیا گیا۔ تم پر آج کوئی سختی
نہ کی جائے گی۔

قریش کی آنکھیں فرطِ حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہم معاف کر دیئے گئے

ہم سے یہ تک نہیں پوچھا گیا۔ کہ تم نے فلاں موقع پر کیا حرکت کی۔ تم نے اس وقت جبکہ میں اور میرے ساتھی بے کس تھے ہم پر بے جا سختیاں کیوں کیں۔ سزا نہ دی جاتی تو شکائت میں تو کوئی ہرج نہ تھا لیکن قریش کیا جانتے کہ محمدؐ کے دل میں کتنا رحم اور کتنا پیار تھا ان کے لئے جنھوں نے حضورؐ کی جان لینے کی انتہائی کوشش کی۔ حضورؐ انتقام لینے کے لئے نہیں بخشنے کے لئے آئے تھے۔ حضورؐ ان کے خون سے ہاتھ رنگنے کے لئے نہیں ان کے دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کرنے تشریف لائے تھے اور ایمان کی یہ حرارت اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی۔

نباضِ عالمؐ نے قریش کی روحوں کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اور یہ سب روحیں حضورؐ کے قدموں میں لوٹنے کے لئے بے قرار ہو گئیں۔

وہ کام جو تلوار نہ کر سکتی تھی شفقت نے انجام دے لیا۔ دلوں کی وہ دنیا جسے صرف اخلاق ہی کے زور سے جیتا جا سکتا تھا حضورؐ نے جیت لی اور قریش گروہ در گروہ اور قافلہ در قافلہ ایمان لانے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے گئے۔ ان حاضر ہونے والوں میں چند انتہائی مجرم بھی تھے۔ جنہیں حاضری کے وقت یہ قطعی خیال تھا۔ کہ دوسرے گو معاف کر دیئے گئے مگر ہمارے جرم قابلِ معافی نہیں۔ ان میں ہندہ بھی تھی جس نے رسول اللہؐ کے عزیز چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اور اس کے منہ سے اب تک اس کی بو آ رہی تھی۔ مگر رحمتِ عالمؐ نے ہندہ کی نہ صرف خطا معاف کر دی بلکہ اس سے انتہائی مہربانی سے پیش آئے۔ ان میں وحشی بھی تھا جس نے حضرت حمزہؓ پر زہر میں بجھا ہوا خنجر پھینکا! اور اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ مگر یہ مجرم بھی معاف کر دیا گیا یہی کس کو عزیز نہیں ہوتی۔ پھر حضورؐ کو تو اپنی

صاحبزادیاں حد سے زیادہ عزیز تھیں، ان مجرمین میں ایک وہ شخص بھی تھا جس کے ہاتھوں حضورؐ کی ایک صاحبزادی سخت مجروح ہوئیں اور ان ہی زخموں سے شہادت پائی مگر بیٹی کی یہ فطری محبت بھی رحمتِ عالمؐ کے دل میں قاتل کے متعلق کوئی انتقامی جذبہ نہ پیدا کر سکی۔ اور یہ قاتل بھی دوسروں کی طرح معاف کر دیا گیا۔

دنیائے تاریخ کا یہ باب حیرت انگیز بھی ہے اور بالکل انوکھا بھی۔ وہ جو ہم پر پتھر برسائیں ہم ان پر پھول نہیں برسا سکتے۔ وہ جو ہمیں کانٹے چبھوئیں ہم ان کے ہاتھ نہیں چوم سکتے۔ یہ انسانی فطرت سے دور کی باتیں ہیں لیکن یہاں تو عجیب تماشہ نظر آتا ہے عقل کام نہیں کرتی۔ پتھر برسانے والوں پر پھول برسائے جائیں۔ کانٹے چبھونے والوں کے ہاتھ چومے جائیں۔ یہ تو ایک نرالی اور انوکھی ریت ہے اور یہ ریت محمدؐ کے سوا دنیا کے کسی فاتح، کسی پیغمبر، کسی مصلح اور کسی انسان نے نہیں ڈالی۔

فتح مکہ کے بعد مکہ کے جن لوگوں نے خوشی سے اسلام قبول کیا اچھا کیا۔ خدا کے ہاں اجر کے مستحق ہوئے لیکن جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہے ان کو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ کسی پر کوئی جبر نہیں کیا گیا۔[۱]

۱۔ سر ولیم میور۔ لائف آف محمدؐ (فتح مکہ)

پچیسواں باب

ہم پیچھے لکھ چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قبائلِ عرب میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا۔ عرب کے بعض بڑے بڑے قبائل جن میں بنو ہوازن اور بنو ثقیف زیادہ ممتاز ہیں اسلام کی اس ہردلعزیزی سے گھبرا اٹھے، ادھر حضورؐ مدینہ سے مکّہ کو روانہ ہوئے ادھر بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے بڑے بڑے رؤسا نے قبائلِ نصر، جثم، اور سعد کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اکسانے کی مہم شروع کر دی۔ اور ان قبائل میں اسلام کے خلاف ایک عام نفرت پھیلا دی۔

حضورؐ نے مکّہ فتح کیا۔ قریش دب گئے۔ یہ خبر اڑتی ہوئی بنو ہوازن، بنو ثقیف، اور ان کے حلیف قبائل کے کانوں تک پہنچی! اور انہیں دفعتاً محسوس ہوا۔ کہ اگر اس وقت اسلام کا استیصال نہ کیا گیا۔ تو ان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا ہر طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں، اوطاس، کو مرکزی چھاؤنی کی حیثیت دی گئی! اور اِدھر اُدھر کے تمام قبائل یہاں جمع ہونے شروع ہوئے حضورؐ کو بھی اس فوجی اجتماع کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے ایک جاسوس صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ جاسوس لوٹا تو اس نے اس خبر کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ یہ بھی بتایا۔ کہ گر فوراً پیش قدمی نہ کی گئی تو تمام قبائل یکجا ہو جائیں گے اور پھر ان سے لڑنا مشکل ہو گا۔

حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے دس ہزار صحابہؓ آئے تھے۔ مکّہ کے دو ہزار قریش

بھی، جن میں کچھ اسلام لے آئے تھے، اور کچھ اپنے مذہب پر قائم تھے حضورؐ کے ساتھ مل گئے۔ اور یہ ۱۲ ہزار کا قافلہ، بنو ہوازن، بنو ثقیف اور دوسرے سرکش قبائل سے نپٹنے کے لئے۔ وادیٔ حنین پہنچا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں مسلمانوں کا خیال تھا۔ کہ آج ان کی فتح یقینی ہے۔ بظاہر یہ سچ بات بھی تھی۔ مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر اس وقت تک کسی میدانِ جنگ میں معرکہ آرا نہیں ہوا تھا۔ عموماً اس قسم کے خیالات بے پروائی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس جنگ میں بھی یہی ہوا مسلمان زیادہ توجہ اور انہماک سے نہیں لڑے۔ ادھر ایک اور مصیبت یہ تھی کہ قریش جن میں کچھ نئے نئے مسلمان تھے اور کچھ ابھی اسلام نہیں لائے تھے سب سے آگے تھے۔ دشمن نے ان پر زیادہ توجہ کی اور حملہ کا سارا زور ان پر ڈال دیا۔ انھوں نے ایمان والیقان کی منزل میں ابھی ابھی قدم رکھا تھا۔ اس امتحان میں وہ ثابت قدم نہ نکلے۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگلی صفیں اگر بھاگ نکلیں تو ان کی زد پچھلی صفوں پر پڑتی ہے اور فوج کی ترتیب بگڑ جاتی ہے لڑائی میں فوج کی ترتیب بہت ضروری ہوتی ہے۔ جہاں ترتیب بگڑی وہاں مضبوط سے مضبوط دل دہل جاتا ہے۔ قریش کے فرار نے ساری فوج میں انتشار پیدا کر دیا۔ دشمن کا دباؤ بہت بڑھ گیا۔ اور اکثر مسلمان اپنی اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گئے۔

قرآنِ حکیم نے اس انتشار کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

حنین کے دن، جب تم اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں

سرشار تھے۔ تمہیں تمہاری اکثریت نے کوئی فائدہ
نہ پہنچایا۔ اور زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود
تم پر تنگ ہو گئی۔

یہ مسلمانوں کی تاریخ میں دوسرا واقعہ تھا ان کی صفیں بگڑ گئی تھیں۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔ مگر یہاں ایک ذاتِ قدسی بھی تھی۔ جو ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ کفار کا سیلاب اسے ایک انچ بھی نہ ہلا سکا۔ کفر کی موجیں اٹھ اٹھ کر آئیں مگر نبوت کی چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر لوٹ گئیں۔ حضورؐ کے ساتھ چند مقدس صحابہؓ بھی تھے۔ ان میں صدیقؓ۔ فاروقؓ۔ حیدرؓ عباسؓ اور فضل بن عباسؓ زیادہ ممتاز تھے۔ حضرت عباسؓ حضورؐ کے گھوڑے کی لگام تھامے تھے۔ اور باقی صحابہؓ آپ کے گرد احاطہ کئے آپ پر ہونے والے وار روک رہے تھے۔ حضورؐ ایک بہادر اور ذمہ دار سپہ سالار کی طرح یہ ساری کیفیت دیکھ رہے تھے اور انتہائی صبر و سکون کے ساتھ بار بار فرما رہے تھے

انا النبی لاکذب، انا ابن عبد المطلب

میں بلاشبہ عبدالمطلب کا بیٹا اور نبی ہوں

یہ رجز، سکون کی ایک بہتی ہوئی لہر تھی۔ جو انتشار اور پریشانی کے گرد و غبار کو دھو رہی تھی۔ صحابہؓ کی حالت کسی قدر سنبھلی تو حضورؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا، صحابہ کو ادھر بلاؤ۔ حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے صحابہؓ کو آواز دی۔ ایک ایک قبیلے اور جماعت کا نام لیا۔ یہ آواز مقناطیس کی طرح صحابہؓ کو اپنی طرف کھینچنے لگی۔ صفیں خود بخود درست ہوتی چلی گئیں۔ مسلمان جہاں کہیں تھے جم کر لڑنے لگے، انتشار ختم ہو گیا تو حضورؐ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ سو صحابہ کی جماعت بھی ساتھ ہی آگے بڑھی۔ دشمن محمدؐ سید کرن دکان کے سامنے رک

نہ سکا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔

بھاگنے والے اپنے پیچھے چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ، پچاس ہزار کے قریب بھیڑ بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی اور بہت سے خیمے اور اسلحہ جنگ چھوڑ گئے۔

بھاگنے والوں کا اوطاس تک تعاقب کیا گیا۔ یہاں پھر ایک معمولی سی جھڑپ ہوئی۔ دشمن یہاں سے بھی بھاگا۔ اور طائف میں محصور ہوگیا۔

طائف کے چاروں طرف مضبوط اور ناقابل تسخیر فصیل بنی تھی اس پر جابجا پتھر اور آگ برسانے والے آلات جنگ نصب تھے۔ محصورین کے پاس ایک سال کی رسد بھی تھی۔ انھوں نے اطمینان سے شہر کے دروازے بند کر لئے۔ حضورؐ صحابہؓ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے۔ پندرہ دن تک محاصرہ جاری رکھا حضورؐ کے پیش نظر شہر کا فتح کرنا نہ تھا۔ حضورؐ کی اس چڑھائی کا مقصد یہ تھا۔ کہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف کو مدینہ پر حملہ کرنے سے روکا جائے اور ہو سکے تو اس کے امکانات ختم کر دیئے جائیں۔ یہ امکانات ختم ہو گئے تھے۔ اس محاصرہ کے دوران میں طائف کے محصورین کے سوا، آس پاس کے بہت سے قبائل حضورؐ قدسی میں حاضر ہو ہو کر ایمان کی دولت سمیٹ رہے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے۔ جو مدینہ پر چڑھ کر جاتے۔ جب ان میں سے اکثر اسلام لے آئے۔ اور جو نہ لائے وہ میدان سے بھاگ نکلے۔ انہیں مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوگیا۔ تو محاصرہ کا جاری رکھنا ضروری نہ سمجھا گیا۔ حضورؐ کے پیش نظر ملک گیری نہ تھی۔ حضورؐ اپنی قلمرو کو وسیع کرنے کے آرزومند نہ تھے۔ حضورؐ تو امن و سلامتی کا پیغام لیکر آئے تھے۔ آپ کے سامنے تو ایک مقصد تھا، کہ دنیا میں امن پھیلے، اور خدا کے پجاری آزادی سے اس کی عبادت کر سکیں انہیں کوئی روکے نہیں۔ طائف والوں میں اگر روکنے کی ہمت ہوتی۔ تو وہ محصور کیوں ہوتے۔ میدان جنگ میں نکل کر مقابلہ

کرتے، حضورؐ کو یقین ہو گیا۔ تو محاصرہ اٹھا لیا اور صحابہؓ کو ساتھ لے کر جعرانہ کی طرف لوٹے۔

عیسائی کہتے ہیں، اور صدیوں سے کہتے چلے آئے ہیں۔ کہ حضورؐ کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اور دوسرے میں تلوار۔ جو قرآن کے ماننے سے انکار کرتا۔ اس پر تلوار اٹھتی۔ اس دعوے کا ثبوت کیا ہے؟ بڑے سے بڑا متعصب عیسائی بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتا۔ عیسائیوں یا دوسرے مذاہب والوں کے پاس اگر آنکھیں ہوں تو وہ دیکھیں کہ حضورؐ نے جنگِ حنین سے ایک مہینہ پہلے فتح مکہ کے وقت اپنے ان دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو حضورؐ کی جائے پناہ پر کئی سو میل کی مسافت طے کر کے چڑھ کر گئے۔ اور حضورؐ کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر حضورؐ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ فتح مکہ کا یہ صفحہ شاید یہ کہہ کر الٹ دیا جائے۔ کہ مکے کے لوگ محمدؐ کے رشتہ دار تھے لیکن بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے ان چھ ہزار قیدیوں سے جو حنین کے معرکہ میں حضورؐ اور صحابہؓ کے ہاتھ آئے تھے حضورؐ کو کیا تعلق تھا؟ غیر قوم اور غیر مذہب کے ان قیدیوں کے ساتھ حضورؐ نے جو روا داری برتی ذرا یہ ورق بھی دیکھ لیجئے۔ اور اگر ہمت ہو تو اسے بھی الٹنے کی کوشش کیجئے۔

حضورؐ جعرانہ پہنچے ہی تھے۔ کہ بنو ہوازن کا ایک وفد حاضرِ خدمت ہوا اور چھ ہزار قیدیوں کی رہائی کی درخواست پیش کی۔ یہ چھ ہزار قیدی کون تھے۔ وہ جو اسلام کو کچلنے کے لئے حنین کے میدان میں اترے۔ اور وہ جو مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ قیدی بت پرست تھے۔ حضورؐ کے خدا کی نہیں، اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت کرنے والے تھے۔ وہ جنہیں چھوڑنے کے معنی یہ تھے کہ اسلام کے مقابلہ میں چھ ہزار تلواریں نیام

کر دی جائیں لیکن رحمت عالمؐ کی شان دیکھو کہ بنو ہوازن اور اس کے وفد کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ یہ نہیں کہا کہ تم تو وہی لوگ ہو جنہوں نے ابھی چند دن ہوئے ہم پر کئی ہزار خون آشام تلواریں اٹھائی تھیں۔ اب تم کس منہ سے یہ درخواست کرنے آئے ہو۔ رحمت عالمؐ نے سوال کو دیکھا سوالی کی حیثیت جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی اور فرمایا۔ جہاں تک میری ذات اور میرے قبیلہ کا تعلق ہے میں اپنے اور اپنے قبیلے کے قیدی چھوڑتا ہوں، مگر جو قیدی باقی مسلمانوں کے پاس ہیں ان پر میرا کوئی حق نہیں لیکن اچھا کل نماز ظہر کے وقت، جب سب مسلمان جمع ہوں۔ تو تم یہی درخواست پیش کرنا۔

سوالی کو سوال کے موثر بنانے کا انداز بھی سکھلا دیا! سے بتا دیا کہ تم نے اگر اس طرح بھیک مانگی تو تمہاری جھولی بھر جائے گی۔ نماز ظہر کے بعد بنو ہوازن کا وفد پھر باریاب ہوا۔ اور قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ ذرا اس نبیؐ کی سیاست دیکھو جسے متعصب دنیا تلوار کے ذریعہ مذہب پھیلانے والا کہتی ہے۔ حضورؐ اٹھے اور فرمایا۔

بنو ہوازن! میں نے تمہیں اپنے اور اپنے
عزیزوں کے حصے کے قیدی دیئے۔

حضورؐ اپنے اور اپنے خاندان کے حصے کے قیدی آزاد کر دیں تو کس غلام کی مجال تھی کہ وہ اپنے اپنے حصے کے قیدی رکھتا۔ سب نے بیک آواز کہا۔

"اور ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ بھی تو حضورؐ
کا ہے۔"

سب قیدی آزاد کر دیئے گئے۔ خدا پرست محمدؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے چھ ہزار بت پرست رہا کر دیئے۔ گویا ان کو آزادی دے دی کہ جاؤ،

تلواریں ہاتھ میں لے کر ہمارے مقابلے کو نکلو۔

یہ تاریخ ہے، اسے تم جھٹلا نہیں سکتے۔ دنیا کا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ نہیں ہوا۔

جعرانہ پر مال غنیمت تقسیم ہوا۔ ہر سپاہی کو اس کا واجب حصہ دے دیا گیا۔ باقی جو بچا۔ اور سچ پوچھو تو بہت کچھ بچا، یہ سب اونٹ اور بکریاں، اور یہ چاندی اور ہتھیار کن لوگوں کو دیئے گئے۔ جو قریش میں سے ابھی ابھی ایمان لائے تھے! ورا سلام کی خاطر پہلی دفعہ کفر سے جنگ کی تھی، گو اس جنگ میں انھوں نے انتشار ہی پھیلایا لیکن، نبیؐ کی نگاہیں تو مستقبل پر ہوتی ہیں۔ اس کے سینہ میں غیب کے اسرار ہوتے ہیں۔ وہ توانائی نبضوں کو ٹٹولنا جانتا ہے۔ اسے تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں کے ساتھ یہ سلوک ہوا تو وہ راہِ راست پر آجائے گا! یہ وہی نبیؐ تھے، جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا تھا۔ کیوں۔ اس لئے کہ ابوسفیان جاہ پسند آدمی تھا۔ حضورؐ یہ جانتے تھے کہ اسے ذرا سا امتیاز دیا گیا تو اس کے دل میں ایمان کے لئے جگہ پیدا ہو جائے گی۔ فتح مکہ کے بعد یہ پہلی جنگ تھی اس میں جو مال غنیمت ملا۔ اسے نئے ایمانداروں میں تقسیم کرنا ضروری سمجھا گیا۔ کہ انہیں جو کل تک دنیا کے بھوکے تھے۔ عملاً یہ بتا دیا جائے کہ اسلام دنیا بھی دیتا ہے اور دین بھی۔

بعض نوجوان انصار کو حضورؐ کے اس طرزِ عمل پر حیرت ہوئی اور سچ پوچھیئے تو نبوت کے اسرار کو ان کے دماغ سمجھ بھی تو نہ سکتے تھے۔ دلوں کے یہ خیالات زبانوں تک آگئے۔

حضورؐ تک بھی یہ شکایت پہنچ گئی۔ یہ شکایت معمولی تھی۔ انصار کی آنکھیں

نبوت کے اسرار کو پڑھ نہیں سکی تھیں لیکن نبیؐ کی ذات اس شکایت کو بڑھنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ حضورؐ نے تمام انصار کو ایک جا بلایا۔ اور پوچھا۔

کیا تمہیں میرے طرزِ عمل سے شکایت پہنچی ہے؟

بزرگ انصار بھی مجمع میں موجود تھے۔ ان سب نے انصار کی طرف سے ترجمانی کی

حضورؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غلام آپ کے
رویہ کے متعلق شاکی ہوں۔

حضورؐ نے ایک ماہر نباض کی طرح انصار کی روحوں کی نبض پر ہاتھ رکھا اور جلالت نبوت میں فرمایا۔

انصار! تم جانتے ہو، کہ تم گم راہ تھے! اللہ نے
میری وجہ سے تمہیں ایمان کی دولت بخشی؟

انصارؓ بولے: "حضورؐ سچ فرماتے ہیں۔ اللہ اور اس کے محبوبؐ کے ہم پر بہت احسان ہیں۔"

حضورؐ نے پھر فرمایا۔

انصار! تم جانتے ہو، تم لوگ نادار تھے۔ میری وجہ
سے اللہ نے تمہیں دولت بخشی۔

انصارؓ بولے۔ "حضورؐ سچ فرماتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہم پر بہت احسان ہیں۔"

یہ ایمان کا امتحان لیا جا رہا تھا۔ یہ مریض کے مرض کی تشخیص ہو رہی تھی لیکن یہاں مریض کون تھا کسی کو بھی کوئی مرض نہ تھا سب کے سینے ایمان کے فیض سے تندرست تھے! امتحان ہو چکا۔ جلالِ نبوت کا مظاہرہ کیا جا چکا تو محبوبِ عالمؐ

سلنے اپنے جمال کا پرتو ڈالا۔

میرے رفقا نہیں! تم مجھ سے کہہ سکتے تھے
کہ ہم نے تمہاری اس وقت تصدیق کی جب
ساری دنیا تمہیں جھوٹا کہہ رہی تھی۔ تم یہ کہتے،
میں کہتا، میرے دوستو تم سچ کہتے ہو۔
تم کہتے، تم غریب تھے، محتاج تھے، ہم نے
تمہاری مدد کی، میں کہتا، میرے دوستو تم
سچ کہتے ہو۔
میرے دوستو! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے، کہ
کچھ لوگ اپنے ساتھ اونٹ اور بکریاں لے کر
جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

اور آہ محمدؐ کو اپنے ساتھ کون لے جانا پسند نہ کرتا۔ دنیا کے اس سب سے بڑے اور پاک سرمایہ سے کون جھولی بھرنا نہ چاہتا تھا۔ کون ایسا بدبخت تھا جو سارے جہان کے آقا اور مولا پر چند حقیر اونٹوں اور بکریوں کو ترجیح دیتا۔ انصارؓ حضورؐ کی قدر و قیمت سے آگاہ تھے انھوں نے ماہر جوہری کی طرح اس بیش بہا موتی کو خوب دیکھا بھالا تھا۔ وہ اس انمول ہیرے کو خوب پہچان گئے تھے۔ وہ اسے چھوڑ دیتے، یہ کیسے ممکن تھا۔ نباضِ فطرت نے دلوں کے ساز پر مضراب رکھا تھا۔ ساز ہل گئے تھے انصارؓ کی آنکھیں چشمۂ ول کی طرح بہہ رہی تھیں۔

حضورؐ کی آواز پھر بلند ہوتی سنائی دی۔
اگر ہجرت میری تقدیر میں نہ لکھی ہوتی تو میرے

دوستو تم جانتے ہو میں کیا کرتا۔ میں بھی انصار
کہلاتا۔ میں بھی تم میں شامل ہو جاتا۔
دوستو! اگر تم ایک رستہ پر چلو اور ساری دنیا
دوسرے رستہ پر، میں تمہارے رستہ پر جانا ہی
پسند کروں گا۔
پھر حضورؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے! اور فرمایا۔
اے اللہ، ان انصار پر، ان کے بچوں پر اور
ان کے بچوں کے بچوں پر رحم فرما۔ ان کا ہو جا
اے میرے رب۔
حضورؐ یہ الفاظ فرما رہے تھے۔ مگر انصار کی آنکھیں بہ رہی تھیں محبت کے
سوتے کھل گئے تھے انہیں کون بند کرتا؟
حضورؐ کے آخری الفاظ یہ تھے:۔
دوستو! تم جانتے ہو یہ قریش ابھی ابھی اسلام
لائے ہیں۔ نبی کی حیثیت میں مجھ پر حق تھا۔ کہ ان
کے دلوں کو مٹھی میں لینے کے لئے ان پر مال و
دولت کی بارش کرتا۔
مگر تم تو ایمان کی حلاوت سے واقف ہو تمہیں
مال و دولت کی ضرورت نہ تھی۔
یہ جنگ حنین کے ڈرامے کا آخری سین تھا۔ حضورؐ مہاجر اور انصار کو
ساتھ لے کر اور مکہ کے ضروری انتظامات کر کے مدینہ کو روانہ ہوئے! اور اس
انداز سے روانہ ہوئے جس انداز سے چودھویں رات کا چاند آسمان کی سطح پر

تیرتا۔ اور سارے عالم کو روشن کرتا جاتا ہے۔

طائف کے سرداروں میں ایک صاحب عروہ بن مسعود بھی تھے۔ جن دنوں حضورؐ نے طائف کا محاصرہ کیا تھا۔ عروہ طائف میں نہ تھے۔ حضورؐ طائف سے لوٹے۔ تو عروہ طائف پہنچے۔ نہ جانے کیا بات ہوئی کہ عروہ کو حضورؐ کے محاصرہ کی خبر جیسے ہی سُنائی گئی ویسے ہی ان کے دل میں حضورؐ سے ملنے کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ وہ بھاگے بھاگے حضورؐ کے پیچھے آئے۔ حضورؐ ابھی مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے۔ کہ وہ حضورؐ سے جا ملے۔ اور حضورِ نبویؐ میں حاضر ہو کر غلامی کی سعادت پائی۔ عروہ۔ کے دل کے گوشے گوشے میں ایمان گھر کر چکا تھا۔ انھوں نے دونوں ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

حضورؐ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں واپس جاکر اپنی قوم کو ایمان لانے کی دعوت دوں۔

حضورؐ نے شوق کا یہ عالم دیکھا مسکرائے، فرمایا۔

مجھے تمہاری خواہش کا احترام ہے۔ مگر تمہاری قوم بہت مغرور ہے اسے گمان ہو گا، کہ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ بھی کیا، مگر ناکام رہے۔ میرا گمان ہے، کہ اگر تم نے اس عالم میں انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دی تو وہ تم سے بگڑ جائیں گے۔ اور ممکن ہے تمہیں قتل کر دیں۔

عروہ ایمان لا چکے تھے۔ اور ایمان کی حلاوت سے اتنے سرشار تھے کہ انہیں اپنے انجام کی فکر نہ تھی اس لئے درخواست کی۔

لیکن حضورؐ! میری قوم تو مجھ سے بہت محبت کرتی

ہے۔ اور اس کے دل میں میرا بہت احترام ہے مجھے
یقین ہے۔ کہ اگر میں نے اسے اسلام کی دعوت دی
تو وہ اُسے رد نہیں کرے گی۔

حضورؐ نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی۔ وہ طائف آئے اسلام کے اعلان کرنے کی دیر تھی۔ کہ طائف والوں نے ہر طرف سے ان پر تیروں کی بارش کردی۔ عروہ بُری طرح زخمی ہوئے۔ اور تھوڑی دیر بعد شہادت پا گئے۔ عروہ کے عزیزوں نے جب وہ دم توڑ رہے تھے پوچھا کہ کیا ہم تمہارے خون کا بدلہ لیں۔ عروہؓ عاشقِ صادق کی زبان میں بولے۔

نہیں! میں تو خدا کی راہ میں شہادت پا رہا ہوں
البتہ میری ایک تمنا ہے کہ مجھے ان صحابہؓ کے ساتھ
دفن کیا جائے جو محاصرۂ طائف کے وقت شہید
ہوئے اور طائف کی زمین میں دفن کئے گئے۔

عروہؓ کا ایمان دیکھو اور اس ایمان کا اعجاز دیکھو۔ عروہؓ کو ایمان لائے ابھی کتنے دن ہوئے تھے، مگر چونکہ قلب سلیم تھا اس لئے ایمان کے نور نے ان کی ساری دنیا بدل دی۔ آہ یہی دولت آج ہم سے چھن گئی۔ ہم صرف لیبل لگائے لگائے پھرتے ہیں مگر ہمارے دل مسلمان نہیں ؛

ذرّہ ذرّہ چمک اٹھا

چھبیسواں باب

آپ کو یاد ہوگا، جنگِ بدر کے وقت صحابہؓ کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی لیکن فتح مکّہ کے وقت جب حضورؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار صحابہؓ تھے اور بعض مسلمان ایسے بھی تھے۔ جو ملک کے متعدد گوشوں میں پھیلے تھے۔ ان دس ہزار صحابہؓ میں جو حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکّہ کو چلے تقریباً عرب کے ہر گوشہ کے افراد تھے، اور یہ وہ لوگ تھے۔ جو ترکِ وطن کے بعد مدینہ آباد ہو گئے تھے۔ گویا ۸ھ تک تقریباً گیارہ ہزار نفوسِ قدسی نے اسلام کی دولت پائی۔ فتح مکّہ کے دن دو ہزار نئے اشخاص اسلام میں داخل ہوئے، یہ لوگ تلوار یا قوت سے دب کر اسلام نہیں لائے تھے۔ انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کا سبب حضورؐ کا خلقِ عظیم تھا قریش اگر ایسے امن پسند اور رحیم و کریم نبیؐ پر ایمان نہ لاتے۔ تو یہ ان کی کتنی بڑی ناعاقبت اندیشی ہوتی۔ بہتے ہوئے میٹھے اور ٹھنڈے چشمے سے کون بدنصیب پیاسا اپنی پیاس نہیں بجھاتا۔ قریش نے بھی ایمان کے اس چشمے سے جو حضورؐ سیدِ کون و مکان کے قدموں میں بہہ رہا تھا

اپنی رُوح کی تشنگی بجھائی۔

عرب جاہل اور ضدی تھے، قریش کو فتح مکہ سے پہلے ضد تھی۔ کہ ایک وہ شخص جوان کے بتوں کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ غالب قوت کی صورت کیوں اختیار کرلے فتح مکہ نے یہ ضد توڑ دی۔ غرور کا یہ قلعہ ہوا ہو کر اُڑ گیا۔ دلوں سے جہالت کا یہ غبار دُور ہوا۔ تو ان کی آنکھیں کھلیں۔

قریش کی طرح دوسرے عربوں کو بھی جہالت اور ضد نے اسلام سے دُور رکھا انہیں یہ ضد تھی کہ وہ نبیؐ جس پر اس کی قوم ایمان نہیں لائی۔ دوسروں کا مرشد کیسے بن سکتا ہے۔ فتح مکہ نے ان کی ضد بھی توڑ دی۔ قریش ایمان لائے تو عرب عوام اور اسلام کے مابین جو خلیج حائل تھی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے دُور ہو گئی فتح مکہ سے گویا دفعتاً وہ پردہ اٹھ گیا۔ جو عربوں نے خود بخود اپنے دلوں پر ڈال رکھا تھا۔

عرب کے گوشے گوشے اور کونے کونے سے عربوں کے قافلے آنے شروع ہو گئے بعض قبائل نے خود بخود وفود بھیجے اور بعض نے حضورؐ کے مبلّغین کی تبلیغ سے متأثر ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت پائی یمن، عمان، نجران، بحرین اور عرب شام میں بسنے والے مختلف قبائل کے ہاں حضورؐ کے مبلغین پہنچے، اور اکثر جگہ انہیں کامیابی ہوئی۔

جن قبائل سے وفود دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے ان میں حسب ذیل زیادہ اہم تھے :-

۱ بنو تمیم۔ قبیلہ طے۔ بنو حرث بن کعب۔ وفد طائف یا بنو ثقیف۔ وفد نجران۔ بنو اسد۔

۱ فتح الباری، طبری، ابن خلدون جلد سوم نیز باب وفود ابن اسحاق بروایت ابن خلدون۔

بنو فزارہ۔ بنو عامر بن صعصعہ۔ عبد القیس، کندہ۔

حمیر۔ بہرا۔ بنو البکا۔

عربوں کے عادات اور مزاج کی کیفیت ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ ان کے پاس فخر کی صرف چند چیزیں تھیں۔ حماسہ، شاعری، نسب اور خطابت، جتنے وفود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے ان میں زیادہ تعداد ان ہی کی تھی۔ جو اپنے دامن میں یہی بت چھپا کر آئے لیکن جب لوٹے تو یہ تمام بت گر کر ٹوٹ چکے تھے۔

بنو تمیم کا جو وفد بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ وہ عربوں کے پورے فخر اور غرور کو اپنے ساتھ لے کر آیا۔ اس نے حضورؐ اور صحابہؓ کو اپنی خطابت، شاعری اور نسبی شرافت سے مرعوب کرنے کی پوری کوشش کی مگر جب وہ اس کوشش میں ناکام ہوا۔ تو اسلام قبول کر لیا۔

بنو سعد کی طرف سے جو سفیر آیا اس کی سادگی اور آزادروی قابلِ دید تھی۔ اس نے مسجد میں داخل ہوتے ہی حضورؐ کو بڑی بے تکلفی سے پکارا۔

"اے عبد المطلب کے بیٹے! قسم کھا کے کہو کہ تم
خدا کے رسول ہو اور تمام دنیا کے لئے مبعوث
ہوئے ہو"

حضورؐ نے جواب دیا۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں اللہ کا رسول
ہوں اور ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں"

بدوی نے یہ بات بڑے سکون کے ساتھ سُنی تھوڑی دیر رکا۔ اور پھر حضورؐ سے اسلام کے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں اور جب جانے لگا، تو بولا۔

"میں اپنی قوم کی طرف سے سفیر ہو کر آیا تھا تم نے

جو باتیں مجھ سے کہیں ہیں انہیں بلا کسی اضافہ اور کمی
کے اپنی قوم سے جا کہوں گا،" ۱

پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ حضورؐ نے جنگ حنین کے بعد طائف کا محاصرہ کیا لیکن فتح حاصل کئے بغیر مدینہ واپس آ گئے تھے۔ حضورؐ کی واپسی کے تھوڑے دن بعد جب طائف والوں کو معلوم ہوا، کہ سارا عرب اسلام لے آیا ہے۔ تو ان کا ایک وفد بھی حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا حضورؐ نے وفد کے ارکان کو مسجد میں اتارا، اور چند دن کی تبلیغ کے بعد وہ سب کے سب اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، مگر شرط پیش کی، کہ زنا کرنے، سود لینے اور شراب پینے کی اجازت دی جائے۔

حضورؐ نے یہ شرط رد کر دی تو انھوں نے کہا اچھا ہمارے معبود لات کو نہ توڑیئے حضورؐ نے فرمایا۔ وہ ضرور ٹوٹے گا اسلام بتوں کو پناہ نہیں دے سکتا، یہ لوگ بولے۔ مگر حضورؐ ہم ان بتوں کو توڑ سکیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا اس کا انتظام ہم کریں گے۔ وفد کے ارکان ڈرتے ڈرتے مان گئے جب واپس گئے تو ان کے ساتھ مغیرہؓ بن شعبہ اس بت کو توڑنے کے لئے بھیجے گئے۔ مغیرہؓ طائف پہنچے۔ تو سب سے پہلے لات کے بُت کو توڑنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ صدیوں سے لات کی پوجا کرنے والے پجاری ڈر گئے۔ کہیں لات کا غصہ انہیں بھسم نہ کر دے۔ عورتیں تو شہر سے باہر نکل گئیں۔ لات، پتھر کا ایک بے جان بُت تھا۔ عقل کے اندھوں نے اسے معبود بنا لیا تھا اس میں اپنا کچھ بھی نہ تھا مغیرہؓ نے اس بت کو ایک ہی ضرب میں توڑ ڈالا مٹی کا یہ بے جان بُت ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر آ رہا۔ نہ کوئی طوفان اٹھا، نہ آندھی آئی۔ طائف کے لوگ حیران رہ گئے کہ وہ جسے معبود سمجھتے تھے، وہ اپنے توڑنے والے سے کوئی بدلہ نہ لے سکا مغیرہؓ کے فیضِ صحبت سے بتوں کے پوجنے والے

---

۱ صحیح بخاری کتاب العلم تفصیلات کے لئے دیکھئے طبری اور کامل ابن اثیر ابن خلدون باب وفد

اللہ کے پجاری بن گئے۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ یہی بت پرست بت شکن بن گئے۔

نجران کے عیسائیوں کا جو وفد حضورؐ کی خدمت میں آیا۔ اس میں ساٹھ اشخاص تھے۔ یہ سب کے سب رؤسا، اور مذہبی پیشوا تھے۔ ان لوگوں کو مسجدِ نبویؐ میں اتارا گیا۔ یہیں انھوں نے اپنے طریقہ پر نماز پڑھی۔ حضورؐ سے دیر تک بحث کرتے رہے اور جب ہار گئے تو حضورؐ نے فرمایا، مجھ سے مباہلہ کر لو۔ مگر یہ لوگ مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ڈر گئے، اور سالانہ خراج پر صلح کر کے چلے گئے۔ ۱؎

مذاہبِ عالم کی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے۔ کہ کسی بڑے پیغمبر نے دوسرے مذہب کے پیروکاروں کو اپنی عبادت گاہ میں عبادت کرنے کی اجازت دی ہو۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضورؐ کے ظرف کی وسعت کتنی تھی اور اسلام کتنا رواداز مذہب ہے۔

اوپر جن وفود کا ذکر ہوا ان کے علاوہ اور بھی بہت سے وفود بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے جن کی تعداد بعض روایتوں کے مطابق سو سے بھی اوپر ہے ہا

۱؎ طبری۔ صحیح بخاری۔ ابن خلدون (در باب وفود)

تئیسواں باب

جب کوئی قوم اوپر اٹھتی ہے۔ عروج پکڑتی اور پھلتی پھولتی ہے تو ہمسایہ اقوام ڈر جاتی ہیں انہیں خیال ہوتا ہے کہیں یہ نوجوان قوم آگے چل کر ان کی خودمختاری کے خاتمہ کا باعث نہ بن جائے۔ یہ ایک عام بات ہے۔ اور ہر وقت اور ہر دور کے لوگوں نے اسے محسوس کیا ہے۔ شامی، رومی اور ایرانی حکومتیں بھی اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر مسلمان قوم سے یہ خطرہ محسوس کرنے لگیں۔ ایرانی اور رومی حکومتیں ذرا فاصلہ پر تھیں انھوں نے یہ خطرہ کم محسوس کیا البتہ شام کے سرحدی قبائل بہت پریشان ہو گئے انھوں نے شاہ روم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا۔ اس وفد نے بادشاہ روم کو مسلمان قوم کے عروج سے آگاہ کیا اور درخواست کی، ہماری مدد کیجئے۔

بادشاہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ وفد کو اطمینان دلایا۔ کہ ہماری فوج تمہاری مدد کو آئے گی۔

وفد خوشی خوشی واپس آیا۔ ہر طرف منادی کر دی گئی۔ ہر بستی اور ہر قریہ میں ہتھیار بجنے لگے۔ حضورؐ کو بھی اطلاع ملی اسلام اب ایک غالب قوت تھا۔ عرب کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ پر اسی کی حکومت تھی۔ حضورؐ نے یہ اطلاع پاتے ہی اپنے سفیر ہر قبیلہ اور ہر گوشے میں بھیجے۔ اور حکم دیا۔ کہ تھوڑے تھوڑے جنگجو جوان مدینہ بھیج دو۔ ابھی اس اعلان کو چند دن ہوئے تھے۔ کہ مدینہ کے باہر تیس ہزار سپاہی جمع ہو گئے۔ اللہ کی شان ہے۔ کہ محمدؐ کی آواز میں اس نے اس قدر

تاثیر کبھر دی تھی۔

حضورؐ ان تیس ہزار جانبازوں کو ساتھ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہوئے جس وقت یہ سفر شروع ہوا، بڑی سخت دھوپ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سورج سوا نیزہ پر آن رُکا ہے، مگر جانبازوں میں سے کسی نے بھی گرمی کی شکایت نہ کی کسی نے حضورؐ سے نہ کہا۔ کہ حضورؐ اس گرمی کے موسم میں محض ایک خیالی خطرے کی بنا پر کیوں اتنا لمبا سفر اختیار کیا جا رہا ہے۔ کیا ایمان تھا ان لوگوں کا، گرمی کی مصیبت سہی، مگر زبان پر حرفِ شکایت نہیں آیا۔ ایک صحابیؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے باغیچہ میں ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے تھے۔ کہ دفعتاً خیال آیا۔ اس وقت ہمارے جہان کے آقا تو سفر میں گرمی کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ تُف ہے مجھ پر کہ میں یہاں سایہ میں بیٹھوں اس خیال کے آتے ہی یہ حساس صحابیؓ سواری پر بیٹھے اور حضورؐ سے جا ملے[1]۔

تیس ہزار مسلمانوں کی یہ فوج، ذوق و شوق کی تصویر بنے آگے بڑھتی جا رہی تھی تبوک پر پہنچ کر یہ فوج رُک گئی۔ تبوک، مدینہ سے چودہ دن کی مسافت پر ہے۔ تبوک پہنچ کر حضورؐ نے کچھ صحابہ کو اس خدمت پر مامور کیا کہ دشمنوں کی نقل و حمل اور تیاریوں سے واقفیت حاصل کریں۔ صحابہؓ خبر لائے کہ دشمن اپنی سرحدوں سے بہت پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ موتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ سپاہیوں کو شکست دی تھی۔ اور اب یہ اپنی تعداد سے دس گنا زیادہ ہیں۔ شامیوں کی ساری فوجی تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اور وہ فکر میں پڑ گئے، کہ مسلمانوں سے کس طرح پیچھا چھڑائیں۔ بہت سے سرحدی قبائل، باری باری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی غزوہ تبوک، طبری، سیرت ابن ہشام، غزوہ تبوک۔

اور مسالحت کرتے گئے حضورؐ بیس دن تک یہیں قیام فرمایا ہے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کو نمائش کے لئے ادھر اُدھر بھیجا۔ کہیں کسی نے مقابلہ نہیں کیا۔ بیس دن بعد حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔

گو حضورؐ کی اس فوج کشی سے بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا لیکن حقیقت دیکھو کہ حضورؐ کی اس فوج کشی سے شامیوں کی دراز دستیوں اور حد سے تجاوز کرنے کے امکانات ختم ہو گئے۔ حضورؐ کا مقصد محض یہی تھا۔ حضورؐ تو اس خطرہ کو ہٹانا چاہتے تھے کہ شامی مدینہ پر نہ چڑھ آئیں۔ حضورؐ شام پر حملہ کرنے نہیں گئے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب کسی نے مقابلہ نہیں کیا تو حضورؐ نے بھی کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی ۔

نور کی چادر

اٹھائیسواں باب

عرب کے افق سے کفر و ظلمت کے بادل چھٹ گئے۔ فاران کی چوٹی پر سے طلوع ہونے والے چاند کی روشنی سے عرب کا ذرہ ذرہ اور کونہ کونہ روشن ہو گیا۔ رسول اللہ کا حکم اب حکمِ عام تھا۔ وہ عرب کے تاجدار تھے۔ یمن سے لیکر نجد تک ایک طرف اور شام سے لیکر بحرین، عمان اور نجران تک خدا کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ پتھر اور گوشت اور پوست کے بت توڑ دیئے گئے۔ اب بت پرستی کے اس مرکز میں کوئی بتوں کو پوجنے والا نہ تھا۔ عرب کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں خدائے حی و قیوم کی پوجا ہو رہی تھی۔ اور وہی انسانی عقیدتوں اور نیازمندیوں کا مرکز بن گیا تھا۔

حضور کی یہ کتنی بڑی کامیابی تھی۔ یہ کتنا بڑا اعجاز تھا اس مکی مہاجر کا جس نے طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے جس پر ذلیل چھوکروں نے آوازے کسے جس کی مبارک پشت پر دشمن نے غلاظت سے بھری اوجھڑیاں رکھیں۔ جس کے رستہ میں کانٹے بچھائے گئے جس کے قتل کی سازشیں ہوئیں مگر اللہ کی وہ آواز جو محمد

سیدِ کون و مکان کے حلق سے بلند ہو رہی تھی دبائی نہ جا سکی۔

ایک[1] انگریز مورخ کا قول ہے۔

"محمدؐ مکہ سے مدینہ گئے۔ تو نبی کے منصب سے ہٹ کر
بادشاہ بن گئے"

یقیناً حضورؐ بادشاہ تھے۔ ہیں اور رہیں گے لیکن حضورؐ کی بادشاہت، آپؐ کی نبوّت کی طرح دنیا سے نرالی تھی۔ حضورؐ دلوں کے بادشاہ تھے۔ حضورؐ کی حکومت جسموں سے زیادہ دلوں پر تھی۔ عام دنیا دار بادشاہوں کی طرح حضورؐ کے دروازے پر نہ دربان تھے۔ نہ پہرہ دار، نہ سپاہی تھے اور نہ فوج۔ حضورؐ کے رہنے کے لئے نہ کوئی محل تھا۔ اور نہ اس محل میں کوئی ساز و سامان۔ عرب کے اس سب سے بڑے تاجدار کی قیام گاہ کی چھت کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے بنی تھی اور یہ چھت اکثر بارش کے وقت ٹپکنے لگتی۔ اور خود حضورؐ کی ذاتی حالت یہ تھی۔ کہ آپ اکثر کھجور کی چٹائی پر آرام فرماتے۔ جو کپڑے پہنتے ان میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے۔ حضورؐ خود اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑے سیتے۔ جوتے گانٹھتے۔ محلہ بھر کا سودا اپنی پشت پر لاد کر لاتے مہینوں آپؐ کے گھر میں چولھا نہ جلتا۔

یہ تھی حضورؐ کی بادشاہت ایسی بادشاہت تو آیۂ رحمت ہوتی ہے۔ اگر ساری دنیا کے بادشاہ ایسے ہی بن جائیں جیسے رسول اللہؐ تھے۔ تو دنیا سے بھوک و ننگ اور پریشانی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ دنیا ایک ایسی جنت بن جائے جیسی جنت کا وعدہ خدا نے اپنے نیک بندوں کو دیا ہے۔ وہ آدمیت کے غمخوار تھے۔ وہ آدمیت کی سطح کو اونچا لے جانے والے بادشاہ تھے۔ لیکن دنیا آج تک ایسے بادشاہ کی نظیر پیدا نہیں کر سکی۔ اسلام رہبانیت کی تعلیم نہیں

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا حضورؐ کے حالات میں۔

دنیا لیکن اس کے ہاں اس دنیاداری کی بھی قدر نہیں جس میں نمود و نمائش کا رنگ جھلک رہا ہو۔

حضورؐ دنیا اور عاقبت دونوں کو سنوارنے کے لئے تشریف لائے۔ حضورؐ کی زندگی کا مشن یہی تھا چند سال کے اندر یہ مشن تکمیل کو پہنچا۔ مسلمان، عرب کی سب سے بڑی قوت ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی دیندار اور خدا پرست تھے ان کی دنیا اور دین دونوں سنور چکے تھے پہلے وہ مفلس تھے اب ان کے پاس دولت تھی۔ پہلے وہ دوسروں کے محتاج تھے۔ اب وہ آزاد تھے۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے گریبان سے الجھنے کے سوا کچھ جانتے نہ تھے ان کی تلوار اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کی گردنوں پر بڑی روانی سے چلتی۔ وہ ایک دوسرے کو کسی معقول وجہ کے بغیر ذبح کر دیتے لیکن اب یہ ساری بدعادتیں دور ہو گئیں۔ عرب بھائی بھائی بن گئے۔ ایسے بھائی بھائی کہ ایک کی اگر دو بیویاں تھیں اور دوسرے کے پاس ایک بھی نہ تھی تو پہلے نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دی تاکہ دوسرا بھائی اس سے شادی کر لے۔ اگر ایک کے پاس دو مکان تھے۔ تو اس نے ایک مکان اپنے بے گھر بھائی کو دے دیا۔ اگر ایک کے پاس دو روٹیاں تھیں تو اس نے ایک روٹی اپنے بھوکے بھائی کو کھلا دی۔ اور اگر ایک ہی تھی تو خود بھوکا رہا، مگر دوسرے کو بھوکا نہ رہنے دیا۔ صحابہؓ کی باہمی محبت اور رفاقت کا اندازہ اس سے کرو کہ میدان جنگ میں چند دوست زخم خوردہ دم توڑ رہے ہیں۔ سب کو پیاس نے بیتاب و بے قرار کر رکھا ہے۔ ان کے حلقوں میں کانٹے پڑ گئے ہیں۔ مگر باہمی محبت کا عالم یہ ہے کہ جب ان میں سے ہر ایک کے پاس پانی سے بھرا ہوا پیالہ لایا جاتا ہے تو وہ اپنے پر دوسرے کو ترجیح دیتا ہے اور اس طرح کوئی بھی تشنگی نہ بجھا

سکا، اور پیاسے ہی دم توڑ دیا۔

دوستی اور محبت کا یہ پاکیزہ جذبہ کن لوگوں میں پیدا کیا گیا؟ اُن میں، جن کی دشمنی کو سینکڑوں سال کی مدت بھی دبا نہ سکتی تھی۔ ایسے لوگوں کی یہ کایا پلٹ دیکھ کر تو متعصب عیسائی مورخین کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا۔

"محمدؐ نے عرب منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔
انھوں نے عربوں میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا
جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل
تھا" ۱

۲"محمدؐ نے ایک ایسی قوم کو یکجہتی اور اخوت کی
مضبوط لڑی میں پرو دیا۔ جو لڑنے کے سوا کچھ جانتی
نہ تھی، یہ محمدؐ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔"

۳"عرب کے صحرا سے ایک ایسا شعلہ چمکا جس کی
روشنی سے دنیا کی ایک بوتھائی آبادی بقعۂ نور
بن گئی۔"

یہ سب حضورؐ کا فیض تھا۔ کہ عرب میں اب بُرائی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ حضورؐ سے پہلے عرب میں جس قسم کی بُرائیاں موجود تھیں۔ ان کی تفصیل پہلے باب میں دی جا چکی ہے۔ یہاں صرف یہ یاد رکھیئے، کہ عرب، ہر قسم کی گھناؤنی اور مہلک بیماری میں مبتلا تھے، عرب چور تھے، ڈاکو تھے، رہزن تھے، عرب علانیہ زنا کرتے، شراب پیتے اور جوا کھیلتے، مگر حضورؐ کا اعجاز دیکھو کہ بیس

۱ لائف آف محمد، مارگیولیوس۔ ۲ لائف آف محمد سر ولیم میئور
۳ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (کارلائل)

بائیس سال کے اندر عربوں کی یہ سب سے بڑی عادتیں جو ان کی گھٹی میں داخل ہو چکی تھیں ایسی دُور ہوئیں۔ کہ پھر نہ کبھی کہیں چوری ہوئی نہ ڈاکہ پڑا۔ نہ خود غرضی کی آندھی چلی اور نہ نفس کا طوفان ہی اٹھا۔

یہ آخر کیا چیز تھی حضورؐ کے اعجاز کے سوا اسے کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ بڑے افعال کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے سخت سزائیں تجویز کی گئیں۔ زانی پر حد لگائی گئی، چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ رہزن کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ رہزن قبائل کی سرکوبی کی گئی۔ جگہ بہ جگہ عامل مقرر ہوئے اور اسلام قانون کی حیثیت سے تمام ملک میں رائج ہو گیا۔ مگر ان تعزیرات کا استعمال کہاں ہوا۔ مدنی زندگی کے آخری سالوں میں کتنے چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے۔ کتنی گردنیں رہزنی کے الزام میں پھانسی پر لٹکیں۔ اور کتنے زانی سنگسار ہوئے؟ زنا پر جن لوگوں کو سنگسار کیا گیا۔ یہ خود وہ لوگ تھے جنھوں نے انسانی کمزوری کے باعث زنا کا ارتکاب کیا لیکن فوراً بعد حضورِ نبویؐ میں حاضر ہو کر سنگسار کئے جانے کی درخواست کی۔

اسی دَور کا ایک واقعہ ہے کہ حضورؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک مسلمان حاضر ہوا۔ عرض کیا، میں نے زنا کیا ہے۔ حضورؐ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے دوسری طرف آکر پھر یہی عرض کیا، حضورؐ نے پھر منہ پھیر لیا اسی طرح حضورؐ نے چار دفعہ منہ پھیرا اور وہ بار بار یہی دہراتا رہا۔[۱]

اسی طرح ایک مسلمان عورت آئی۔ اس نے عرض کیا، حضورؐ میں نے زنا کیا ہے، مجھے سنگسار کیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے پیٹ میں جو بچہ ہے پہلے اسے جن لو۔ بچہ جننے کے بعد یہ عورت پھر حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا، اب سنگسار

---

[۱] ابن ماجہ۔

کرنے کا حکم دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جاؤ ابھی بچے کو دودھ پلاؤ۔ جب بچہ کھانا کھانے کی عمر کو پہنچ جائے تو پھر آنا۔ یہ عورت اب کی دفعہ آئی تو اس کی گود میں بچہ تھا۔ یہ بچہ، ایک روٹی کا ٹکڑا کھا رہا تھا۔ عورت نے عرض کیا، حضورؐ اب تو یہ بچہ بڑا ہو گیا ہے۔ خدا کا حکم پورا کیجئے۔ اور یہ حکم پورا ہوا۔[1]

غور فرمایئے۔ حضورؐ نے عربوں کی اخلاقی حالت میں کس قدر انقلاب پیدا کیا۔ کس کا دل گردہ ہے، کہ اپنی خوشی سے پتھر کھائے۔ لیکن حضورؐ نے صحابہؓ میں یہ بات پیدا کر دی۔ ان کے دل خدا کے صحیح تصور سے واقف ہو گئے۔ وہ جان گئے۔ کہ ان کا خدا ان خطاؤں کو بھی دیکھتا ہے جو رات کی تاریکی میں تاریک ترین کمروں میں کی جائیں۔ خدا کا یہ تصور جب دل میں گھر کر جائے۔ تو کیسے گناہ کے ارتکاب کی جرأت ہو سکتی ہے۔

یہ تھی حضورؐ کی وہ بادشاہت جس نے عربوں کے دلوں کی دنیا بدل دی۔ یہ کتنا حیرت انگیز انقلاب تھا دلوں کی دنیا میں۔ کیا ایسا انقلاب آج تک کہیں کسی نے دیکھا!

حضورؐ نے اپنی زندگی میں جس نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ وہ بھی دنیا کی عام بادشاہتوں سے بالکل مختلف تھا!

حضورؐ کے سامنے اصل چیز، اصلاحِ اخلاق تھی! اسی چیز پر حضورؐ نے سب سے زیادہ زور دیا۔ حکومت ایک ضمنی چیز تھی۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ یہ صلہ تھا اصلاحِ اخلاق کا۔ جس قوم کے اخلاق بہتر ہو جائیں۔ اس میں حکومت کرنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

حکومت کا تمام کاروبار حضورؐ خود فرمایا کرتے۔ حضورؐ خود عاملوں کا تقرر

---

[1] صحیح مسلم۔

فرماتے، خود ہی ان کی کارگزاری کا محاسبہ کرتے، اہم مقدمات کا فیصلہ بھی خود ہی کرتے۔ نومسلموں کے انتظامات، فرامین کا اجراء، وظائف کا تعین، دُور کے صوبوں کے اہتمام، یہ ساری چیزیں حضورؐ کی ذات سے متعلق تھیں کفار سے جتنی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان کی قیادت حضورؐ نے خود فرمائی۔ اور ہر موقع پر غیر معمولی تدبّر، حوصلہ اور جرأت کا ثبوت دیا۔ اُحد اور حنین میں حضورؐ نے جس تدبّر اور دُور اندیشی سے کام لے کر میدانِ جنگ کا نقشہ بدلا، وہ حضورؐ ہی کا حصہ تھا۔ ایسے مواقع پر اگر کوئی اور سپہ سالار ہوتا، تو سب سے پہلے بھاگتا لیکن حضورؐ دونوں مواقع پر آہنی چٹان کی طرح کھڑے رہے۔ اور آپؐ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے اپنی فوج کے اخلاق کی بھی ہر موقع پر کڑی نگرانی کی، کیا مجال کہ مالِ غنیمت کی ایک رسّی بھی تقسیم سے پہلے کوئی سپاہی اپنے پاس رکھ لے۔

سپہ سالار اور بھی بہت ہوں گے لیکن ایسا سپہ سالار تاریخ میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا جس کے سپاہی فوج کے نظام کا اس درجہ خیال رکھیں،

اصلاحِ اخلاق چونکہ اصل چیز تھی اس لئے حضورؐ صحابہؓ کے تمام اعمال و عادات کا محاسبہ بڑی سختی سے کرتے۔ بازاروں کی پوری نگرانی کی جاتی۔ تاجروں کو حکم تھا کہ گاہک سے کسی قسم کا دھوکا نہ کریں۔ جو دھوکا کرتا اسے سخت سزا دی جاتی۔

جو لوگ محصول جمع کرنے پر مقرر تھے۔ ان کی کارگزاری کا پورا جائزہ لیا جاتا محاسبہ میں سختی گو بظاہر بُری چیز معلوم ہوتی ہے۔ کام کرنے والے کا دل سخت محاسبہ سے گھبرا اٹھتا ہے مگر آخر میں اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے۔ گویہ

صحیح ہے کہ حضورؐ کے عمّال نے کبھی بے ایمانی نہیں کی اور نہ محصول یا زکوٰۃ کا پیسہ غبن کیا لیکن سب لوگ ایک ہی قسم کے نہیں ہوتے حضورؐ کے جو کارندے محصول یا زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مامور ہوتے انہیں حکم تھا کہ کسی شخص سے کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کریں اگر کوئی ایسا کرتا تو حضورؐ اس ہدیہ یا تحفہ کو بیت المال میں شامل کر دیتے۔

لوگوں کے باہمی تعلقات اور لین دین کے معاملات پر بھی حضورؐ کی بہت توجہ تھی کہیں بھی اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا جس سے مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں ناخوشگواری کا امکان ہوتا، تو حضورؐ اس امکان کو بہت جلد ختم کر دیتے۔

حضورؐ جن لوگوں کو دور دراز مقامات کے والی بنا کر بھیجتے انہیں رعایا کے فرائض اور حقوق اچھی طرح سمجھا دیتے انہیں حکم ملتا کسی پر سختی نہ کرو۔ عوام میں باہمی رفاقت کے جذبات ابھارو، اور انہیں خدا سے قریب کرنے کے ذرائع استعمال میں لاؤ۔

حضرت معاذؓ کو یمن کا عامل بنایا گیا، وہ جب روانہ ہونے لگے تو حضورؐ نے انہیں نصیحت فرمائی۔

"جہاں تک ہو سکے رعایا کے لئے آسانیاں پیدا کرنا،
سختی نہ کرنا مصائب کے دروازے نہ کھولنا لوگوں کو خوش
رکھنا، ان کے دلوں میں وحشت اور خوف نہ پیدا کرنا رعایا
کو آپس میں لڑانا نہیں، انہیں متحد و متفق رکھنا۔"

یہ الفاظ تقریباً ہر عامل سے کہے جاتے حضورؐ کی سب سے بڑی نصیحت یہی تھی، حضورؐ دنیا میں جس کام کے لئے تشریف لائے تھے وہ یہی کام تھا۔

صلے اللہ علیہ وسلم!

انتیسواں باب

اسلام جبر و اکراہ کی تعلیم نہیں دیتا۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ لا اکراہ فی الدین
جن چند لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا، ان پر سختی نہیں کی گئی۔ البتہ چونکہ یہ اکثریت کے ملک میں تھے اور ان کی جان و مال کی حفاظت حضورؐ کے ذمہ تھی اس لئے ان سے ایک ایسا محصول لیا گیا جس کی مدد سے ان کی حفاظت کا مناسب انتظام کیا جا سکے۔ یہ محصول اصطلاحِ شریعت میں "جزیہ" کہلاتا ہے۔ غیر مذاہب کے افراد سے حضورؐ نے اپنی زندگی میں جو معاہدے کئے ہمیشہ ان کی پابندی کی کبھی کوئی معاہدہ نہیں توڑا۔ خراج یا جزیہ کی جو رقم متعین کر لی گئی اس میں کبھی اضافہ نہیں کیا گیا۔

غیر مسلم مورخین نے اسلام کے اصولِ "جزیہ" پر ہمیشہ لب کشائی کی ہے، لیکن اگر حقیقت دیکھی جائے، تو حضورؐ کے زمانہ میں جزیہ کی جو رقم مقرر کی گئی، وہ بہت قلیل تھی اور اس سے مقصد صرف یہ تھا۔ کہ غیر مذاہب کے جو لوگ اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ بسیں وہ تھوڑی سی مالی ذمہ داری قبول کریں اور یہ مالی ذمہ داری ان پر اس لئے ڈالی گئی۔ کہ اسلام نے انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھا۔ ان کے باہمی جھگڑوں کو چکایا۔ ان کی مصیبت اور دکھ کے وقت ان کے کام آیا۔ چوروں۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کو انہیں پناہ میں رکھا۔ یقیناً ایسا نظامِ حکومت جو رعایا کے لئے اتنے کام کرے یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے استحکام کے لئے رعایا سے مالی مدد لے۔ اپنے لئے نہیں، رعایا کی بھلائی کے لئے،

مسلمانوں سے زکوٰۃ اور صدقات کے سلسلہ میں غیر مسلموں سے کہیں زیادہ محصول لیا جاتا تھا۔ غیر مسلموں سے اگر جزیہ کی رقم نہ لی جاتی تو یہ مسلمانوں کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوتی اسلام میں ناانصافی جائز نہیں۔ وہ دشمنوں اور دوستوں سب سے عدل وانصاف کا سلوک کرتا ہے۔ آج اس زمانہ میں فوجی اخراجات اور حکومت کے دوسرے نظام کے استحکام کے لئے کتنے بڑے محصول وصول کئے جاتے ہیں۔ مگر کوئی مہذب سے مہذب زبان بھی اس پر اعتراض نہیں کرتی اسلام نے صرف جزیہ مقرر کیا تو دنیا چیخ اٹھی اور اب تک چیخ رہی ہے۔

خراج، جزیہ یا عشر سے جو آمدنی ہوتی اسے فوج کے سپاہیوں اور دوسرے عمالِ حکومت کے وظائف پر خرچ کیا جاتا۔ غریبوں کی امداد کی جاتی۔ کچھ لوگوں کو ان کے حقِ خدمت اور صلاحیت کی بنا پر جاگیریں بھی عطا فرمائی گئیں اس سے دو مقصد پیش نظر تھے، ایک غیر آباد زمین کی آبادی، دوسرے مستحقین کی امداد، حضور کے نزدیک رشتہ داری یا دوستی استحقاق کی ضمانت نہ تھی۔ بلکہ صلاحیت اور خدمت عام معیار تھا اور اسی معیار کے مطابق صحابہؓ میں جاگیریں تقسیم کی گئیں۔ جاگیریں تقسیم کرتے وقت حضورؐ نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ کوئی ایسی زمین، چراگاہ یا چشمہ یا درخت جو عام پبلک کے لئے کارآمد ہو کسی ایک شخص کو نہ دیا جائے۔

اصلاح اخلاق میں ایک اور چیز جس کا حضورؐ نے بہت خیال رکھا وہ مذہب کے اصولوں اور جزیات کی تعلیم تھی۔ حضورؐ صحابہؓ کو خود، زندگی کے ہر شعبہ کی تعلیم دیا کرتے۔ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، دوستوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، باپ بیٹے کے حقوق، بہن بھائیوں کے حقوق، حتیٰ کہ ازدواجی تعلقات اور کیفیات

کی تمام تر تفصیلات میں حضورؐ نے صحابہؓ کی پوری رہنمائی کی۔

حضورؐ کی اسی خصوصیت کی بنا پر مدینہ کے یہود نے طنز کیا۔ کہ "محمدؐ اپنے ماننے والوں کو پیشاب، پاخانہ اور بیوی کے پاس جانے کی باتیں تک سکھاتے ہیں"۔

یہود کے نزدیک یہ قابلِ شرم بات تھی، مگر ایک ایسے نبیؐ کے لئے یہ بات بہت ضروری تھی۔ جو ساری دنیا کے لئے ایک عالمگیر نظام لایا تھا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ہم اپنی زندگی میں بعض چیزوں کو معمولی سمجھ کر ان کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن آگے چل کر یہی چیزیں ہماری فطرت کو بدلنے کا موجب ہوتی ہیں۔ نباضِ فطرتؐ اس انسانی کمزوری سے واقف تھے۔ آپؐ نے اس کمزوری کی شروع ہی میں اصلاح کر دی۔ اور مسلمان ایک مشینری کی طرح نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے فرض کو انجام دینے لگے۔

مسجد کی صحیح اہمیت کو اس وقت میں شاید نہ سمجھا جائے لیکن حضورؐ کے دور میں مساجد کو قوم کی اصلاح میں بہت دخل تھا۔ مساجد بلا شبہ عبادت کے لئے تعمیر کی جاتیں۔ مگر ان ہی عبادتگاہوں میں پنچائتیں، کونسلیں، اور مجالس قانون ساز منعقد ہوتیں۔ اور یہی عمارت جہاں سے تزکیہ نفوس کے لئے پانچ وقت اللہ کی عظمت اور بڑائی کا اعلان کیا جاتا۔ عوام میں میل جول، لین دین، اور باہمی ہمدردی، کے جذبات پیدا کرتی۔ محلہ یا قصبہ یا شہر کے تمام مسلمان روزانہ پانچ وقت ایک دوسرے سے ملتے۔ اور اس میل جول کی وجہ سے ایک دوسرے کے حالات معلوم کرتے اور نہ صرف حالات معلوم کرتے بلکہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے۔ جو مسجد میں نہ آتا اس کی عدم حاضری کی وجہ معلوم کی جاتی۔ وہ بیمار ہوتا تو سب لوگ اس کی عیادت کو جاتے۔ وہ

قرضدار ہوتا تو اس کے قرض کو چکانے کی فکر کی جاتی۔

زندگی کا یہ نظام کتنا پیارا، اور کتنا اچھا تھا۔ اے کاش مسلمانوں میں آج بھی یہ نظام پیدا ہو جائے۔ اور وہ ایک صحیح ملت بن جائیں۔

مساجد کے امام وہی لوگ بنائے جاتے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کی ضروریات کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ ائمہ کا یہ فرض تھا کہ مقتدیوں کے مابین دوستی، رفاقت اور خداترسی کے جذبات پرورش کریں۔

حضورؐ نے خدا کے حکم سے دنیا کے سامنے جو مذہب پیش کیا۔ وہ بہت سادہ، صاف اور آسان ہے۔ اس میں دین اور دنیا دونوں کی فلاح کا خیال رکھا گیا ہے۔

ہر مسلمان کے لئے پانچ چیزوں کی پابندی ضروری قرار دی گئی ہے۔

ایمان۔ باللہ والرسولؐ۔

نماز۔

روزہ۔

حج۔

زکوٰۃ۔

توحید ایمان کی اصل بنیاد ہے اسلام سے پہلے عرب بُت پرست تھے ہر ایک شخص کا معبود جدا جدا تھا۔ یہ انسان کی بھی توہین تھی۔ اور خدا سے بھی استہزاء تھا۔ ہم اگر جدا جدا معبودوں کی عبادت کریں، ہماری عقیدتوں کا مرکز اگر کوئی ایک ذات نہ ہو۔ تو اس سے نہ صرف ہمارے اندر انتشار اور بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ہم زندگی کی مشترکہ ضروریات کو سمجھنے سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ عربوں میں جو انتشار اور بدنظمی تھی اس کا اصل باعث

یہی لحدّ با آلہٰ تھا۔ حضورؐ نے عربوں کو ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دے کر نہ صرف انہیں بت پرستی سے نجات دی۔ بلکہ ان کے انتشار اور پریشانی کے سب سے بڑے سبب کو ختم کر دیا۔ اور وہ خدا کو ایک مان کر خود بھی ایک ہو گئے۔

اللہ کو ایک ماننے کے ساتھ ساتھ رسالت کے اقرار، ملائکہ، قیامت حشر و نشر پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیا گیا۔

جن لوگوں نے صادق نیت کے ساتھ اس بات کا اقرار کر لیا۔ کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور محمد رسول اللہ اس کے سچے نبی ہیں۔ وہ مسلمان کہے جانے لگے۔ رسول اللہؐ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ان گزشتہ انبیاء پر بھی ایمان لایا جائے جو حضورؐ سے پہلے مبعوث ہوئے۔

قرآن نے اس ضرورت کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے:۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ
وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ۔

دوسری جگہ یہ اضافہ کیا گیا۔

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ
وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا
بَعِیْدًا۔

گویا ایمان کے ضروری اجزا قرآن کی روشنی میں یہ قرار پائے۔

ایک اللہ پر ایمان، حضورؐ کی نبوت کا اقرار، ملائکہ،
انبیائے سابقین، کتب اور یوم آخرت پر ایمان۔

ایمان کے لئے یہ باتیں اس لئے ضروری قرار دی گئیں۔ کہ حضورؐ کو ساری دنیا

کی اصلاح مقصود تھی۔ ساری دنیا کو ایک برادری اور اخوت کے رشتہ میں پرونا تھا۔ عربوں کے انتشار اور پراگندگی کے باعث کیا تھے۔ بت پرستی اس کی اصلاح توحید کے عقیدہ نے کر دی۔ مختلف انبیاء کی بے حرمتی اس کی اصلاح تمام انبیائے سابقین اور کتب سماوی پر ایمان لانے کی شرط نے کر دی۔ اوہام پرستی اس کی اصلاح ملائکہ کے وجود پر ایمان کو ضروری قرار دے کر کر دی گئی۔ عربوں میں بد اخلاقی بدکرداری، ایک دوسرے کے مال کو غصب کرنے، شراب پینے، زنا کرنے کی وبا کیوں عام تھی؟ اس لئے کہ انہیں اس زندگی کے بعد کسی ایسی زندگی پر اعتقاد نہ تھا جس میں ان کے اعمال پر محاسبہ کیا جائے۔ حضورؐ نے آخرۃ پر اور حشر و نشر پر ایمان کو ضروری قرار دے کر عربوں کے اس عقیدہ کی اصلاح کر دی اور گناہ کے اس منبع پر بند باندھ دیا۔ عقائد کی اصلاح کے بعد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو ضروری قرار دیا گیا۔

نماز، بندے اور خدا اور بندے اور بندے کے مابین بہتر تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ نماز جہاں بندے کو خدا کے اصل مقام سے واقف کرتی ہے وہاں اسے یہ بھی سمجھاتی ہے۔ کہ تم پر انسان ہونے کی حیثیت سے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ نماز با جماعت اسی لئے ضروری قرار دی گئی۔

حضورؐ کے وقت کے نمازی، خدا سے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح انسان بھی تھے۔

قرآن میں نماز کے متعلق ایک لطیف جملہ کہا گیا ہے:۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

"نماز، تمام بری باتوں اور مکروہ چیزوں سے روکتی ہے"

کسی صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا، کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ مگر ابھی تک اصلاحِ نفس نہیں ہوئی۔ بُری باتوں سے نہیں رُکا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ نیک نیتی سے نماز پڑھتے جاؤ۔ نماز تمہیں سب بُری باتوں سے روک دے گی۔ ایسا ہی ہوا اور یہ صحابی نماز کی پابندی کرنے کے باعث ایک سچے آدمی بن گئے۔ نماز نے ان کی کایا پلٹ دی ہے۔

ہر دن میں پانچ نمازیں ضروری قرار دی گئیں۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا! نماز میں خشوع و خضوع اصل چیز ہے۔ نماز سے پہلے جسم کی طہارت ضروری ہے، تاکہ انسان خدا کے حضور گندگی اور غلاظت سے پاک اور صاف ہوکر حاضر ہو۔ وضو نماز کی ضروری شرط ہے۔ وضو میں پاک پانی سے ہاتھ، منہ، بازو کہنیوں تک اور پاؤں دھونا ضروری ہیں۔ سر کا مسح واجب ہے۔

ہر ہفتہ جمعہ کی نماز بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دن مسلمان اکٹھے ہوکر خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے باہمی معاملات پر غور کر سکیں۔

روزہ بھی اصلاحِ نفس اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کا باعث ہے۔ خدا کے لئے ایک معینہ وقت تک بھوکا اور پیاسا رہنا۔ اللہ سے قرب پیدا کرتا ہے بھوک اور پیاس کی شدت، غریبوں اور محتاجوں کی غریبی اور احتیاج کا احساس بھی دلاتی ہے۔

ہر سال رمضان کے مہینے کے روزے ضروری ہیں۔ طلوعِ سحر سے لیکر غروبِ آفتاب تک روزے کا وقت ہے۔ روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنے، برا کہنے، اور شہوات کی نمیمی سے رکنا بہت ضروری ہے اور جو ایسا نہیں

ــــــــ

ملہ ابو داؤد

بختا ناس کے رونے سے کچھ فائدہ نہیں۔

زکوٰۃ کبھی اصلاحِ نفس اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کا ایک ذریعہ ہے ہم اپنے مال کو سب سے عزیز رکھتے ہیں۔ اگر اس مال میں سے دسواں حصہ خدا کے نام پر نکال دیا جائے۔ اور یہ دسواں حصہ غریبوں، محتاجوں اور مساکین پر خرچ کیا جائے۔ تو اس سے ہمارے نفس کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور دولت جو فساد کی جڑ ہے ایک مٹھی میں بند ہو کر نہ رہ جائے گی۔

اسلام سے پہلے بھی خانۂ کعبہ کا حج ہوتا تھا لیکن اس حج کی صورت کتنی مکروہ تھی۔ خانہ کعبہ میں تین سو تیرہ بت تھے۔ عرب ننگے طواف کرتے، بری عادتوں کو حج کے دنوں میں بھی نہ چھوڑتے ایسے حج سے تزکیۂ نفس ہوتا تو کیسے۔ حضورؐ نے بت توڑ دیئے۔ ننگے طواف کرنے کی رسم مٹا دی، حج کے دنوں میں ہر قسم کی لغویت کے ارتکاب اور خواہشات کی تکمیل سے باز رہنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی تمام دنیا میں بسنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ کچھ مدت رہنے ملنے جلنے، اور لین دین کرنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ اور ایک ایسی عالمگیر برادری کی بنیاد ڈالی جس سے دنیا آج تک واقف نہ تھی!

عربوں میں شراب پینے، زنا کرنے، سود لینے، جوا کھیلنے، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے، اور عورت کو ذلیل جاننے کی جو عادتیں تھیں، حضورؐ نے اپنی تیئیس سالہ زندگی میں ان کی اصلاح بھی کر دی۔ شراب، زنا، سود اور جوا حرام قرار دیا گیا۔ مردوں کو عورتوں کی حرمت و عزت کی تعلیم دی گئی۔ اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم بد مٹا دی گئی۔ غصبِ حقوق انسانی شرافت کی توہین ہے۔ غصبِ حقوق کی جو مختلف صورتیں اس وقت عرب میں رائج تھیں، حضورؐ نے ان سب کی اصلاح فرما دی۔ وراثت، وصیت،

نکاح وطلاق، غرض ہر معاملہ میں عربوں کی صحیح رہنمائی کی گئی اور چند سالوں کے اندر اندر عرب امن وسلامتی اور پاکیزگی کی ایک حیرت انگیز آبادی بن گیا۔ عرب کو اس دور میں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے فاران کے چاند نے عرب کے گوشہ گوشہ پہ نور کی چادر پھیلادی ہے ؂

چودھویں رات کا منظر

تیسواں باب

اب عرب کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں نور کی کرنیں پہنچ چکی تھیں ایمان لانے والے سعادت اور نیکی کے انبار سے جھولیاں بھر بھر کر گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ اکثر ان میں سے ایسے تھے جنھوں نے حضورؐ کی پاکیزہ صحبت پائی لیکن کچھ ایسے بھی تھے۔ جو دور دراز کے علاقوں میں رہنے کی وجہ سے دربارِ نبوی میں حاضر ہونے سے محروم رہے اس لئے ضرورت تھی، کہ حضورؐ ان سب کو ایک جگہ جمع کریں اور اسلام کی تکمیل کا اعلان فرمائیں۔ یہ قدرت کا منشا تھا دین کی سب باتیں اس اجتماعِ عام سے پہلے پوری ہو چکی تھیں۔

حج کے دن قریب آرہے تھے۔ ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ کہ حضورؐ کی طرف سے اعلانِ عام ہوا۔

"ہم اس سال حج کو جائیں گے۔"

اعلان ہوتے ہی، عرب کے گوشے گوشے سے غلامانِ محمدؐ کے قافلے پر قافلے آنے شروع ہو گئے۔ ذیقعدہ کے آخری عشرہ میں ایک لاکھ کا انبوہ

مدینہ کے چاروں طرف چھاؤنی ڈالے پڑا تھا۔

آج مدینہ سے کون مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ مکہ کا وہی یتیم، وہی مہاجر، جسے مکہ کی زمین نے سر چھپانے کے لئے غارِ ثور کے سوا اور کوئی جگہ نہ دی! وہی جو ایک ساتھی کے ساتھ مکہ سے بھاگ کر مدینہ آیا۔ یہ شخصیت وہی تھی مگر آج یہ مدنی تاجدار ایک لاکھ غلاموں کے جھُرمٹ میں مدینہ سے مکہ کی طرف جس شان و شوکت کے ساتھ بڑھ رہا تھا اس کی لفظی تصویر حضرت جابرؓ کے الفاظ میں دیکھئے :۔

(میں بھی اس قافلہ میں تھا) میں نے جو نظر اٹھا کے دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں حدِ نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے (ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صحرا میں کسی نے دفعتاً) آدمیوں کا جنگل کھڑا کر دیا۔

حضورؐ نے مدینہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح اٹھ کر غسل فرمایا، خوشبو لی۔ دو رکعت نماز پڑھی، احرام باندھا اور ناقہ پر سوار ہو کر بلند آواز سے پکارے۔

لبیک، لبیک، اللّٰھم لبیک، لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک و الملک لک لا شریک لک

اے رب! (ہم نے تیرے اعلان کو سُنا، اور) حاضر ہیں حاضر ہیں اے رب۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں۔ ہم حاضر ہیں، تو ہی تعریف اور نعمت کے شکر کے قابل ہے، تیری ہی حکومت ہے اس حکومت میں تیرا کوئی شریک

نہیں۔

اے رب ہم حاضر ہیں!

یہ سوز بھری آواز تھی، یا اعلان تھا اس چیز کا کہ آج عرب کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں، خدائے واحد کی پرستش ہو رہی ہے۔ اور یہ انبوہ جو حضور کے ساتھ ہے۔ خانہ کعبہ میں پہنچ کر اسی چیز کا اعلانِ عام کرے گا۔

ایک لاکھ کا یہ گروہ، یہ مجمع عام محمدؐ کی زبان سے نکلے ہوئے آخری الفاظ

لبیک اللّٰھم لبیک

کو بار بار دہرا رہا تھا۔ دشت در دشت، کوہ در کوہ، اس صدائے توحید سے گونج رہے تھے، قافلہ اسی شان سے رواں تھا کہ مکہ کی سرزمین آ گئی، نو دن میں یہ مبارک سفر طے ہوا۔

حضورؐ کی تشریف آوری کی خبر عام ہوئی۔ تو بنو ہاشم کے چھوٹے چھوٹے بچے اس ہاشمی تاجدار کے استقبال کو پوری معصومیت کے ساتھ بھاگے آئے۔ اس تاجدار نے، خدا کی لاکھوں رحمتیں اس پر نثار، ان بچوں کو اپنے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اونٹنی پر بٹھا لیا۔ اور انہیں ساتھ لے کر مکہ میں داخل ہوا، سامنے خانہ کعبہ تھا۔ اسے دیکھتے ہی حضورؐ پکار اٹھے۔

اے اللہ! اس بابرکت گھر کی عزت و شرف میں اور زیادتی فرما۔

خانہ کعبہ کا طواف فرما چکے تو مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور بلند آواز سے یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى

۱؎ صحیح نسائی۔ امام نسائی نے حج کی یہ ساری تفصیل درج فرمائی ہے۔

یہاں سے صفا گئے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ

صفا کی چوٹی پر سے، خانہ کعبہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حضور ؐ نے اسے دیکھ کر خدا کی توحید بیان فرمائی اور فرمایا:-

لا الٰہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ، نصر

عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ

پورا فرمایا۔ اپنے بندے کی امداد فرمائی، اور کفر کی تمام

فوجوں کو اکیلے شکست دی۔

صفا سے مروہ آئے۔ یہاں بھی اللہ کی وحدت کا اعلان فرمایا، پھر ان لوگوں کو جو اپنے ساتھ قربانی نہیں لائے تھے۔ احرام کھولنے کی اجازت دی۔ مگر خود چونکہ حضور ؐ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے احرام باندھے رہے۔

ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو سب حاجیوں کے ساتھ آپ منیٰ میں ٹھیرے، نویں ذوالحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر عرفات میں آئے، قریش عرفات کی بجائے مزدلفہ میں ٹھیرا کرتے، دوسرے لوگوں کے ساتھ ٹھیرنے میں ان کے غرور کو ٹھیس لگتی۔ مگر حضور ؐ تو اس بت اکبر کو توڑنے آئے تھے اس لئے سب مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں۔ دوپہر کے آغاز تک ایک خیمہ میں تشریف فرما رہے۔ دھوپ کا زور ٹوٹ گیا۔ تو اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اور میدان میں پہنچ کر امام حج کی حیثیت سے ایک عالمگیر خطبہ ارشاد فرمایا۔

(یہ خطبہ اعلان تھا اس چیز کا کہ آج اسلام ہی سرزمین عرب کی سب سے غالب قوت ہے۔ اسلام نے عربوں کی تمام رسوم بد اور عادات فاسدہ ختم کر دی ہیں)

فضا میں ہر طرف تاجدارِ عالمؐ کی پاک زبان سے ادا ہونے والے الفاظ ایک وجد آفریں نغمہ کی طرح گونج رہے تھے۔

خبردار! جاہلیت کے تمام رسوم میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی شرف نہیں تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ غلام تمہارے غلام! جو تم خود کھاؤ، ان کو وہی کھلاؤ۔ جو خود پہنو، ان کو وہی پہناؤ۔ جاہلیت کے تمام خون بہا معاف کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں خون بہاؤں میں سے ربیعہ بن الحرث کا خون معاف کرتا ہوں۔

جاہلیت کے تمام سودی قرضے بھی معاف کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سودی قرض معاف کرتا ہوں۔

(ابن خلدون نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے جو الفاظ درج کئے ہیں وہ ان سے مختلف نہیں البتہ کہیں کہیں اس میں مضمون زیادہ ہے) ابن خلدون کی روایت کے مطابق خطبہ کے الفاظ یہ تھے:۔

اے لوگو! میں تمہیں جو کہہ رہا ہوں اسے سنو! مجھے یقین نہیں کہ آئندہ سال میں تم سے یہاں ملوں، اے لوگو تمہاری جانیں، تمہارے مال تم پر قیامت تک کے لئے اسی طرح حرام کر دیئے گئے ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ تم پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ بہت جلد تم اپنے رب کے ہاں حاضر

ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال پر جواب طلب کرے گا،
میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ جس کے پاس کوئی امانت
ہو، وہ اصل مالک کے پاس اسے واپس کر دے۔ سود حرام
کر دیا گیا۔ البتہ تم کو تمہاری اصل رقمیں مل سکیں گی۔ تم کسی پر
ظلم نہ کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ جاہلیت کے تمام خون بہا
معاف کر دیئے گئے۔ پہلا خون بہا جسے ساقط کیا جاتا ہے
وہ بن الحرث کا ہے۔

خبردار! عورتوں کے ساتھ سلوک کرنے میں اللہ سے
ڈرو! کیونکہ تمہیں تمہاری عورتوں پر اور عورتوں کو تم پر
حق ہے۔

تم پر ایک دوسرے کا خون بہانا قیامت تک اسی
طرح حرام ہے جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔
میں تم میں ایک چیز چھوڑ چلا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے
پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ چیز قرآن حکیم ہے۔
خدا نے ہر حقدار کا حق متعین فرما دیا ہے۔ اس لئے وارث
کے لئے وصیت جائز نہیں۔ بچہ اسی کو دیا جائے گا جس کے
بستر پر پیدا ہو۔ زانی کو سنگسار کیا جائے گا اور اس کا حساب
اللہ کے ہاں ہو گا۔

جو شخص اپنی نسبت اپنے حقیقی باپ کی بجائے کسی اور
شخص کی طرف کرے گا۔ یا جو غلام اپنے آقا کے سوا کسی اور
کی طرف اپنی نسبت کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

"خبردار! عورت کو اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں۔ قرض کی ادائیگی، مانگی ہوئی چیز کی واپسی، عطیہ کا بدلہ، اور ضامن پہ تاوان کی ادائیگی ضروری ہے۔"

حضورؐ نے اپنے اس خطبہ میں جن چیزوں پر زور دیا۔ وہی عربوں کی سب سے بڑی برائیاں تھیں، عرب جاہلیت کے رسوم و رواج پر فخر کرنے کے عادی تھے حضورؐ نے ان تمام رسوم کو باطل قرار دیا۔ عربوں میں نسب پر فخر کیا جاتا۔ نسب پر فخر انسانیت کی پیشانی پر سب سے بڑا داغ تھا۔ حضورؐ نے اس داغ کو دھو دیا۔ اور اعلان فرما دیا، کہ آج سے عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر، کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے۔ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔

غور فرمایئے، کہ حضورؐ نے مساواتِ انسانی کی کتنی بڑی تعلیم دی نسب کے بُتِ اکبر کو کس سختی کے ساتھ توڑا۔

عربوں میں غلاموں کے ساتھ کس درجہ بُرا سلوک کیا جاتا تھا۔ جب سب انسان بھائی بھائی قرار دیئے گئے تو پھر غلاموں کو کیوں ذلیل سمجھا جائے یہ بھی تو انسان ہیں اسی آدمؑ کی اولاد۔ حضورؐ نے غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کے لئے جو الفاظ استعمال فرمائے وہ کتنے مترنم الفاظ ہیں۔

ارقاءکم ارقاءکم! تمہارے غلام تمہارے غلام!

جنہیں تم غلام سمجھتے ہو۔ جو تمہاری ملکیت ہیں۔ میں تمہیں ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اور یہ حکم کتنا پاکیزہ ہے۔ خود فرمایئے کہ آج کی دنیا تو غریب انسانوں حتیٰ کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ یہ پاکیزہ سلوک

نہیں کرتی لیکن حضورؐ غلاموں کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ جو کھاؤ انہیں کھلاؤ جو پہنو انہیں پہناؤ۔

کیا آج تک کبھی کسی نے انسانی مساوات کی ایسی تعلیم پیش کی ہے؟

(انسانی مساوات اور امن وامان کی زندگی کے لئے ایک اور ضروری چیز ہے اور وہ ہے باہمی احترام اور کشت وخون سے احتراز، حضورؐ نے مسلمانوں پر ایک دوسرے کے خون کو قیامت تک حرام قرار دے کر مسلمان برادری کو اس شر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔)

شاہنشاہِ عالم انبوہ در انبوہ انسانوں کو یہ تعلیم دے چکے تو سب سے پوچھا۔

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون

مجمع بیک آواز پکارا۔

حضورؐ نے ہمیں خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ کا فرض پورا ہو گیا۔ ہم خدا کے حضور اس بات کی شہادت دینگے۔

حضورؐ نے یہ سن کر آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور ارشاد فرمایا۔

اللّٰھم اشھد ! اللّٰھم اشھد ! اللّٰھم اشھد!

اے اللہ گواہ رہو! اے اللہ گواہ رہو! اے اللہ گواہ رہو!

اب اعلانِ عام ہو چکا تھا۔ دین کی تمام باتیں لوگوں کو سمجھا دی گئی تھیں، کہ وحیِ الٰہی نے نازل ہو کر دین کی تکمیل پر مہر لگا دی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج میں نے تمہارے دین کی تکمیل کر دی۔ میری نعمتیں
تمام ہو گئیں۔ اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین
کی حیثیت سے چُن لیا۔

سید کون ومکان، تاجدارِ عالم، لاکھوں نفوسِ قدسی کی موجودگی میں جب یہ اعلان فرما رہے تھے اس وقت حضورؐ کسی زریں تخت پر نہیں تھے چند درہموں کے ایک معمولی سے کجاوہ اور ایک لاغر سی سواری پر تشریف فرما تھے حضورؐ کی سادگی کا یہ کتنا پیارا اور دل نشین منظر ہے۔ کیا دنیا کی تاریخ میں اتنے بڑے تاجدار کی اس قسم کی سادگی کی کوئی مثال کہیں نظر آتی ہے؟

ایک اور لطف دیکھئے۔ کہ اس وقت جبکہ شاہِ دوعالمؐ یہ اعلان فرما کر یہاں سے پلٹے، تو آپؐ کے پیچھے حضرت زیدؓ ابن ثابت، حضورؐ کے ایک آزاد کردہ غلام کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سوار تھے۔

غور تو کرو یہ کس کی سواری تھی، شاہِ کونینؐ کی اس بزرگ اور برتر وجودِ پاک کی، جو خدا کے بعد ساری خدائی اور ساری کائنات سے اربوں درجے اونچا مقدس اور پاک ہے لیکن مساواتِ انسانی کا جذبہ ایک معمولی غلام کو اسی سواری پر سوار کئے ہے۔

کہاں ہیں محمدؐ پر اعتراض کرنے والے، کہاں ہیں، حضورؐ کی بادشاہت کی فرضی تصویریں کھینچنے والے۔ آئیں ذرا اس منظر کو بھی دیکھیں۔

عرفات سے حضورؐ مزدلفہ تشریف لائے۔ غلامانِ محمدؐ ساتھ تھے۔ یہاں حضورؐ نے مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھیں، اور صبح تک آرام فرمایا۔ اور نماز فجر ادا کرتے ہی یہاں سے آگے بڑھے۔ اب حضرت فضل بن عباس آپ کے پیچھے سوار تھے۔ رستہ میں لوگ مسائلِ حج پوچھتے اور حضورؐ ان کا جواب دیتے رہے

وادیٔ محشر سے ہو کر آپ جمرہ تشریف لے گئے۔ اور کنکریاں پھینکیں۔
کنکریوں کی تعداد چونکہ محدود تھی اس لئے حضورؐ نے حاضرین کو ایک لطیف بات سمجھائی۔ چند کنکریاں زیادہ پھینک دینا۔ بظاہر ایک معمولی سی بات ہے لیکن حضورؐ کی نظر اس معمولی چیز کے عواقب و نتائج پر تھی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں بے نیازی کا انداز اختیار کر لیتے ہیں اور یہ محسوس تک نہیں کرتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم آہستہ آہستہ، اہم چیزوں سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ کے سامنے یہ انسانی فطرت تھی اس لئے بلند آواز سے پکارے۔

ایاکم والغلوا فی الدین فانما اھلک
قبلکم الغلو فی الدین۔
لتاخذ وا مناسککم فانی لا ادری لعلی
لا اجح بعد حجتی ھذا۔

خبردار! مذہب میں اپنی طرف سے زیادتی نہ کرنا،
تم سے پہلی قومیں اسی عادتِ بد کے باعث
ہلاک ہوئیں۔
مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو۔ نہیں معلوم کہ اس کے
بعد مجھے حج کرنے کا موقع ملے یا نہیں۔

یہاں سے حضورؐ صحابہؓ کی معیت میں منیٰ کی طرف آئے۔ اب سیدنا بلالؓ حبشی شاہِ دو عالم کی سواری کی مہار تھامے تھے، حضرت اسامہؓ اب بھی حضورؐ کے پیچھے سوار تھے۔ غلامانِ محمدؐ انبوہ در انبوہ حدِ نظر تک پھیلے نظر آتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اسلام کو دینِ فطرت سمجھ کر اختیار کیا تھا اور حضورؐ

کی غلامی میں آکر ساری آقائیاں ٹھکرا دی تھیں نہیں کہا جا سکتا۔ کہ شاہِ دو عالم کو یہ منظر دیکھ کر اپنی یتیمی و غربت کے وہ دن بھی یاد آئے یا نہیں، جو سیدِ کون و مکان ﷺ نے اس پاک سرزمین میں گزارے تھے لیکن اس وقت حضور ؐ کے پیشِ نظر یہ ضرور تھا۔ کہ کائنات کی تخلیق کا جو اصل مقصد تھا۔ وہ آج پورا ہوا۔ اور حضور ؐ بے اختیار پکار اٹھے۔

ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم
خلق اللہ السموات والارض۔

"خدا نے اس کائنات کی پیدائش کے وقت اس کی
جو صورت تجویز فرمائی۔ زمانہ آج پھر پھرا کر اسی صورت
پہ آگیا۔"

گویا دوسرے لفظوں میں حضور ؐ نے اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان فرما دیا۔ کہ مشیتِ الٰہی یہی تھی، کہ ہزاروں سال کے بعد ایک دور ایسا آئے جب فطرتِ انسانی انتہائی عروج پا کر ایک ابدی اور ازلی صورت اختیار کر لے اسلام فطرتِ انسانی کی کبھی نہ مٹنے والی تصویر ہے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے رنگ خود بخود چمکتے نظر آئیں گے۔ اور کوئی دور ایسا نہ آئے گا۔ جب انسانی آنکھیں اس کی طرف اٹھ کر مایوس لوٹیں۔

یومِ عرفات کے خطبۂ عام میں چند باتیں بہت ضروری تھیں۔ حضور ؐ نے آج ان کا اعادہ فرمایا۔

باہمی قتل و خون اور غصبِ حقوق سے بار بار روکا۔ اور زبانِ وحی سے ایک عجیب بات فرمائی۔

الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب

بعضکم رقاب بعض وستلقون ربکم
فیسئلکم عن اعمالکم

میرے بعد تم راہِ راست سے ہٹ کر ایک دوسرے کی گردن مارنے کا کام نہ کرنا، خبردار! تمہیں خدا کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال پر جواب دہ ہونا پڑیگا

اد۔ یہ کتنی عجیب بات تھی، اسلامی زندگی کا یہ کتنا بڑا راز تھا۔ جو اس سب سے پاک سینہ سے نکل کر لاکھوں انسانوں کے سامنے عام ہوا۔

قتل و خون ریزی کا ایک دردانگیز پہلو یہ بھی تھا۔ کہ عرب قاتل یا مجرم کے بدلے میں اس کے خاندان کے جس فرد کو چاہتے پکڑ لیتے۔

زبانِ وحی نے اس چیز کی بھی اصلاح کر دی، ارشاد ہوا۔

الا لا جانِ الا علیٰ نفسہٖ الالا
جان علیٰ ولدہ ولا مولود علیٰ والدہٖ ۔

خبردار! مجرم اور خونی اپنی جان کا ذمہ دار ہے، باپ کے جرم میں بیٹا اور بیٹے کے جرم میں باپ ماخوذ نہیں ہو سکتا!

عربوں میں نسبی تفاخر کی بنا پر ایک اور عادتِ بد تھی حضورؐ نے اس کی بھی اصلاح فرما دی۔

ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم
بکتاب اللہ فاسمعوا لہ ۔

اگر تم پر کوئی حبشی سیاہ رنگ غلام حاکم بنا دیا جائے اور وہ تم پر قرآن حکیم کے مطابق حکومت

کرے تو اس کی فرمانبرداری ضروری سمجھو!

خدا کے پیغمبرؐ نے سیاست کا یہ کتنا اہم نکتہ ان سادہ سے الفاظ میں حل فرمادیا۔ دنیا جانتی ہے کہ زمین پر فساد اسی وقت ہوتا ہے جب انسانی طبائع قانونِ الٰہی سے ہٹ کر اپنے اپنے نفس کی غلام ہو جاتی ہیں۔ ان کے انتشار اور پراگندگی کو دور کرنے والا کوئی ایک وجود نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے اس ایک وجود کی ظاہری شکل و صورت کو دیکھنے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ صرف یہ حکم دیا کہ دیکھو کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق حکومت کرتا ہے یا نہیں۔ اگر کتاب اللہ اس کے پیشِ نظر ہے۔ تو اس کے ساتھ مل کر کام کرو۔ اس سے روگردانی تمہیں ہلاکت میں ڈال دے گی۔ اور یہی ہوا مسلمانوں نے جوں ہی حضورؐ کے اس ارشاد کی خلاف ورزی کی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔

حضورؐ کو یہ علم تھا۔ کہ آپؐ کی امت پر ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب انسانی خواہشیں ایک نیا جنم لیں گی اسی لئے آپ نے فرمایا۔

الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلدکم ھذا ابداً ولکن ستکون لہٗ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فیرضی بہ،

گو شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس شہر میں اس کی پرستش کی جائے گی لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں تم اس کا کہا مانو گے، اور اسے خوشی حاصل ہو گی۔

تمام ضروری باتیں بیان ہو چکی تھیں حضورؐ نے آخر میں اسلام کی بنیادی باتیں دہرائیں اور پوچھا:۔

الاھل بلّغت

غلامانِ محمدؐ نے بیک آواز کہا۔

نعم!

اس پر حضورؐ نے خدا کو شاہد بنایا اور تبلیغ عام کی ہدایت فرمائی۔ پھر قربانی دی۔ سر کے بال منڈوائے، خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ زمزم کا پانی پیا۔ اور منیٰ واپس ہوئے۔ منیٰ میں حضورؐ ۱۲ ذیحجہ تک تشریف فرما رہے، ہر روز کنکریاں مارنے کے لئے سورج ڈھلنے کے بعد تشریف لے جاتے اور پھر مکہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدینہ کو روانہ ہو گئے [1]

یہ حضورؐ کا آخری حج تھا اسی لئے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اس کے بعد مکہ نے محمدؐ کی پاک صورت نہیں دیکھی۔

---

[1] صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ۔

موت کی بدلی

اکتیسواں باب

حضورؐ مدینہ پہنچے اور حسبِ دستور نبوت کے فرائض انجام دینے میں مصروف ہو گئے دین مکمل ہو چکا تھا۔ اور زبان وحی نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"

کہہ کر یہ اعلان بھی فرما دیا تھا۔ کہ حضورؐ اس دنیا میں جس بڑے مقصد کی تکمیل کے لئے تشریف لائے۔ وہ پورا ہو گیا۔ نہ صرف حضورؐ اس حقیقت سے واقف تھے، بلکہ بعض دُور بین نظریں رکھنے والے صحابہؓ نے بھی یہ راز پا لیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت جو سورۃ نازل ہوئی۔ اس کے آخری الفاظ تھے فسبح بحمد ربک واستغفرہ، فتح کی خوشخبری کے ساتھ استغفار کرنے کی ہدایت کے معنی یہ تھے، کہ اب آپؐ کی مجازی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا۔ صحابہؓ کو جس آنے والی جدائی کا ملال تھا۔ آہ اس کا وقت بھی آ پہنچا۔

صفر ۱۱ھ کی اٹھارھویں یا انیسویں رات تھی۔ حضورؐ بچھڑے ہوئے صحابہؓ

کی قبریں دیکھنے کے لئے جنت البقیع تشریف لے گئے۔ بیٹھے بیٹھے نہ جانے حضورؐ کو کیا خیال آیا۔ ہوسکتا ہے۔ حضورؐ اپنے ان بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے جو موت کے آغوش میں سوئے پڑے تھے، یہ کہنے گئے ہوں۔ میں بھی تمہارے پاس آرہا ہوں۔ جنت البقیع سے واپسی پر حضورؐ کی طبیعت دفعتہً خراب ہوگئی۔ بخار نے آن دبوچا۔

پانچ دن تک حضورؐ باری باری اپنی ازواج مطہراتؓ کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ حضورؐ کو یہ گوارا نہ تھا۔ کہ زندگی کے آخری دنوں میں اپنی ازواج مطہرات سے مساوات نہ برتیں۔ لیکن آخر دوشنبہ کو حضورؐ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔ اس لئے حضورؐ تمام ازواج مطہراتؓ سے اجازت لینے کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا سہارا لے کر حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لے گئے، اور وصال تک یہیں رہے۔ جب تک طاقت ساتھ دیتی رہی حضورؐ خود نماز پڑھانے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ جب طاقت نے جواب دے دیا۔ تو حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اور کچھ دن حضرت صدیقؓ حضورؐ کی نیابت فرماتے رہے۔

حضورؐ نے اپنی اس علالت میں یہ وصیتیں فرمائیں۔

(۱) کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے۔

(۲) سفراء کا احترام کیا جائے۔

بیماری کے دوران میں ایک دن دوپہر کے وقت حضورؐ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ نماز ظہر کا وقت تھا۔ حضورؐ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کو دیکھ کر امامت کی جگہ سے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے انہیں اشارہ سے روکا اور ان

کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ حضورؐ اب امام تھے، ابوبکرؓ کے اور ابوبکرؓ امام تھے دوسرے مقتدیوں کے، نماز ختم ہو گئی سمجھنے والے سمجھ گئے۔ کہ حضورؐ نے ظہر کی جماعت میں کیوں شرکت فرمائی ہے۔ حضورؐ کا مقصد یہ تھا کہ صحابہؓ کو معلوم ہو جائے۔ کہ ابوبکرؓ امامت و سیادت کے مستحق ہیں۔ نماز کے بعد حضورؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں ایک تمثیل بیان کی۔

اللہ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو دنیا کی نعمتوں کا انتخاب کر لے اور چاہے تو آخرۃ کی نعمتوں کو پسند کرے۔

اس بندے نے آخرۃ کی نعمتیں اور قرب الٰہی کو ترجیح دی!

اور پھر نہ جانے کیوں ابوبکرؓ کے احسانات کا ذکر فرمانے لگے۔

میں جس کے مال اور رفاقت کا سب سے زیادہ شکر گزار ہوں وہ ابوبکر صدیقؓ ہیں، اگر میں اپنی امت میں کسی شخص کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ تمام دوستوں سے بالا ہے۔

اس احسان کا ذکر فرمانے کے بعد حضورؐ نے مسلمانوں کو ابوبکرؓ کے احترام پر متوجہ فرمایا۔ حضورؐ نے کہا۔

مسجد کی طرف کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں مگر صدیق کا دروازہ کھلا رہے۔

تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہو گئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو معبد بنا لیا، تم ایسا نہ کرنا۔

خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد حضورؐ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے پھر اپنے حجرہ میں واپس تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے جاتے ہی، صدیقؓ زار زار رونے لگے، وہ حضورؐ کی تمثیل سمجھ گئے تھے، کہ حضورؐ اب ان سے بہت تھوڑی دیر میں جدا ہونے والے ہیں۔ محمدؐ سے اس صدیقؓ کو عجیب قسم کا عشق تھا۔ اس نے محمدؐ کو جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ اس نے محمدؐ کے لئے اپنا سکھ، چین، مال و دولت ہر چیز تیاگ دی۔ اور یہی محمدؐ اس سے جدا ہونے والے تھے۔ صدیقؓ کی آنکھیں بُری طرح بہ رہی تھیں۔ صحابہؓ نے اس رونے کا حال پوچھا۔ جواب پاکر خود بھی رونے لگے۔ انصار صحابہؓ تو بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رو دئے، انہیں حضورؐ کے احسانات یاد آنے لگے، انہیں رہ رہ کر خیال آیا۔ وہ کیا تھے، محمدؐ نے انہیں کیا سے کیا بنا ڈالا۔ وہ محمدؐ کو جس وقت اپنے پاس لائے تھے، اس وقت انہیں یہ خیال نہ آیا تھا کہ محمدؐ ان کو چھوڑ کر اپنے رب کے پاس چلے جائیں گے۔ ان کا تو جی چاہتا تھا۔ جب تک وہ خود جئیں، محمدؐ بھی جئیں، محمدؐ کو زندہ رکھنے کے لئے وہ سب اپنی جانیں قربان کر دینے کو آمادہ تھے۔ مگر یہ ان کے چاہنے یا نہ چاہنے کی بات نہ تھی، موت اپنا دامن پھیلائے ہوئے، بھاگی چلی آرہی تھی، اور محمدؐ اس کو لبیک کہنے پر تیار ہو گئے تھے۔

انصار صحابہؓ کے رونے کی خبر حضورؐ کو بھی پہنچ گئی۔ حضورؐ کو ان مخلصین کی ایک ایک مہربانی یاد آئی۔ انہیں یاد آیا، ان مخلصین کا قافلہ جس وقت مکہ پہنچا۔ اور عباسؓ نے ان سے کہا، محمدؐ کو لینے آئے ہو لیکن خیال رکھو، کہ محمدؐ کی حمایت کے معنٰی یہ ہیں کہ ساری دنیا سے دشمنی مول لے لی جائے! انصار کا یہ گروہ عشاق کا گروہ تھا۔ یک آواز پکارا۔

ہم محمدؐ کی خاطر ساری دنیا سے لڑیں گے۔

حضورؐ کے حافظہ کی تختی پر ایسے ہی کئی اور واقعات اُبھرے، حضورؐ بھی آبدیدہ

ہو گئے۔ اور وصیت فرمائی۔

میری جگہ جو حکومت کا کام اپنے ہاتھ میں لے انصار
کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

حضورؐ نے علالت سے پہلے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی ماتحتی میں ایک فوج رومیوں کی سرکوبی کے لئے تیار کی تھی۔ علالت کے باعث یہ فوج رک گئی۔ حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بزرگ صحابہ عام سپاہیوں کی حیثیت میں اس فوج میں شریک کئے گئے تھے۔ منافقین مدینہ جن کا نحوس وجود ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ مدینہ میں موجود تھے۔ انھوں نے یہ غلط فہمی عام کرنے کی کوشش کی کہ حضورؐ نے بزرگ صحابہ کی موجودگی میں ایک نوجوان کو فوج کا سپہ سالار بنا کر صحابہؓ کی توہین کی ہے۔ آخری وقت بھی منافقین نے حضورؐ کے دل کو صدمہ پہنچایا۔ حضورؐ نے علالت نبوت میں فرمایا۔

تم نے پہلے بھی اسامہؓ کے باپ زیدؓ کی سپہ سالاری
پر اعتراض کیا تھا۔ اب اس کے بیٹے پر اعتراض کرتے
ہو۔ خدا کی قسم زیدؓ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا
اور وہ اس منصب کا مستحق بھی تھا۔ اور اب زیدؓ کے
انتقال کے بعد مجھے اس کا بیٹا سب سے زیادہ
محبوب ہے [1]

یہ بھی ایک بڑا اہم نکتہ تھا۔ حضورؐ نے اسے واضح فرما کر یہ حقیقت ساری دنیا کے سامنے ہمیشہ ہمیشہ تک پیش کر دی کہ اسلام لانے والے سب برابر ہیں نسب کی بڑائی کوئی بڑائی نہیں۔ بڑائی صرف اعمال کی ہے۔

[1] صحیح بخاری (مناقب حضرت زیدؓ بن حارثؓ)

حضورؐ کا آخری وقت آن پہنچا۔ اس وقت حضورؐ حضرت عائشہؓ کے گھر میں لیٹے تھے، حضورؐ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمانؓ کمرے میں آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ حضورؐ نے مسواک کی طرف دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے مسواک لیکر دانتوں سے نرم کی اور حضورؐ کو دی۔ حضورؐ نے نہایت آرام سے مسواک کی۔ پھر حضورؐ پر غشی طاری ہوگئی۔ آخری وقت حضورؐ کی زبان پر یہ الفاظ رک رک کر آئے۔

الصلوٰۃ ـــ وماملکت ایمانکم۔ بل الرفیق الاعلیٰ

نبوت کی زبان پر آنے والے یہ الفاظ گو مختصر ہیں۔ مگر بڑے جامع ہیں نبی آخری وقت بھی اپنے منصب سے غافل نہ رہا اور اس نے امت کو دو بڑے مسائل پر توجہ دی۔ نماز اور غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک پر۔ غلامی اس وقت کی سب سے بڑی بیماری تھی۔ غلاموں کو عرب میں آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا حضورؐ نے عربوں کو سمجھایا۔ غلاموں کو اپنے جیسا آدمی سمجھو اسی لئے زیدؓ سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کا نکاح کر دیا۔ کہ عربوں کے دلوں میں غلاموں کا احترام پیدا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ نے پہلے زیدؓ کو اور پھر ان کے بیٹے اسامہؓ کو اسلامی فوج کی سپہ سالاری بخشی۔

پہلے دو لفظ نبوت کے فرائض سے تعلق رکھتے تھے آخری جملہ میں اپنی مرضی کا اظہار تھا۔ کون جانے حضورؐ کی روح اس وقت کن مقامات پر تھی۔ رب سے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ بل الرفیق الاعلیٰ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا نے حضورؐ سے پوچھا۔ میرے پاس آؤ گے یا دنیا میں رہو گے۔ حضورؐ نے یہ الفاظ اس کے جواب میں کہے۔

سب دوستوں سے بہتر دوست تو میرے آقا تم ہو
میں تمہاری رفاقت کو پسند کرتا ہوں۔

آخری وقت میں حضرت فاطمہؓ بھی پاس آن بیٹھی تھیں۔ ان کو معلوم ہو چکا تھا، کہ ان کے محبوب باپ اس دنیا سے جانے والے ہیں۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں پرو رہی تھیں۔ عائشہؓ بھی رونے لگیں۔ اور آس پاس بیٹھے لوگ بھی رو دئیے۔

تھوڑی دیر بعد حضورؐ ارتحال فرما گئے۔ روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اپنے رب کے حضور چلی گئی۔

حضورؐ کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ہاتھ پیر سست پڑ گئے۔ حضرت فاطمہؓ اور عائشہؓ روتے روتے بے ہوش ہو گئیں۔ دوسری ازواج مطہراتؓ بھی بڑی طرح روئیں، آنسوؤں کا ایک طوفان اٹھا۔

سارے مدینہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ بچے، بوڑھے اور جوان، عورتیں اور مرد سب رو رہے تھے سب کی آنکھیں اشکبار تھیں، کہ محمدؐ ان سے جدا ہو گئے۔ آج وہ چاند موت کے آغوش میں جا سویا جس نے فاران کی چوٹی سے طلوع فرمانے کے بعد عرب کے سارے اندھیرے دور کر دیئے تھے حضرت فاروقؓ کے کانوں تک یہ خبر کیا پہنچی ان کے حواس گم ہو گئے۔ انھوں نے تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اور بلند آواز سے چیخے!

محمدؐ کی موت کی خبر لانے والو ہوش کرو۔ محمدؐ مر نہیں
سکتے۔۔ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے!

فاروقؓ کا تصور کبھی اس نکتہ کو سوچ نہیں پایا تھا۔ انہیں یہ خیال تک نہ تھا کہ محمدؐ بھی موت کے دامن میں سو سکتے ہیں۔ وہ تو سمجھتے تھے، کہ ان کے محبوب کبھی

انہیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔
مگر صدیق رضؓ باہوش عشاق میں سے تھے انھوں نے فاروق رضؓ کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اور منبر پر کھڑے ہو کر قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

محمدؐ سے پہلے جو نبی آئے وہ سب موت کے دامن
میں جا سوئے۔ محمدؐ بھی موت کے دامن میں سو سکتے
ہیں! ۔

یہ کہنے کے بعد حضورؐ کے وصال کی تصدیق فرما دی۔
فاروق رضؓ نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ ان کے محبوب ان سے چھن گئے یہ خیال کر کر کے وہ اس قدر روئے، کہ آنکھیں سوج گئیں۔
حضورؐ کے چاہنے والوں نے روتی آنکھوں اور تڑپتے دلوں کے ساتھ حضورؐ کو آپ کے حجرہ ہی میں دفن کر دیا کسی دوسری جگہ نہیں لے گئے۔ کہ حضورؐ نے خود ہی فرما دیا تھا کہ نبی جہاں مرتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں۔
یہ عجیب بات ہوئی۔ کہ حضورؐ نے جس گود میں دم دیا۔ وہ عائشہ رضؓ کی گود تھی اور جہاں دفن ہوئے وہ عائشہ رضؓ کا حجرہ تھا۔ یہ اعلان تھا اس بات کا، کہ حضورؐ کو حضرت عائشہ رضؓ سے غیر فانی محبت تھی۔

ایک معاشی نکتہ

بتیسواں باب

عرب کے اس سب سے بڑے، سب سے اعلیٰ اور سب سے پاکیزہ تاجدار کے وصال کے بعد لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا۔ حضورؐ نے وراثت میں کیا چھوڑا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا۔

نہ کوئی درہم، نہ دینار، نہ چاندی، نہ سونا۔

گویا دوسرے لفظوں میں حضورؐ نے عرب کے سب سے بڑے تاجدار ہونے کے باوجود اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے ایک پیسہ تک نہ چھوڑا۔ اس لئے کہ حضورؐ اس دنیا سے سرمایہ داری کے ناپاک وجود کو ختم کرنے آئے تھے۔ حضورؐ دولت کو عوام میں مساوی طور پر تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو اپنے عمل سے سمجھا دیا تھا۔ کہ جب بھوک اور تنگ کی شکایت عام ہو۔ دولت جمع کرنا نہ روا ہے اور نہ مناسب! وہ اس وقت جب حضورؐ کا وصال ہوا، ابھی غربت ختم نہ ہوئی تھی اسی لئے وصال سے تھوڑی دیر پہلے حضورؐ کے پاس ریاست کے محصولات میں سے جو سونا لایا گیا۔ وہ حضورؐ نے اسی وقت بانٹ

دیا۔ اسے نہ اپنے گھر میں رکھا اور نہ اسٹیٹ کے خزانہ ہی میں بھیجا۔ اسٹیٹ کے خزانہ میں تو اسے اس وقت داخل کیا جاتا جب سارے عوام خوش حال ہوتے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا انسانی معیشت کا جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال پر اور اپنے وصال سے چند لمحے پہلے دنیا کے سامنے رکھا۔

مسلمان مورخین اور معاشئین نے اس معاشی مسئلہ پر ضرورت سے بہت کم توجہ کی ہے۔ اور دولت کی تقسیم کے متعلق اسلامی طریق کار پر توجہ فرماتے وقت اس واقعہ کو نظر انداز کر گئے۔ مسلمان فقہا اور مجتہدین نے اسلام میں دولت کی تقسیم پر بہت لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ مگر ایسا کرتے وقت انہیں یہ خیال بہت کم آیا۔ کہ خود حضورؐ کا اپنا عمل کیا تھا۔ یقیناً اسلام نے اصحاب نصاب پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح قرآن نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے لیکن جس طرح غلامی اسلام میں پسندیدہ شغل نہیں، اسی طرح دولت کو جمع کرنا بھی اسلام کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے اگر پسندیدہ ہوتا۔ تو خود حضورؐ بھی دولت جمع کرتے۔ اور آپؐ کے وصال کے وقت آپؐ کے گھر سے سونے کے انبار دستیاب ہوتے، مگر دنیا جانتی ہے! اور سارے مورخین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ حضورؐ نے ایک کوڑی اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔ اور نہ زندگی بھر میں کوئی رقم کسی موقع پر جمع کی۔ نہ اپنی ذات کے لئے کوئی مکان ایسا بنوایا جو حضورؐ کی ذاتی ملکیت ہو۔ مدینہ آنے پر حضورؐ نے اپنے لئے جو حجرے تعمیر کرائے تھے ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ حجرے حضورؐ کے ذاتی نہ تھے۔ اسٹیٹ کے تھے۔ حضورؐ ان حجروں میں اسلامی اسٹیٹ کے ہیڈ کی حیثیت سے تشریف فرما تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ سرکاری عمارت تھی جو حضورؐ کو رہنے کے لئے دی گئی۔ اور حضورؐ کی اس قیام گاہ کی حالت یہ تھی، کہ چھتیں کھجور

کی تھیں، اور دیواریں مٹی کی، فرش بھی مٹی کا تھا۔ بارش ہوتی تو گھر میں پانی آجاتا۔ چھتیں ٹپکنے لگتیں۔ آخر دور میں حضورؐ کی قیام گاہ میں کسی قدر توسیع ہوگئی تھی۔ حضورؐ کی بیویوں کی تعداد سے کمرے بڑھتے گئے تھے۔ یہ صحیح طریق کار تھا۔ حضورؐ نے وقت کے تقاضے کے مطابق جتنی اشد ضرورت تھی اتنا ہی بوجھ اسٹیٹ پر ڈالا۔ اگر اسٹیٹ میں گنجائش ہوتی تو رسول اللہؐ یقیناً اس سے بہتر کمروں میں رہتے۔ مگر چونکہ گنجائش نہ تھی اور ریاست اتنی مالدار نہ تھی اس لئے رسول اللہؐ نے اپنی ذات پر غیر ضروری خرچ مناسب نہ جانا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھروں میں کئی کئی دنوں تک آگ نہ جلتی تھی۔ حضورؐ کے کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے، باہر سے جو سامان آتا، اُسے حضورؐ اسی وقت مسجد میں ڈھیر لگا دیتے۔ ضرورت مند آتے جاتے، حضورؐ ان کی جھولیاں بھرتے جاتے، جب سب کی ضرورتیں پوری ہو جاتیں۔ تو حضورؐ کو اپنے متعلقین کا خیال آتا۔ اور ان متعلقین میں صرف اپنے خاندان کے افراد نہ تھے، ان میں بعض وہ صحابہ بھی تھے، جو معاشی اور اقتصادی اعتبار سے حضورؐ کے محتاج تھے۔ حضورؐ عوام کی ضروریات پوری کرنے کے بعد ان کے حال پر توجہ فرماتے، پھر گھر کے لوگوں کی باری آتی۔

فدک کی فتح سے پہلے حضورؐ کے گھر کے اخراجات کے پورا ہونے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ فدک فتح ہوا۔ تو حضورؐ نے اس زمین کی آمدنی کی مد مخصوص کر دی۔ اس آمدنی میں سے ایک حصہ خاندان کی ضروریات پر صرف ہوتا۔ خاندان کی ضروریات کیا تھیں۔ کھڑے کپڑے، وہ بھی اتنے کم ہوتے کہ نبیؐ کی ازواج مطہرات کو پیوند لگانے پڑتے، حضورؐ کی ایک بیوی حضرت

زینبؓ چمڑے رنگا کرتیں۔ تاکہ گھر کا خرچ چلا سکیں۔ حضورؐ نے اپنی بیویوں میں آدمیت کا احساس اس قدر پیدا کر دیا تھا کہ حضرت زینبؓ کو چمڑے رنگنے سے جو اجرت ملتی اسے بھی مستحقین پر تقسیم فرما دیتیں۔

نبیؐ نے اپنی اور اپنے خاندان کی ضرورتوں کو عوام کی ضرورتوں پر کبھی مقدم نہیں جانا۔ حضرت فاطمہؓ حضورؐ کی لاڈلی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے ایک موقع پر حضورؐ سے درخواست کی کہ حضورؐ مجھے خادم دلوائیے۔ اور ضرورت کی شدت ظاہر کرنے کے لئے اپنے ہاتھ دکھائے۔ جن پر پانی کھینچتے کھینچتے گھٹے پڑ گئے تھے حضورؐ نے یہ گھٹے دیکھنے کے باوجود درخواست رد کر دی۔

اس لئے کہ حضورؐ جانتے تھے، کہ عوام کی اقتصادی حالت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔ ابھی یہ سامان نہیں ہو پایا، کہ عوام کو کافی مقدار میں غلہ مل سکے بیٹی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ حضورؐ کو بھی عزیز تھی، اور اتنی عزیز تھی کہ بیان سے باہر ہے لیکن رسول اللہؐ نے اپنے ذمہ ایک بڑا کام لے لیا تھا۔ اور یہ بڑا کام عوام کو خوشحال بنانے کا تھا۔ ابھی یہ پورا نہیں ہوا تھا۔ حضورؐ کے وصال تک یہ کام ادھورا رہا۔ اس لئے کہ عرب بہت حد تک غیر زرخیز اور غیر پیداآور ہے اقتصادی اعتبار سے عرب اپنی ساری ضروریات کو خود پورا کرنے پہ قادر نہیں تھے۔ رسول اللہؐ چاہتے تھے کہ عرب کے لوگ خوشحال ہو جائیں ان سب کو یکساں روٹی اور کپڑا میسر آئے رہنے کو مکان ملے۔ اور چہرے پر آسودگی کے آثار نظر آئیں لیکن چونکہ یہ کام ابھی نامکمل تھا یہی وجہ تھی کہ حضورؐ نے اسٹیٹ کے خزانہ میں آخر وقت تک ایک کوڑی جمع نہیں کی۔ جتنا مال جس وقت آیا اسے اسی وقت عوام میں بانٹ دیا۔

دولت کے متعلق ہم میں سے ہر ایک کو معلوم ہے، کہ یہ اس وقت جمع ہوتی

ہے جب اسے کوئی جمع کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ؐ چونکہ دولت جمع کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے اسلامی اسٹیٹ میں کچھ جمع نہ ہوسکا۔ اسی لئے حضرت عائشہ رضؓ کو آپ کے وصال کے بعد کہنا پڑا کہ

حضور ؐ نہ درہم چھوڑ کر گئے ہیں اور نہ دینار۔

درہم ایک چونی کے برابر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کا دعوے کرنے والے مسلمان امرا کو شرم آنی چاہیئے۔ کہ جس ہستی کے افعال و اعمال کو وہ اپنے لئے دلیلِ راہ بتاتے ہیں اس کا وصال جب ہوا تو اس نے اپنے پیچھے ایک چونی بھی نہ چھوڑی!

یقیناً اگر اس وقت کے سارے مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہوتی سب کے سب اس قابل ہوتے۔ کہ اپنی ضروریات خود پوری کر سکیں، تو حضور ؐ کا خزانہ بھرا ہوا اسلامی اسٹیٹ مالدار ہوتی۔ مگر چونکہ عام رعایا خوشحال نہ تھی اس لئے حضور ؐ نے ریاست کے خزانہ میں ایک کوڑی جمع نہیں کی۔

حضور ؐ کے اس طریقِ کار اور اسوہ سے صرف ایک بات ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جب تک عوام خوشحال نہ ہو جائیں اس وقت تک اسلامی اسٹیٹ اس بات کی مجاز نہیں کہ اپنے خزانہ کو بھرے، اور یہی سبب تھا کہ حضور ؐ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضؓ اور حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے خزانے کو بھرنے کی بجائے عوام کو خوشحال بنانے پر توجہ کی۔

ہم آگے چل کر اس موضوع پر پوری تفصیل سے بحث کریں گے اور حضرت صدیق رضؓ اور فاروق رضؓ کے واقعات و حالات بیان کرتے وقت اسلامی اسٹیٹ کی مالی حالت پر روشنی ڈالیں گے۔ مگر یہاں ہم حضور ؐ کے طریق کار ہی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ کہ شروع میں جبکہ رسول اللہؐ نے حق کی آواز بلند کی۔ جو لوگ اسلام لائے ان میں اکثر کی مالی حالت بہت کمزور تھی، اور جن کی مالی حالت اچھی تھی، ان میں صدیق رضؓ۔ فاروق رضؓ اور عثمان غنی رضؓ زیادہ ممتاز تھے۔ رسول اللہؐ جب تک مکّہ میں رہے۔ صدیقؓ کا روپیہ اسلام کے کام آتا رہا۔ صدیق رضؓ کماتے جاتے اور حضورؐ کے سپرد کرتے جاتے، اس روپیے سے بہت سے غلام مسلمان آزاد کرائے گئے مسلمانوں کی امداد کی گئی، مکّہ سے ہجرت کرتے وقت اسی روپے سے سواری کے لئے اونٹنیاں خریدی گئیں۔ حضورؐ صدیق رضؓ کو ساتھ لے کر جب مدینہ پہنچے۔ تو صدیق رضؓ کے پاس جو سرمایہ باقی رہ گیا تھا اس سے سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ کے لئے جگہ خریدی گئی۔ جس جگہ پر اس وقت مسجدِ نبوی کھڑی ہے یہ وہی ہے جو حضرت صدیق رضؓ کے روپے سے خریدی گئی تھی۔ حضرت صدیق رضؓ کی طرح فاروق رضؓ کے پاس جو سرمایہ تھا وہ بھی اسلام کی خاطر خرچ ہوا۔

اور یہاں تک کہ جب دونوں ساتھی مدینہ آئے، تو انہیں اپنی گزر اوقات کے لئے پھر سے کاروبار کرنا پڑا۔

حضرت عثمان رضؓ اس وقت حبشہ میں تھے۔ وہاں انھوں نے کافی تجارت کی، اور جب مدینہ لوٹے تو ان کے پاس اچھا خاصا سرمایہ تھا۔ یہ سرمایہ یقیناً ان کی تحویل میں رہتا لیکن یہ سارے کا سارا سرمایہ حضورؐ کی مرضی اور منشاء پر خرچ ہوتا۔ حضورؐ کو جب بھی عوام کی بھلائی کے کسی کام کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی، تو عثمان رضؓ خود بخود یہ سرمایہ حضورؐ کی خدمت میں ڈھیر کر دیتے۔

حضرت عثمان رضؓ کے سرمایہ سے مدینہ میں مسلمانوں کے لئے ایک کنواں

خریدا گیا۔ جنگ کے لئے اسلحہ خریدے گئے سواریاں خریدی گئیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے حضورؐ نے مختلف مواقع پر ایک لاکھ درہم کے قریب روپیہ لے کر عوام کی ضروریات پر خرچ کیا۔

ان میں سے کسی کی دولت ذاتی نہ تھی۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ عوام کی ضروریات پر اپنی ضروریات کو مقدم جانتا۔ البتہ یہ صحیح ہے، کہ یہ اور ایسے کچھ اور لوگ مدینہ میں آنے کے بعد خوشحال ہو گئے۔ ان کے پاس کچھ روپیہ بھی جمع ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں زکوٰۃ دینے کا حکم ملا۔ مقصد یہ تھا، کہ اشخاص کے پاس دولت بند نہ ہو جائے۔

زکوٰۃ ایک ضابطہ ہے۔ اس ضابطہ کے علاوہ رسول اللہؐ خوشحال صحابہؓ سے اسٹیٹ کی روزانہ ضروریات کے لئے بہت کافی روپیہ وصول فرما لیا کرتے محدثین نے ایسے کئی واقعات بیان کئے ہیں جبکہ رسول اللہؐ نے قومی ضروریات کے لئے صحابہؓ سے چندے کی اپیل کی۔ صحابہ اپنے اپنے گھر گئے۔ اور جو کچھ دستیاب ہوا۔ اسے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔

ہم یہاں صرف ایک مثال دیں گے۔ مدینہ میں آئے حضورؐ کو کئی سال ہو چکے تھے، حضورؐ نے ایک قومی ضرورت کے لئے صحابہؓ سے چندہ کی اپیل کی، صحابہؓ اپنے اپنے گھر گئے۔ ان میں حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ بھی تھے، حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ جب لینے اپنے گھر سے لے کے چندے واپس آئے۔ تو حضورؐ نے ان دونوں سے پوچھا، کیا لائے ہو پہلے فاروقؓ سے پوچھا۔

عمر تم کیا لائے اور کیا گھر چھوڑ آئے۔

فاروقؓ نے جواب دیا۔

حضورؐ آدھا لے آیا ہوں اور آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں۔

صدیقؓ کی باری آئی تو حضورؐ نے یہی سوال صدیقؓ سے کیا۔

صدیقؓ نے جواب دیا۔

حضورؐ جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لے آیا ہوں اور

گھر میں خدا اور رسولؐ کی برکت چھوڑ آیا ہوں۔

دولت کی تقسیم کے متعلق حضورؐ کے رویہ کے بعد یقیناً صحابہؓ کا رویہ بھی ہونا چاہیئے تھا۔ یہ لوگ زیادہ خوشحال تھے! اور ان کی حالت یہ تھی، کہ یہ اپنے گھر کا سارا سامان حضورؐ کی خدمت میں لاکر ڈھیر کر دیتے کہ حضورؐ اس سے قومی کام چلائیں۔

علماء نے زکوٰۃ کے باب میں بہت سی نکتہ آفرینیاں کی ہیں، اور ہوتے ہوتے یہی ایک چیز مسلمانوں کے ذہنوں میں باقی رہ گئی ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کے سوا رسول اللہؐ نے اس وقت کے خوشحال مسلمانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی تھیں اور قرآن نے صاف اور واضح الفاظ میں اس کی تشریح کر دی۔

فِیٓ اَمْوَالِکُمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

"تمہارے مال میں سائل اور غریب کا بھی حصہ ہے"

اور یہ حصہ بہت ضروری ہے اتنا ضروری جتنا کہ ذاتی خرچ۔ صحابہؓ نے اس حق کو کس طرح ادا کیا اس کی مثالیں ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ دو مثالیں اور قابل ذکر ہیں۔ رسول اللہؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی، کئی کئی دن ایک ایک وقت کھانے کو ملتا لیکن اس پر بھی وہ عوام کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھتیں۔ ایک دفعہ ایک مانگنے والے نے ان کے دروازے پر دستک دی۔ مانگنے والا بھوکا تھا۔ فاطمہؓ کے ہاں نہ روٹی تھی اور نہ کھانے کی کوئی اور چیز لیکن پاک باپ نے جو تعلیم دی تھی نظر ان سے جو

حق سمجھایا بمقادہ ان کے ذہن میں تھا۔ سائل سے کہا۔ رک جاؤ۔ اندر گئیں اپنی چادر لائیں۔ اور یہ چادر اس کے حوالے کر دی۔ اور فرمایا، اسے بیچ کر اپنا پیٹ بھر لو، اور یہ چادر بھی صرف ایک ہی تھی۔ اور کوئی چادر پاس نہ تھی۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر انھوں نے اپنے ہاں کی ساری روٹیاں فقیر کی جھولی میں ڈال دیں۔ اور خود اور سارا خاندان بھوکا رہا۔

زکوٰۃ یقیناً ایک ضابطہ ہے۔ اور اسلام کا ایک بڑا رکن ہے لیکن زکوٰۃ اسی وقت فرض ہوتی ہے جب مسلمانوں کے پاس زکوٰۃ دینے کے قابل روپیہ جمع ہو اور جب یہ روپیہ نہ ہو۔ تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ساتھیوں کا حق جاتا رہا۔ ساتھیوں کا حق پھر بھی باقی رہتا ہے۔ حضور ؐ کا ارشاد ہے کہ اس شخص کو اپنے آپ کو مسلمان نہ سمجھنا چاہیئے۔ جو رات کو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کے ہمسایہ میں اس کا دوسرا بھائی بھوکے پیٹ رہا ہو۔ حضرت فاطمہ ؓ کی سخاوت کا، جسے ہم غیر معمولی سمجھتے ہیں، سبب یہی حکم نبی تھا۔ اور رسول اللہ ؐ نے اس قسم کے احکام محض اس لئے دیئے۔ کہ جب کوئی ملک یا اس ملک کی غالب آبادی مفلس ہو۔ تو اس وقت مفلس آبادی بھوکوں نہ مرجائے۔ جن لوگوں کے پاس کچھ دولت ہو وہ اس مفلس آبادی میں بٹ جائے۔

دولت جمع کرنا کوئی انسانی شرف نہیں۔ اگر یہ کوئی بڑا انسانی شرف ہوتا تو رسول اللہ ؐ سب سے پہلے یہ شرف حاصل کرتے۔ رسول اللہ ؐ کے نزدیک سب سے بڑا شرف عوام کی بھوک اور ننگ کو دور کرنا تھا۔ اسی لیے حضور ؐ نے اس پر سب سے زیادہ توجہ کی۔

ایک جھلک

تینتیسواں باب

حضورؐ کا میانہ قد اور جسم متناسب تھا۔ رنگ خوب نکھرا ہوا سرخی مائل تھا۔ آنکھیں موٹی موٹی اور سیاہ تھیں۔ چہرہ مبارک بارعب اور انتہائی خوبصورت تھا۔ داڑھی گھنی اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ سر کے بال نہ کثرت تھے اور نہ گھنگھریالے تھے۔ دندان مبارک موتیوں کی طرح سفید اور چمکیلے تھے۔ سر بڑا، سینہ چوڑا، کندھوں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں، ہتھیلیاں بھری ہوئیں، کلائیاں لمبی، پاؤں کی ایڑیاں پتلی اور تلوے نیچے سے خالی تھے۔

صحابہ میں، آپ کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھا جاتا تھا بعض صحابہؓ تو حضورؐ کو بدر کامل سے زیادہ روشن اور خوبصورت پاتے ہے۔

حضورؐ کے جسم مبارک سے ایک خاص قسم کی خوشبو آیا کرتی۔ دونوں کندھوں کے درمیان پشت پر مہر نبوت تھی۔

حضورؐ سر کے بال عموماً آدھے کانوں تک رکھتے۔ بالوں میں باقاعدہ تیل

لہ صحیح مسلم اور ترمذی۔

لگاتے اور کنگھی کرتے۔

حضورؐ کی گفتگو میٹھی ہوتی۔ جو بات فرماتے ٹھیر ٹھیر کر فرماتے بعض ضروری باتوں کو بار بار دہرایا کرتے۔ بہت کم گو تھے۔ آواز میں کبھی تیزی نہیں آئی۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ خوشبو لگاتے۔ گھروں اور مسجد میں نظافت اور صفائی کا بہت خیال رکھتے۔ ہمیشہ باوضو رہتے۔ کمبل، تہ بند حضورؐ کا عام لباس تھا یوں حضورؐ نے ٹوپی، چادر، عبا، حلہ حمرا وغیرہ بھی کبھی کبھی استعمال فرمایا ہے۔ بان کی چارپائی پر بے تکلف آرام فرمایا کرتے جسم مبارک پر بعض دفعہ بان کے نشان پڑ جاتے کبھی کبھی بستر بھی بچھا لیتے۔ یہ بستر چمڑے کا گدا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے گئے تھے، ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔ گوشت، سرکہ، شہد، حلوا، روغنِ زیتون، کدو، دودھ اور موٹی روٹی عموماً حضورؐ کی خوراک تھی۔ دستر خوان پر بیٹھتے وقت جو کھانا سامنے ہوتا اسے نوش فرماتے، اگر کھانا پسند نہ ہوتا تو نہ کھاتے لیکن اسے برا نہ کہتے۔ حضورؐ کو سفید رنگ کا لباس بہت پسند تھا اس کے بعد زرد رنگ کا۔ اکثر حضورؐ زرد رنگ کا لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ سرخ رنگ ناپسند تھا۔ بدبو سے حضورؐ کو سخت نفرت تھی، عموماً پیاز، لہسن اور مولی کو ناپسند فرماتے۔ گھوڑے کی سواری حضورؐ کو بہت پسند تھی۔ گھوڑے کے علاوہ خچر، اونٹ اور گدھے پر بھی سوار ہوا کرتے، گھوڑ دوڑ کا بھی حضورؐ کو بہت شوق تھا۔ صحابہ گھوڑ دوڑ کی مشق کرایا کرتے اور اس میں خود بھی شریک ہوتے۔

حضورؐ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک عبادت کے لئے، دوسرا خدمتِ خلق کے لئے اور تیسرا اپنے لئے۔ عموماً نمازِ فجر کے بعد مسجد میں تشریف رکھتے۔ صحابہؓ کو مسائل سمجھاتے اور ان کی ضروریات کے حل سوچتے دس گیارہ بجے کے قریب گھر تشریف لے جاتے اپنے اکثر کام خود اپنے ہاتھ سے

کرتے۔ پھر ظہر کی نماز پڑھتے۔ نماز عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جایا کرتے۔ باریاں مقرر تھیں جس حرم محترم کی باری ہوتی اسی کے ہاں رات گزارتے، عشا تک سب ازواجؓ ایک جگہ جمع ہو جایا کرتیں۔ عشا کے بعد گھروں کو لوٹ جاتیں۔ حضورؐ آدھی آدھی رات تک عموماً عبادت فرمایا کرتے یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں میں ورم ہو جایا کرتا۔ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے، حضورؐ نہایت اچھے خطیب تھے۔ آپؐ کی تقریریں اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتیں۔

حضورؐ مریضوں کی عیادت کو تشریف لے جایا کرتے۔ غریبوں اور محتاجوں کا ہر قسم کا کام خود کرتے، اکثر جب بازار جاتے۔ تو بیواؤں اور بے نواؤں کے لئے سودے لے کر آتے۔ بلا اجازت کسی کے گھر میں قدم نہ رکھتے اور خود بھی بلا اجازت کسی کو اپنے گھر میں نہ آنے دیتے۔ جنازہ میں شریک ہوتے، مستحقین کی امداد فرماتے۔ اس قدر حلیم الطبع اور ملنسار تھے کہ جب تک کوئی اپنا ہاتھ خود نہ کھینچ لیتا اس وقت تک حضورؐ ہاتھ نہ کھینچتے۔ صحابہؓ میں بیٹھتے وقت امتیاز کی جگہ پر نہ بیٹھتے۔ حضورؐ مجمع میں بیٹھے ہوتے۔ تو کوئی غیر آدمی بیٹھنے کے انداز سے آپؐ کی حیثیت کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ حضورؐ صحابہؓ کو ہمیشہ نیک باتوں۔ معاملات اور باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنے کی تلقین فرماتے رہتے۔ حضورؐ کی طبیعت میں ایک پاکیزہ قسم کا مزاح بھی تھا۔ داد طلب باتوں پر داد دینے میں حضورؐ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ حضورؐ بہادر، سخی اور انتہائی درجہ کے رحم دل تھے۔ کبھی کسی پر سختی نہیں کی۔ حتیٰ کہ غلاموں کو بھی کبھی اپنی ذات کے لئے تکلیف نہیں دی۔ حضورؐ نے عمر بھر کبھی کسی کے لئے بددعا نہیں کی۔ حضورؐ مستقل مزاج اور آہنی عزم کے مالک تھے ساری دنیا خلاف تھی لیکن آپؐ کے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی۔

حضورؐ شہنشاہِ دو عالم تھے لیکن اخلاق کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک دفعہ ایک

بدوی اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا۔ حضورؐ نے سوچا گھر میں چھوہارے ہیں، گوشت لے لیا جائے۔ گھر تشریف لائے تو چھوہارے نہ تھے۔ بدو سے کہا، کہ چھوہارے تو نہیں اب گوشت کیسے لیا جائے۔ بدو نے حسبِ عادت شور مچایا۔ اور گستاخی کی باتیں کیں۔ مگر حضورؐ نے اسے کچھ نہ کہا۔ صحابہؓ نے اسے ڈانٹا لیکن حضورؐ نے فرمایا اسے سب کچھ کہنے کا حق حاصل ہے۔ جب تک اس بدو کو چھوہارے نہ دیئے گئے وہ بولتا ہی رہا مگر حضورؐ خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے۔

ایک دفعہ ایک قافلہ باہر سے آیا۔ حضورؐ نے قافلہ والوں سے ایک اونٹ خریدا۔ قافلہ والوں کو حضورؐ کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ حضورؐ اونٹ کو لے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ قیمت ابھی تک ادا نہیں کی تھی۔ قافلہ والوں کو خیال ہوا۔ کہ حضورؐ کو جانتے نہیں شاید دھوکا نہ دیں۔ ایک دوربین نظر رکھنے والی خاتون نے کہا۔ فکر نہ کرو ایسے خوبصورت اور پر جلال چہرے والے دھوکے باز نہیں ہوتے۔ شام کو حضورؐ نے اونٹ کی قیمت اور قافلہ کے لئے کھانا بھجوا دیا۔ تو سب قافلہ کو اطمینان ہوا۔

حضورؐ بچوں اور بڑوں سے انتہائی اخلاق سے پیش آتے۔ مدینہ کے بچے آپ سے بہت مانوس تھے۔ جب حضورؐ حجۃ الوداع کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے مکہ کے بچے اس محبوب ذات کے استقبال کے لئے دوڑے آئے۔ بچوں سے تو کیا جانوروں کے ساتھ انتہائی رحم سے پیش آتے۔ جانوروں پر سختی کرنے سے ہر ایک کو باز رکھتے۔ حضورؐ انتہا درجہ کے عادل، منصف، اور حق پسند تھے۔ انصاف کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے۔ حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ اگر فاطمہؓ بھی چوری کریں تو ان کے ہاتھ بھی عام مجرموں کی طرح کاٹ دیئے جائیں گے۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں جس قسم کے عدل و انصاف

کے نمونے پیش کئے۔ دنیا ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ حضورؐ کے ہاتھ سے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی۔ تو حضورؐ اسے اپنی ذات سے انتقام لینے کا حکم دیتے حضورؐ نے کبھی کسی سوالی کو رد نہیں کیا۔ خود بھوکے رہے لیکن کسی حاجت مند کی حاجت روائی میں بخل سے کام نہیں لیا۔ حضورؐ نے ہمیشہ اپنی ضروریات پر قوم کی ضروریات کو مقدم جانا۔ حضرت فاطمہؓ حضورؐ کو کتنی پیاری تھیں لیکن حضورؐ نے غلام یا کنیز کے لئے ان کی درخواست محض اس لئے رد کر دی کہ آپ صحابہؓ کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام نہیں کر سکے تھے۔ حضورؐ انتہا درجہ کے مہمان نواز تھے۔ خود بھوکے سو رہتے۔ مگر مہمان کو بھوکا رکھنا آپ کی غیرت کو کبھی گوارا نہ ہوا۔ اصحابِ صفہ ہمیشہ حضورؐ کے مہمان ہوتے اور اکثر ایسا ہوتا، کہ حضورؐ اپنا اور اپنے گھر والوں کا کھانا، انہیں کھلا دیا کرتے اور خود بھوکے رہتے، مہمان نوازی میں کافر و مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ جو بھی آیا اس دربار سے مایوس نہ لوٹا۔

حضورؐ کے ہاں ایک بہت بڑا پیالہ تھا۔ دوپہر کے وقت اس میں کھانا ڈال کر اصحابِ صفہ کو بلاتے اور انہیں اپنے سامنے کھلاتے۔

صحاح ستہ میں حضورؐ کے اخلاق و آداب کے باب میں بے شمار ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قطعۂ ارض پر آج تک نہ کوئی اتنا خلیق، ملنسار اور پاکیزہ صفت انسان پیدا ہوا ہے اور نہ ہو گا۔[1]

اپنوں کے ساتھ تو سب پیار کرتے ہیں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ مگر شہنشاہِ دو عالم کا ابرِ کرم دیکھو کہ یہ ہر خشک اور پیاسی زمین پر برستا ہے۔ اس کے ہاں یہ تمیز نہیں۔ کون کافر ہے اور کون مسلمان۔

ایک رات ایک کافر مہمان ہوا۔ حضورؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے بکری کا دودھ

[1] تفصیل کے لئے دیکھیے صحیح بخاری (کتاب الصدقات شمائل ترمذی، ابو داؤد کتاب الادب)

دودھ کر پلایا۔ مگر اس کا پیٹ نہ بھرا۔ حضورؐ نے دوسری بکری دوہی۔ اسی طرح سات بکریاں دوہیں۔ مگر یہ شخص پیتا ہی چلا گیا۔ یہ چیز اخلاق کے خلاف تھی ہم اور آپ ہوتے تو ایسے بدتمیز کو خدا جانے کیا سزا دیتے۔ مگر خلقِ مجسّم کا کمال دیکھو، کہ اس بدتمیز کی حرکت کو نہ صرف گوارا ہی کیا، بلکہ اسے خوش ہو ہو کر دودھ پلاتے چلے گئے اور جب وہ سیر ہو گیا تو حضورؐ بہت خوش ہوئے ؎۱

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ حضورؐ کی سخت دشمن تھیں اکثر حضورؐ کو برا بھلا کہا کرتیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کو بہت برا معلوم ہوتا۔ مگر جس وجودِ پاکؐ کو وہ گالیاں دیتیں وہ اسے دعا دیا کرتا۔

حضرت اسماءؓ کی والدہ مشرکہ تھیں، مدینہ آکر حضرت اسماء سے اس نے امداد مانگی، حضرت اسماءؓ نے سمجھا کہ مشرکہ کے ساتھ شائد نیک سلوک کی اسلام اجازت نہ دے اس لئے حضورؐ سے پوچھا حضورؐ نے فرمایا۔ ماں کے ساتھ احسان کرو ؎۲

کفارِ مکہ اور طائف نے حضورؐ کو کتنی سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ مگر حضورؐ نے ان کے لیئے بددعا تک نہیں کی۔ مدینہ کے منافقوں نے اسلام کی بربادی کے لئے کیا کچھ کیا مگر سرکارؐ نے ہمیشہ ان کی لغزشیں معاف فرمائیں۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی رئیس منافقین کے کفن کے لئے اپنی قمیص عطا فرمائی۔ اور جنازے کی نماز پڑھی۔

مدینہ اور خیبر کے یہود نے کفارِ مکہ سے مل کر اسلام اور حضورؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ یہاں صرف یہ سمجھ لیجئے کہ یہود اکثر حضورؐ کو گالیاں دیا کرتے۔ مذاق اڑاتے لیکن رحمتِ عالمؐ نے ہمیشہ ان سے درگزر کیا۔ نصاریٰ کے ساتھ بھی حضورؐ کا برتاؤ نہایت شریفانہ تھا۔ نجران

؎۱ ترمذی ؎۲ صحیح بخاری

کے عیسائی وفد کے سلسلہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حضورؐ نے انہیں اپنی مسجد میں ان کے طریقہ پر نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ آج تک دنیا میں اس قسم کی مذہبی رواداری کی مثال نہیں پیش کی جا سکی۔

دشمنوں سے حضورؐ عام طور پر جس رواداری اور عفو کا سلوک فرماتے اس کی چند مثالیں اور سن لیجیے:۔

حضورؐ ایک دفعہ ایک درخت کے نیچے پڑے آرام فرما رہے تھے، تلوار درخت کی ایک شاخ سے لٹک رہی تھی۔ ایک دشمن نے موقع کو غنیمت جانا، تلوار ہاتھ میں لے لی۔ حضورؐ کی بیدار آنکھیں دفعتاً کھل گئیں۔ بدوی نے شوخی میں کہا:۔

محمدؐ تمہیں ہم سے کون بچا سکتا ہے؟

محمدؐ ننگی تلوار دیکھ کر ڈرنے والے نہ تھے۔ فرمایا۔

"محمدؐ کا خدا"

یہ الفاظ نہیں تھے نبوت کی ادا تھی۔ دشمن کے ہاتھ کانپنے لگے، تلوار گر گئی۔ کوئی اور ہوتا تو جانتے ہو اس کا کیا انتقام لیتا۔ نہ صرف یہ کہ دشمن قتل کیا جاتا بلکہ اس کے عزیز و اقارب اور دوست بھی تلوار کی گھاٹ اترتے مگر حضورؐ نے اسے معاف فرما دیا ایک اور دفعہ ایک دشمن نے ایسی ہی حرکت کی۔ مگر اسے بھی معاف کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے وقت حضورؐ ایک فاتح کی شان سے مکہ میں داخل ہوئے دشمنوں کے ایک گروہ نے حضورؐ کو قتل کرنے کی سازش کی، یہ سازش پکڑی گئی۔ مگر حضورؐ نے سب سازشیوں کو معاف کر دیا۔

سا صحیح مسلم کتاب الادب

طبری نے عمیر بن وہب کی ایک داستان لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر حضورؐ کے قتل کے ارادہ سے مدینہ پہنچا۔ صحابہؓ کو اس کی نیت بد کا علم ہو گیا۔ حضرت فاروقؓ بھلا یہ کیسے گوارا فرماتے۔ کہ شمع عالم کو کوئی بجھانے کی کوشش کرے۔ تلوار کھینچ کر بولے۔ حکم ہو تو اس کا سر اڑا دوں، مگر وہاں نور رحمت دو عالمؐ کا معاملہ تھا۔ فرمایا۔

"اسے معاف کر دیا جائے"

اس عفو اور کرم کا نتیجہ دیکھو کہ عمیر اسی وقت اسلام لے آیا۔[1]

قاتلوں کے ساتھ آج تک کبھی کسی نے ایسا سلوک کیا ہے۔ یہ تہذیب تمدن کا دور ہے۔ تہذیب دن بہ دن ترقی کرتی چلی جا رہی ہے لیکن تم جانتے ہو آج کی دنیا آمروں پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ اسٹالن کے قتل کی جو سازشیں کی گئیں۔ ان کی لپیٹ میں اس وقت تک کئی ہزار بے گناہوں کی جانیں بھی آئیں اور ضائع ہوئیں۔

---

[1] طبری۔ صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ ترمذی مسدد فتح۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳

کہکشانِ نبوت

چونتیسواں باب

حضورؐ نے نو یا گیارہ نکاح فرمائے۔

سب سے پہلے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے جو مکہ کی ایک شریف اور پاکدامن بیوہ تھیں نکاح کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی۔ پھر بھی حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ سے بہت محبت تھی۔ سب سے پہلے حضورؐ پر یہی پاک باطن خاتونِ محترم ایمان لائیں ان کی زندگی میں حضورؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ پچیس سال تک زندہ رہیں اور حضورؐ ان سے آخر دم تک انتہائی محبت فرماتے رہے۔ حضرت خدیجہؓ بہت با اخلاق۔ فیاض اور نیک دل خاتون تھیں حضورؐ کی خدمت جس طرح انھوں نے کی اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضورؐ چونکہ بہت مغموم تھے اس لئے خولہ بنت حکیمہ کے اصرار پر حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کیا، سودہؓ ایک شریف اور ایماندار معمر بیوہ تھیں ساری عمر حضورؐ کی سچے دل سے خدمت کرتی رہیں بڑی فیاض، رحم دل اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ حضورؐ کے بعد ۲۲ھ میں انتقال فرمایا

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم کے اصرار پر حضورؐ نے صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ مدینہ میں ان کی رخصتی کی رسم ادا ہوئی اس وقت حضرت عائشہؓ نو سال کی ہو گئی تھیں۔ غیر مسلم مورخین نے سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ کے نکاح پر اعتراضات کئے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو یہ نکاح حضرت ابوبکرؓ نے ایک تو اپنی خوشی سے کیا۔ دوسرے حضرت عائشہؓ نو سال کی عمر میں بالغ ہو گئی تھیں۔ بالغ لڑکی سے نکاح دنیا کے کسی آئین کی رو سے ناجائز نہیں جب ناجائز نہیں۔ تو اس نکاح پر غیر مسلموں کے تمام اعتراضات لغو قرار پاتے ہیں۔

حضورؐ کے وصال کے وقت حضرت عائشہؓ ۱۸ سال کی تھیں۔ حضورؐ کے بعد ۴۸ سال تک زندہ رہیں ۵۸ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضورؐ کو حضرت عائشہؓ سے بے حد محبت تھی۔ حضرت عائشہؓ کی بیشمار خوبیاں اس محبت کا باعث تھیں۔ حضرت عائشہؓ بڑی ذہین۔ طباع، دور بین اور معاملہ فہم تھیں۔ تفسیر و حدیث، فقہ، خطابت، ادب، انساب میں حضرت عائشہؓ کو کمال حاصل تھا۔ بڑے بڑے صحابہؓ آپؓ سے مشکل سے مشکل مسائل حل کراتے۔ حضرت عائشہؓ سے دین کے ہر معاملہ میں ۲۲۱۰ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔

حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ جوانی میں بیوہ ہوئیں حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی۔ حضرت صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ سے انہیں نکاح میں لینے کی درخواست کی۔ مگر وہ دونوں راضی نہ ہوئے۔ حضورؐ سے درخواست کی، تو حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرما لیا۔ حضرت حفصہؓ باپ کی طرح ذرا سخت

مزاج تھیں مگر حضورؐ سے انتہائی محبت اور خلوص سے پیش آتیں حضورؐ کے وصال تک حضورؐ کی ایک وفادار اور سچی رفیقۂ حیات کی طرح خدمت کی حضرت حفصہؓ بڑی فیاض، صاف دل اور نیک خاتون تھیں ۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔

پھر حضرت زینبؓ نکاح میں آئیں۔

حضرت زینبؓ بھی ایک ایمان دار بیوہ تھیں۔ جنگ احد کے بعد حضورؐ نے ان سے نکاح کیا۔ مگر چند مہینے بعد انتقال فرما گئیں۔ بڑی فیاض اور سخی تھیں اسی لئے ام المساکین کے لقب سے مشہور ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر کا نام ابو سلمہؓ تھا۔ یہ حضورؐ کے رضاعی بھائی تھے جنگِ اُحد میں زخمی ہونے کی وجہ سے وفات پائی اس وقت حضرت ام سلمہؓ حاملہ تھیں وضعِ حمل کے بعد عدت ختم ہونے پر حضورؐ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ مگر انھوں نے چند عذر پیش کئے۔

میں غیور ہوں۔

میرے بچے ہیں۔

عمر زیادہ ہے۔

حضورؐ کا اس نکاح سے مقصد تالیفِ قلب تھا اس لئے یہ سب عذر قبول فرمائے اور نکاح کر لیا۔

حضرت ام سلمہؓ بہت ذہین، معاملہ فہم اور صاحب نظر تھیں۔ بہت سے مسائل میں انھوں نے احادیث روایت فرمائی ہیں۔ تمام ازواج مطہرات کے انتقال کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

حضرت زینبؓ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں پہلے ان کا نکاح حضرت زیدؓ بن حارث سے ہوا۔ پھر انھوں نے طلاق دی تو حضورؐ نے خدا کے حکم سے ان سے

نکاح کیا۔ حضرت زینبؓ بڑی عابدہ و زاہدہ اور سخی خاتون تھیں۔ حضورؐ کو ان سے بہت محبت تھی۔ وہ بھی حضورؐ سے انتہائی عقیدت و محبت رکھتی تھی۔ زیادہ وقت عبادت میں گزارتیں۔ اپنے ہاتھ سے معاش پیدا کرتیں اور جو کچھ آمدنی ہوتی اُسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیتیں۔ حضورؐ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان ہی بزرگ و محترم خاتون نے انتقال فرمایا۔

حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ حارث سے جو جنگ ہوئی، اس میں پکڑی آئیں۔ حضورؐ نے انہیں آزاد کر دینے کے بعد ان سے نکاح فرمالیا۔ بڑی نیک، پاکدامن اور فرمانبردار خاتون تھیں۔ ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت ام حبیبہؓ کا اصل نام رملہ تھا۔ شروع میں ایمان لائیں اور اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں وہاں ان کے شوہر عیسائی ہو گئے مگر یہ اسلام پر سختی سے قائم رہیں۔ شوہر نے طلاق دے دی۔ حبشہ میں ان کا کون تھا۔ حضورؐ کو ان کی بے کسی کی اطلاع ہوئی۔ شاہ حبشہ کے ذریعہ ان سے نکاح کیا۔ شاہ حبشہ نے حضورؐ کی طرف سے چار سو دینار ان کا ادا کیا۔ اور یہ کچھ دن بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ ۴۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت صفیہؓ کا اصل نام زینب تھا۔ قبیلہ بنو نضیر کے سردار کی بیٹی تھیں۔ جنگ خیبر میں یہودیوں کو شکست ہوئی تو یہ قیدیوں کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ حضورؐ نے انہیں آزاد کرنے کے بعد اپنے نکاح میں لے لیا۔

حضورؐ کو حضرت صفیہؓ سے بہت محبت تھی۔ ہمیشہ ان کی دلجوئی فرمایا کرتے چونکہ یہ یہودی خاندان کی بیٹی تھیں اس لئے ازواج مطہرات میں سے بعض انہیں کبھی کبھی

یہودیہ کہہ دیا کرتیں انہیں ناگوار گزرتا۔ تو حضورؐ ان کی ہر طرح دلجوئی فرماتے اور کہا کرتے، کہ تم ان سے کیوں نہیں کہتیں کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا، اور محمدؐ میرے شوہر ہیں ایسی حالت میں تم کو مجھ پر کونسی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ بڑی نیک دل، عابدہ اور فرمانبردار خاتون تھیں۔

حضرت میمونہؓ بیوہ تھیں، حضورؐ سے پہلے دو شخصوں مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی اور ابوراہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں ابوراہم کے انتقال کے بعد حضورؐ نے ان سے نکاح کیا۔ ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت میمونہؓ بھی بڑی صالح، پاکدامن اور نیک خاتون تھیں۔

حضرت ماریہؓ قبطیہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ آپؐ کی لونڈی تھیں۔ شاہ مصر نے انہیں نذر کے طور پر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضورؐ نے انہیں اپنے حرم میں داخل کر لیا، حضرت ابراہیم ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ یہ خیال غلط ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ لونڈی ہی کی حیثیت میں رہیں۔ گو تاریخ سے یہ شہادت نہیں ملتی کہ حضورؐ نے ان سے نکاح کیا لیکن حضورؐ کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ حضورؐ نے ان سے انہیں آزاد کرنے کے بعد یقیناً نکاح کر لیا تھا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ صحابہؓ کا وہی سلوک رہا جو دوسری ازواج مطہرات سے تھا۔

حضورؐ ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور شرافت کا سلوک کرتے ازواج کی باریاں مقرر تھیں، ہر ایک کے ہاں باری باری تشریف لے جاتے کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔ ہر حرم کے لئے ایک علیحدہ علیحدہ حجرہ بنا تھا۔ کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھتیں تھیں، اکثر بارش کے وقت ٹپکنے لگتیں۔ ازواج مطہرات نے

بارش سے بچنے کے لئے کمبل کے ٹکڑے سوراخوں میں ٹھونس رکھے تھے۔

حضورؐ نے کبھی کسی حرمِ محترم کی دل شکنی نہیں کی! اور نہ انہیں رنجیدہ کیا البتہ ازواج مطہرات میں تقاضائے فطری سے کبھی کبھی آپس میں چل جاتی حضورؐ اکثر صفائی کرا دیتے۔ حضورؐ کو سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ سے محبت تھی اس کی وجہ خوبصورتی نہ تھی بلکہ ذہانت طباعی اور اکتساب کی صلاحیت تھی۔

حضورؐ کو اپنی ضروریاتِ زندگی کی نہ کبھی فکر ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ البتہ ازواج مطہرات کے گزر اوقات کے لئے حضورؐ کو تردّد کرنا پڑتا۔ فتح خیبر کے بعد حضورؐ کو اس فکر سے کسی حد تک چھٹکارا مل گیا۔ فدک کی زمین کی پیداوار سے ہر حرمِ محترم کے لئے سالانہ بیس وسق جو اور اسی وسق کھجور مقرر کر دیئے گئے۔

ازواج مطہرات کی زندگی بہت سادہ تھی کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ جن حجروں میں یہ سب ازواج رہتیں۔ وہ سات آٹھ فٹ سے زیادہ وسیع نہ ہوتے مٹی کی دیواریں، کھجور کے پتوں کی چھتیں۔ یہ تھی ان حجروں کی ظاہری صورت، ان کے اندر ایک ایک ٹھلیا، چند مٹی کے برتن، ایک ایک چٹائی، یہ تھا سامان سارے جہان کے آقاؐ کی ازواج کے مکانات کا۔ ایک وقت ان کے پاس ایک ایک جوڑے کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ ان کے پاس نہ کوئی زیور تھا۔ اور نہ کوئی آرائش کا دوسرا سامان! اگر کبھی عزیزوں، رشتہ داروں کے ہاں سے کوئی ایسی چیز انہیں دستیاب بھی ہو جاتی تو حضورؐ انہیں یہ آرائش کی چیزیں پہننے سے روک دیتے۔ حضورؐ کے نزدیک دنیا کا یہ سادہ سا ساز و سامان ہیچ تھا۔ آپؐ کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی وقعت نہ تھی۔

غیر مسلم اور خاص طور پر یورپین مورخین نے حضورؐ کی زندگی کے اس شعبہ پر

ﷺ۱۔ صحیح بخاری (جلد اوّل)

بے شمار اعتراضات کئے ہیں۔ ان لوگوں کو غلط فہمی ہے۔ کہ حضورؐ نے آتنے نکاح محض جذباتِ شہوانی کی بنا پر کئے (نعوذ باللہ)

اے کاش! یہ لوگ جانتے۔ کہ حضورؐ کی ساری زندگی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کہ حضورؐ نے اس دنیا کے عیش و آرام کو کبھی پسند کیا ہو۔ جو ذاتِ پاک بان کی کھردری چارپائی پر کچھ بچھائے بغیر آرام فرمانے کی عادی ہو۔ جو پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننے کو انتہائی شرافت سمجھتی ہو اس کی زندگی میں، کیا شہوت یا نفسانی خواہشات کو اتنا دخل ہو سکتا ہے؟

غور فرمائیے کہ انسان کے شہوانی جذبات اسی وقت بے قابو ہوتے ہیں جب وہ جوان ہو۔ بلوغت کے بعد یہ بے راہروی شروع ہوتی ہے لیکن حضورؐ کی زندگی کہتی ہے کہ آپؐ پچیس سال کی عمر تک عالمِ تجرد میں رہے، پھر پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سال کی معمر خاتون سے شادی کی، حالانکہ عرب میں تعددِ ازدواج کا بہت زیادہ رواج تھا لیکن حضورؐ نے اس محترم خاتون کی موجودگی میں پچیس سال تک کوئی دوسری شادی نہیں کی اور نہ عام عربوں کی طرح کسی قسم کی بے اعتدالی کی۔ غیر مسلم مورخین خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں ۔ پچیس سال سے پچاس سال تک کی عمر ہی اصل پوچھو تو انسان کی اصل عمر ہے۔ پچاس سال کے بعد توقوائے انسانی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس عمر میں حضورؐ پینسٹھ سال کی معمر خاتون سے انتہائی محبت اور وفاداری کے ساتھ زندگی گزارتے رہے اور ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ ان کا ذکر محبت کے ساتھ کرتے رہے۔

ایسا شخص جو ایک بڑی عمر کی عورت کو زندگی بھر نہایت پیار سے یاد کرتا رہے اور اس وقت کرتا رہے جبکہ اس کے پاس ایک نہیں کئی نوجوان اور خوبصورت بیویاں ہوں

ؔ دی لائف آف محمد (سر ولیم میور)

کیا شہوانی جذبات سے مغلوب ہو سکتا ہے؟

شہوانی جذبات رکھنے والے انسانوں کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں کون نہیں جانتا، کہ ایسے لوگ، اپنے حرم میں جمع ہونے والی عورتوں کو کس آرام اور آسائش کے ساتھ رکھتے ہیں انہیں طرح طرح کے سامانِ آرائش و زیبائش لاکر دیتے ہیں کئی کئی قسم کے عمدہ سے عمدہ لباس مہیا کرتے ہیں۔ زیور بنواتے ہیں۔ ان کے رہنے سہنے کے لئے اچھے سے اچھے مکانات تیار کراتے ہیں لیکن حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات کے لئے جو سامان مہیا کر رکھا تھا اس کی کیفیت آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں جو حجرے انہیں رہنے کو دیئے گئے تھے ان کی چھتیں درست تھیں اور نہ دیواریں، نہ فرش اور نہ صحن۔ کھانے کو جَو اور کھجوریں دی جاتیں گھروں میں مہینوں آگ نہ جلتی، رات کو چراغ تک روشن نہ کئے جاتے۔ ایک ایک کپڑے کے سوا کسی حرم کے پاس کوئی فالتو کپڑا نہیں تھا۔ نہ کوئی زیور تھا اور نہ کوئی اور آرائش و زیبائش کی چیز۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے درویش خانہ میں چند راہبات زندگی کے بے لطف دن گزار رہی ہوں ان کی طرف سے اگر تقاضائے انسانی کے باعث ایسی چیزوں کی خواہش ظاہر کی گئی اور اس وقت کی گئی جب مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی اور حضورؐ سارے عرب کے شہنشاہ تسلیم کر لئے گئے تو حضورؐ کی طرف سے جواب ملا۔

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ
زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ
سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔

اگر تم دنیاداری کی زندگی اور زیب و زینت کے سامان چاہتی ہو۔ تو آؤ میں تمہیں یہ سب سامان دے کر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی طالب ہو اور آخرت کی زندگی کو چاہتی ہو۔ تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے نیکوکار عورتوں کو بہت بڑا جزا دے گا۔ اور یاد کرو۔ ان آیات اللہ اور حکمت کو جو تمہارے گھروں میں عام ہو رہی ہے۔

اگر حضورؐ کے پیش نظر کثرتِ ازدواج سے نفسانی جذبات کی تسکین ہوتی، تو حضورؐ اپنی ازواج مطہرات کو یہ جواب نہ سناتے۔ قرآن حکیم نے حضورؐ اور حضورؐ سے متعلق عورتوں کی زندگی کے مقاصد کی پوری تشریح کر دی۔ قرآن نے ان سے صاف کہہ دیا۔ کہ تمہارا مقصدِ زیست یہ نہیں، تم تو نیکی اور زہد و تقویٰ کی زندگی گذارنے آئی ہو۔ یہ زیب و زینت کی چیزیں تمہاری جیسی باعظمت عورتوں کو زیب نہیں دیتیں۔ تم تو ان سب سے بالا ہو۔ تم تو نبی سے اس لئے وابستہ کی گئی ہو کہ تمہارے ذریعہ دین کے اسرار واضح ہوں۔

اور سچ پوچھو تو ازواج مطہرات کے ذریعہ سے امت کو دین کے بے شمار اسرار معلوم ہوئے۔ حضورؐ ایک عالمگیر نظام زندگی لے کر آئے تھے۔ اسلام مرد اور عورت دونوں کی زندگیوں کو انتہائی خوشگوار اور پاک صاف بنانے کے لئے آیا۔ حضورؐ اگر زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرتے۔ تو عورتوں

کے کردار کو بہتر بنانے کے لئے وہ مسائل جو صرف عورتوں ہی کے ذریعہ عام کئے جا سکتے تھے کیسے عام ہوتے؟ ایک عورت یہ اتنا بڑا کام نہیں کر سکتی تھی اس مذہب کی ہمہ گیری جس کے افراد کروڑوں سے گزر کر اربوں تک بڑھنے والے تھے اس بات کی متقاضی تھی کہ علمبردارِ شریعت اپنی عملی زندگی کے ایک ایک جزو اور ایک ایک نکتے کو واضح کر دے۔ عورت مرد کی سب سے بڑی رازدار ہوتی ہے۔ وہی اس کے ساتھ سب سے زیادہ وقت گزارتی ہے اسی لئے عورت کو مبلغِ اخلاق کی حیثیت سے چنا گیا۔ حضورؐ کی ازواجؓ میں سے صرف حضرت عائشہؓ نے دو ہزار سے زیادہ اہم مسائل کے متعلق مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے۔ اگر حضرت عائشہؓ نہ ہوتیں تو یہ مسائل کیسے ہم تک پہنچتے۔ پھر دوسری ازواج نے بھی ہم تک بہت سے دینی اسرار پہنچائے ہیں۔

اگر حضورؐ کو شہوانی جذبات ہی کی تسکین مقصود ہوتی تو آپؐ بیوہ عورتوں سے شادی نہ کرتے حضرت عائشہؓ کو چھوڑ کر باقی سب عورتیں بیوہ تھیں اور وہ بھی چند کے سوا جوانی کی عمر سے گزر چکی تھیں حضورؐ اگر چاہتے تو عرب کی خوبصورت سے خوبصورت کنواری عورتوں کا جھرمٹ کا جھرمٹ اپنے گرد جمع کر سکتے تھے۔ وہ لاکھوں غلامانِ محمدؐ جو حضورؐ کے پسینہ کی جگہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک گرانے سے دریغ نہیں کرتے تھے یقیناً اپنی نوجوان کنواری لڑکیوں کو حضورؐ کے قدموں میں جمع کر دیتے۔ پھر حدیث بتاتی ہے کہ بہت سی خوبصورت اور جوان عورتیں حضورؐ کی خدمت میں محض اس خیال سے حاضر ہوئیں کہ وہ اپنے وجود کو حضورؐ کی بارگاہ میں نذر کے طور پر پیش کریں مگر حضورؐ نے بحکم خداوندی کی بنا پر ایسی تمام عورتوں کی درخواستیں رد کر دیں۔ شہنشاہِ دو عالم جس بڑے سے بڑے خاندان کی خوبصورت سے خوبصورت عورت

سے نکاح کرنا چاہتے، وہ عورت آپؐ سے نکاح نہ کرتی، یہ بہت بعید از قیاس بات ہے۔ مگر حضورؐ نے ایسا نہیں کیا۔ آپؐ نے ان چند عورتوں سے ہی نکاح کرنا مناسب جانا جو دین کے اسرار و رموز کو بہتر طریقے پر یاد رکھ سکتی تھیں آپ کو یاد ہوگا، کہ حضورؐ کو حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ محبت تھی، کیا حسن و خوبصورتی کی وجہ سے؟ حسن و خوبصورتی کے اعتبار سے حضرت زینبؓ حضرت صفیہؓ ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، مگر مسائل کو اخذ کرنے کی صلاحیت ان میں اتنی نہ تھی جتنی حضرت عائشہؓ میں تھی اس لئے حضرت عائشہؓ زیادہ منظورِ نظر ہوئیں اور ان کی وساطت سے ہزاروں مسائل مسلمانوں پر واضح ہوئے۔

پھر اگر ان نکاحوں کی تفصیل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ان میں سے کئی نکاح تالیفِ قلب کے لئے تھے، مثلاً حضرت ام سلمہؓ سے محض اس لئے نکاح کیا گیا، کہ انھوں نے بہت سے صدمے اٹھائے تھے۔ ۳۵ سال کی عمر میں انہیں کوئی بہتر شوہر نہ ملتا ان کی پہلی پاک زندگی اور اسلام کے لئے قربانیاں اس بات کی سفارش تھیں کہ حضورؐ انہیں اپنے دامنِ کرم میں پناہ دیں۔ حضورؐ نے جب ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہا، حضور میرے بہت سے بچے ہیں۔ میری عمر بہت زیادہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، مجھے کوئی اعتراض نہیں، اور اعتراض ہوتا بھی کیوں جب مقصد تالیفِ قلب تھا۔

حضرت حفصہؓ سے نکاح میں حضرت عمرؓ جیسے عزیز اور محبوب دوست کو نوازنا مقصود تھا۔ صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ حضورؐ کے نکاح میں تھیں، حضرت عمرؓ کو بھی حضورؐ کی ذاتِ گرامی سے اس قسم کا تعلق پیدا کرنے کی انتہائی خواہش تھی، اور حضورؐ نے یہ خواہش پوری کر دی! اور حضرت حفصہؓ سے نکاح

بکر لیا۔ حضرت صفیہؓ سے نکاح سیاسی نکاح تھا۔ یہود حضورؐ کے بہت پرانے دشمن تھے۔ صفیہؓ یہود کے سردار کی لڑکی تھی۔ حضورؐ چاہتے تھے، کہ ان سے نکاح کرکے یہود کو رشتہ دار بنالیں تاکہ یہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ حضرت ام حبیبہؓ مکہ سے ہجرت کرکے حبشہ چلی گئیں ان کے شوہر حبشہ جاکر عیسائی ہوگئے۔ غربت اور بے وطنی میں یہ صدمہ حضرت ام حبیبہؓ کے لئے کیسے برداشت ہوتا۔ ان کا دل چھلنی ہوگیا۔ حضورؐ کو ان کی بے کسی کی خبر پہنچی! اور حضورؐ نے ان کی بے کسی کو دور کرنے کے لئے ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔

حضرت جویریہؓ بنی المطلق کے ایک سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ بنی المطلق نے شرارت کی حضورؐ نے ان کو شکست دی، جویریہؓ پکڑی آئیں حضورؐ نے انہیں آزاد کرکے اپنے نکاح میں لے لیا مقصد یہ تھا کہ بنی المطلق کی شرارتیں کم ہوجائیں چنانچہ یہی ہوا۔ اور بنی المطلق کا سارا قبیلہ نبوت کا جان نثار بن گیا۔

حضرت زینبؓ .... حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں حضورؐ نے حضرت زیدؓ سے ان کا نکاح کردیا تھا۔ دونوں میاں بیوی میں بنتی نہ تھی۔ زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ خود حضورؐ نے یہ نکاح کیا تھا۔ زینبؓ اور اس کے رشتہ داروں کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ عربوں کے تفاخر نسبی کی یہ حالت تھی کہ وہ ایسی عورت سے شادی کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ جو ایک غلام کے نکاح میں رہ چکی ہو۔ پھر حضورؐ کو ایک اور اہم مسئلہ واضح کرنا بھی مقصود تھا۔ کہ منہ بولے بیٹے صلبی بیٹے نہیں ہوتے، ان کی بیویوں سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ حضورؐ نے ان چند وجوہ کی بنا پر حضرت زینبؓ سے نکاح کیا اگر حضورؐ ان سے نکاح کرنے کے آرزومند ہوتے تو کنوارپنے کی حالت میں کیوں نکاح نہ کرلیتے۔ جبکہ حضرت زینبؓ کے رشتہ داروں نے خود حضورؐ

سے یہ خواہش بھی کی تھی۔

غرض حضورؐ نے جتنے نکاح بھی کئے۔ ان کی ضرورت تو می. ملی اور سماجی وجوہ کی بنا پر پیش آئی۔ حضورؐ نے کوئی ایک نکاح بھی شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا۔

یہاں ایک اور چیز بھی قابلِ غور ہے۔ کہ حضورؐ کی راتوں کا زیادہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزرتا۔ رات رات بھر خدا کے حضور کھڑے رہتے۔ پاؤں میں ورم ہو جاتا۔ اگر حضورؐ پر شہوت کا غلبہ ہوتا۔ تو عبادت سے اتنا لگاؤ کیوں ہوتا۔ شہوانی انسان تو ہر وقت عورتوں کے جھرمٹ میں رہنے کو زندگی کا حاصل سمجھتا ہے۔

خدا جانے، حضورؐ کے تعددِ ازدواج پر اعتراض کرنے والے حضورؐ کی زندگی کے ان واقعات کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دنیا کے ایک اتنے بڑے اور حیرت انگیز مصلح کی ذات پر اعتراض کرنے کے لئے بھی تو کسی حد تک انصاف اور دیانت کی ضرورت ہے۔ اگر حضورؐ کی زندگی میں ان لوگوں کو کوئی عیب نظر آتا ہے۔ تو وہ اُسے واقعات وشواہد کی روشنی میں دیکھیں۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں۔ کہ محض غلط قیاسات کی بنا پر وہ زبانِ طعن دراز کرنے لگیں۔

انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ حضورؐ نے اپنی عملی زندگی کے ایسے حیرت انگیز نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔ کہ اب تک وہ ان کی نظیر پیش نہیں کر سکی۔ حضورؐ نے اپنی عمر میں کبھی ایک دفعہ جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی چوری نہیں کی۔ کبھی زنا نہیں کیا۔ کبھی شراب نہیں پی۔ کبھی کسی کا حق نہیں مارا۔ کبھی کسی چغلی نہیں کی۔ کبھی کسی کے مال میں خیانت نہیں کی۔ کبھی

کسی کو گالی نہیں دی کبھی کسی پر سختی نہیں کی کبھی کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا۔ کبھی کسی کی آبرو پہ ہاتھ نہیں ڈالا جس ذاتِ پاک کی ساری زندگی میں کوئی عیب نظر نہ آئے۔ کیا وہ ذاتِ پاک شہوانی جذبات سے مغلوب ہو سکتی ہے؟

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔

صدیقِ اکبرؓ

پینتیسواں۳۵ باب

تاریخ اسلام لکھنے والے کا ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ وہ سید کون ومکاںؐ کی جانشینی کے مسئلہ پر ایک غیر جانبدار کی حیثیت سے نظر ڈالے مسئلۂ خلافت امت کے دوسرے ما بہ النزاع مسائل کی طرح شروع سے لے کر اس وقت تک مختلف فیہ رہا ہے۔ اور سچ پوچھو تو اسی مسئلہ نے ملت کے مستقبل پر نہایت برے اثرات ڈالے۔ لوگ بھول گئے۔ کہ محمد سید کون ومکاں اس دنیا میں کس بلند حیثیت میں تشریف لائے۔ یہ لوگ خونی رشتوں اور صلبی تعلقات کی اہمیت پر زور دینے لگے۔ ان کے سامنے حضورؐ کے آخری دن نہ رہے انھوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ کہ جو ہادیؐ انصارؓ سے بہتر تعلقات برقرار رکھنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ جو نبی، سفیروں کی عزت، مشرکوں کے اخراج، عورتوں اور غلاموں سے حسن سلوک کے مسائل پر متوجہ کرتا ہے وہ ہادی اگر چاہتا تو خلافت کے متعلق بھی کوئی ارشاد فرما دیتا۔

وہ روایات، جو خلافت سے متعلق وصیت لکھوانے کی داستان دہراتی

ہیں۔ وہی یہ بھی کہتی ہیں کہ حضورؐ نے کئی دن تک عالمِ ہوش وحواس میں رہنے کے باوجود خلافت سے متعلق کوئی وصیت نہیں کی۔ نہ تحریری اور نہ زبانی [1]۔ گویا دوسرے لفظوں میں حضورؐ سیدِ کون ومکان نے قرآن کے اس فیصلہ پر اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ میں کوئی اضافہ ضروری نہ سمجھا۔ یوں حضورؐ کو یہ معلوم تھا، کہ آپؐ کے بعد کون خلیفہ ہوگا لیکن اسلام اور حضورؐ جس قسم کی جمہوریت یا نظامِ حکومت اس دنیا میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ اسی طرح قائم کی جا سکتی تھی، کہ حضورؐ امیر کا انتخاب عوام پر چھوڑ دیتے۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اسے ایک نیا دین یا نئی شریعت دی جاتی ہے وہ ایک بالکل نئی تعمیر کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس اہم ذمہ داری کو خدا کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے، کہ نبیؑ کا انتخاب خود ذاتِ حق کرتی ہے لیکن امیر چونکہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آتا۔ اس کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ تعمیر شدہ عمارت کی دیکھ بھال کرے۔ وہ اس نظامِ حکومت کے رائج کرنے میں کوشاں ہو جسے نبیؑ اس دنیا میں لایا۔ خدا قدم قدم پر اس کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اس کی رہنمائی کے لئے نبی کا لایا ہوا نظام اور نبی کا اسوہ بہت کافی ہوتا ہے کسی نئی ہدایت یا کسی نئے حکم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ خاص طور پر حضورؐ کے جانشینوں کے لئے حضورؐ کا مکمل نظام، حضورؐ کا اعلیٰ درجہ کا اسوہ بہت کافی تھا۔ شریعت مکمل ہو چکی تھی۔ اس کا جزو جزو نہایت واضح صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں ملت کی کسی ضرورت کو تشنہ نہیں رہنے دیا۔ ایسی صورت میں جو لوگ بھی حضورؐ کے جانشین ہوتے۔ ان کی سب سے بڑی صلاحیت جو قابلِ لحاظ ہو سکتی تھی۔ وہ یہی تھی، کہ آیا یہ جانشین نبیؐ کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان

[1] صحیح بخاری

دنیا کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں۔

صحابہؓ میں ایسا شخص کون تھا۔ یا ایسے اشخاص کون تھے؟ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں، صرف یہی دیکھ لینا کافی ہے۔ کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں کس شخص کو اپنی غیر موجودگی کے وقت امامت کے منصب پر فائز کیا۔ کسی شخصیت یا کسی تعلق کی مورخ کے نزدیک کوئی قدر نہیں، وہ صرف واقعات کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا کام واقعات کی روشنی میں ایک اصنح حقیقت پیش کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

حج اسلام کا بہت بڑا رکن ہے اور اس وقت کا حج جب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔ یقیناً بہت اہم تھا۔ مدینہ سے حج کے لئے تین سو صحابہؓ کا جو قافلہ مکہؐ کی طرف رواں ہوتا ہے اس کے قافلہ سالار کون تھے، طبری، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی، ابو داؤد، ابن اثیر، ابن ہشام، اور ہر اس مورخ نے جس نے اسلام کی تاریخ لکھی صاف الفاظ میں ابو بکر صدیقؓ کا نام لیا ہے۔ سیدنا علیؓ بھی اس حج میں شریک ہوئے، وہ پہلے قافلہ کی روانگی کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب قافلہ کے قریب پہنچے تو صدیقؓ نے پوچھا۔

تم مامور بنا کر بھیجے گئے ہو یا امیر؟

سیدنا علیؓ نے جواب دیا۔

مامور

یہ قافلہ آگے کی طرف بڑھا اور حج ابو بکر صدیقؓ ہی کی امامت میں ادا ہوا۔[1]

پھر حضورؐ بیمار ہوئے، یہ آخری مرض نماز پڑھانے کی طاقت چھین چکی تھی، تو حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ ابو بکرؓ کو امامت کا حکم دو۔ حضرت عائشہؓ

---

[1] ابن خلدون جلد سوم (واقعات علالت نبویؐ)

نے عرض کیا۔حضورؐ وہ رقیق القلب ہیں ایسی حالت میں امامت نہیں کر سکتے جبکہ آپ بیمار ہوں۔ عمرؓ کو فرمایئے۔ حضورؐ نے حکم دیا۔ نہیں ابوبکرؓ کو بلاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ بلائے گئے۔ انہیں نماز کی امامت کا منصب ملا۔ اور یہ منصب وصال تک قائم رہا۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں علیؓ بھی تھے۔ عمرؓ بھی تھے۔ عثمانؓ بھی تھے۔ طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی تھے۔ سعدؓ بن عبادہ بھی تھے۔ اور عباسؓ بھی تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے، جو امامت کے منصب کے اہل تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ کہ ابوبکرؓ کی امامت میں وہ نماز کا فریضہ کیوں ادا کریں یہ چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔ وہ صدیقؓ کی خدمات سے واقف تھے، وہ جانتے تھے۔ کہ صدیقؓ نے اس وقت محمدؐ کی صداقت پر یقین کیا۔ جب ساری دنیا حضورؐ کو جھٹلا رہی تھی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ صدیقؓ نے اس وقت محمدؐ کا ساتھ دیا۔ جب محمدؐ کو آپؐ کے وطن والوں نے گھر سے نکال دیا۔ اور قتل کی سازش کی۔ صدیقؓ محمدؐ کو بازوؤں میں لئے غارِ ثور میں کئی دن تک چھپے رہے۔ اور پھر بڑی مصیبتوں سے اس سرمایۂ دوجہاں کو مدینہ کی طرف لے کر آئے۔ اپنی ساری دولت حضورؐ کے قدموں میں ڈال دی۔ بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ انھوں نے بدر کے معرکہ میں دیکھا تھا! ان آنکھوں سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی کہ حضورؐ کے لئے جب ایک سائبان بنایا گیا۔ اور پوچھا گیا۔ کہ محمدؐ پر ہونے والے وار کون روکے گا؟ تو یہی صدیقؓ سب سے پہلے آگے آئے اور سینہ تان کر بولے، کہ یہ سینہ محمدؐ کا رُخ کرنے والے تیروں، نیزوں، بھالوں اور تلواروں کو اپنے اوپر لے گا! [1]

یہ سب کچھ جانتے ہوئے کون صدیقؓ کی امامت پر زبان کھول سکتا تھا! تمہیں حضورؐ کے آخری خطبہ کے الفاظ یاد ہوں گے جو حضورؐ نے وصال سے

---

[1] طبری، واقدی، در ذکر صدیقؓ۔ پیچھے ہم تفصیلات میں تمام حوالے درج کر چکے ہیں۔

تھوڑی دیر پہلے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمائے!

مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازے بند
کر دیئے جائیں مگر صدیق رضہ کا دروازہ کھلا ہے۔
مجھ پر سب سے زیادہ صدیق رضہ کے احسان ہیں اگر میں
کسی کو دوست بناتا تو صدیق کو بناتا مگر اسلام کا
رشتہ بہت پاکیزہ رشتہ ہے ؎۱

گویا دوسرے لفظوں میں یہ اعلان تھا اس چیز کا۔ کہ صدیقؓ ہی میرے بعد منصب خلافت پائیں گے۔ حضورؐ نے صحابہؓ کے سامنے یہ چیز عملاً پیش کر دی۔ کہ تم میں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق صدیقِ اکبرؓ ہے ہم نے امامت کے لئے اسی لئے اُسے چنا۔

یہاں مذہبی اور فروعی بحث فضول ہے۔ سوال صرف یہ ہے۔ کہ آیا صدیقؓ میں خلیفہ ہونے کی صلاحیت تھی یا نہیں۔ اگر صلاحیت نہ ہوتی تو حضورؐ انہیں امام کیوں بناتے۔ حضورؐ مسجدِ نبویؐ میں ان کے لئے دروازہ کیوں کھلا رکھتے۔ قرآن ان کی تعریف کیوں کرتا؟ اور پھر صدیق رضہ محمدؐ کی صداقت پر سب سے پہلے ایمان کیوں لاتے۔ اپنا سب کچھ محمدؐ کے قدموں میں کیوں ڈال دیتے۔ غور کا مقام ہے کہ اپنی چھ سال کی بچی اکاون سال کے معمر شخص کے ساتھ کیوں بیاہتے، کسے اپنی اولاد عزیز نہیں ہوتی۔ کون چھ سال کی بچی اکاون سال کے معمر شخص سے بیاہنا چاہتا ہے لو۔ اس وقت چاہتا ہے جبکہ محمدؐ کے پاس نہ دولت تھی! نہ شہرت۔ محمدؐ کے پاس نبوت کے سرمایہ کے سوا اور کوئی دنیوی سرمایہ نہیں تھا۔ انھوں نے ساری دنیا کی دشمنی محض اس لئے مول لی کہ محمدؐ سچے تھے۔

؎۱ ابن خلدون جلد سوم باب واقعاتِ ملالت۔

سر ولیم میور[1] نے کیا ٹھیک بات کہی ہے
محمدؐ کی سیرت اگر ہمارے سامنے نہ بھی ہو اور ہم صرف
صدیق رضؓ کی تصویر دیکھ سکیں تو ہم یقیناً کہہ اٹھیں گے
کہ محمدؐ بہت کامیاب انسان تھے۔

سچ پوچھو تو صدیق رضؓ اپنی اسلامی خدمات، تقویٰ و طہارت، دُور اندیشی و معاملہ فہمی کے اعتبار سے خلافت کے پورے مستحق تھے۔ اور قرآن کا یہی فیصلہ ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

خون اور نسبی تعلق، حکومت یا خلافت کے استحقاق کے لئے کافی نہیں اور اسلام جس قسم کی پاکیزگی، جس قسم کی بے غرضی اور قربانی مسلمانوں میں پیدا کرتا تھا اس کا تقاضا یہی تھا۔ کہ حضورؐ کے بعد آپؐ کے خاندان کے افراد خلافت کے دعویدار نہ بنیں۔ مؤرخ رشتہ کا ساتھ نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم سب سے پہلے سیدنا علیؓ کی خلافت کے استحقاق کی گفتگو کرتے۔ صداقت خون کے تعلق سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔ صدیق رضؓ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید تھے۔ اور منشائے الٰہی بھی یہی تھا۔ کہ صدیق رضؓ ہی خلافت کی مسند پر بیٹھیں اس لئے جو حالات حضورؐ کے وصال کے ساتھ پیش آئے انھوں نے صدیق رضؓ کی خلافت کے امکانات پیدا کر دیئے

حضورؐ کے وصال کو ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار کا ایک اجتماع ہوا۔

انصار رضؓ کے حالات بیان کرتے وقت ہم لکھ چکے ہیں، کہ مدینہ میں دو مشہور

[1] طبری۔ درباب خلافتِ صدیق رضؓ

قبیلے آباد تھے خزرج اور اوس۔ یہ دونوں قبیلے حضورؐ کے میزبان بنے ان دونوں کی وجہ سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ حضورؐ کا وصال ہوا۔ ان لوگوں نے تقاضائے انسانی کی بنا پر سوچا۔

حضورؐ کے بعد ہم لوگ خلافت کے مستحق ہیں ہم نے حضورؐ
کی مدد کی حضورؐ کا اس وقت ساتھ دیا جب دنیا نے
اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سلہ

ان کا یہ خیال صحیح تھا یا غلط، مورخ کو اس سے بحث نہیں۔ وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ یہ خیال عربوں کی فطرت کے خلاف نہ تھا پہلے عربوں میں نسبی تفاخر تھا اسلام نے اس چیز کو مٹا دیا عمل صالح اور کارگزاری نے اس خیال کی جگہ لے لی۔ انصار نے حضورؐ اور اسلام کی انتہائی خدمت کی تھی اس لئے وہ خلافت کی گدی کو اپنا حق سمجھتے تھے

مورخین نے انصار کے اس اجتماع کی جو تفصیلات بیان کی ہیں انہیں اگر بلا کم و کاست صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو ہمیں یا کسی دوسرے مورخ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم انصار سے اس خیال کی تردید کریں ان کے دل میں یہ خیال محض اس لئے پیدا ہوا کہ حضورؐ نے نسب کو وجہ فضیلت بنانے کی تعلیم نہیں دی تھی۔

انصار نے اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے سقیفہ بنو ساعدہ کے اجلاس میں جو تقریریں کیں ان میں یہی جذبہ کام کر رہا تھا۔

اجلاس ابھی جاری تھا۔ کہ صدیقؓ و عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی یہ تینوں بزرگ دوست مسجد نبوی میں حضورؐ کے وصال پر آنسو بہا رہے تھے۔ سب مہاجران کے چاروں طرف جمع تھے۔ ان کے حواس ابھی تک درست نہیں

سلہ ابن خلدون جلد سوم واقعات خلافت ابو بکر (اجتماع سقیفہ بنو ساعدہ)

ہونے پائے تھے۔ حضورؐ کے وصال کا صدمہ کوئی ایسا صدمہ نہ تھا۔ کہ یہ بے وطن گروہ اسے بھول جاتا۔

اس خبر نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور ابوعبیدہؓ تینوں کو سکتے میں ڈال دیا! انھوں نے سوچا کہ انصار نے اگر اپنے میں سے کوئی امیر منتخب کر لیا۔ تو ملت کی وحدت ختم ہو جائیگی حضورؐ اتحاد و یگانگت کا جو مشن لے کر آئے تھے وہ ناکام ہو جائے گا حضورؐ کا جانشین صرف ایک ہونا چاہیئے۔ یہ کون ہو؟ انصار میں سے اگر کوئی ہوا۔ تو سارا عرب اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرے گا! اسلام نے گو ہم میں سے نسبی فخر کو نکال دیا ہے۔ مگر عرب میں تو یہ چیز ابھی موجود ہے۔ قریش یا دوسرے بڑے قبائل کبھی انصار کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے۔

یہ خیالات دل میں لیئے یہ تینوں دوست سقیفہ بنوساعدہ میں پہنچے۔ اگر ذرا بھی سستی کی جاتی تو حالات ناقابلِ حل ہو جاتے۔ صدیقؓ نے سب سے پہلے گفتگو کا آغاز کیا۔

انصار تم صحیح کہتے ہو۔ تمہارا کوئی دعویٰ غلط نہیں مگر حالات متقاضی ہیں۔ کہ خلافت کی گدی پر کوئی مہاجر بیٹھے!

حبابؓ بن منذر نے خالص عربی لہجہ میں جواب دیا۔

"ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے"

صدیقؓ بولے!

یہی تو نہیں ہو سکتا! اسلام کی وحدت ختم ہو جائے گی۔

عمرؓ نے بات کاٹ لی

انصار تمہیں یاد ہوگا۔ کہ حضورؐ نے ہمیں وصیت فرمائی تھی۔ کہ ہم تمہارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔
حضورؐ کے الفاظ تھے
"تم میں سے جو بھی میرے بعد خلافت پر بیٹھے وہ انصار کا پورا لحاظ کرے۔"

حبابؓ بولے:۔
نہیں عمرؓ! خلافت کے مستحق ہم ہیں۔ ہم نے حضورؐ کی خدمت کی اور اسلام کو ہماری وجہ سے ترقی ہوئی۔

یہ بحث طول پکڑتی جا رہی تھی۔ یہ موقع بہت نازک تھا۔ اگر اس موقع پر سستی کی جاتی، تو شاید ملت کی وحدت ختم ہو جاتی۔ ابوبکرؓ جیسے مدبر نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور انھوں نے عمرؓ اور ابوعبیدہؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور بولے
"یہ دونوں تمہارے سامنے ہیں ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالو۔"

یہ سن کر عمرؓ نے ہاتھ بڑھایا بیعت لینے کے لئے نہیں بیعت کرنے کے لئے۔ وہ ابوبکرؓ کے بلند مقام سے واقف تھے۔ انھوں نے بہت سوچنے اور سمجھنے کے بعد کہا۔
صدیقؓ! تم ہم سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہو۔ تم حضورؐ کی زندگی میں امامت کے منصب پر فائز رہ

چکے ہو۔ سلے

تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔

ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے عمر رضؓ نے بیعت کی پھر ابو عبیدہؓ نے۔ پھر دوسرے حاضرین نے۔ سعد بن عبادہ رضؓ کے سوائے اور کسی شخص نے بیعت سے منہ نہیں موڑا۔

مورخین نے اس واقعہ کی تفصیل میں بہت سی غیر ضروری باتیں کہی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیعت سے پہلے صحابہؓ میں تکرار ہوئی۔ ہمیں اس تفصیل سے کوئی غرض نہیں۔ ہمارے پیش نظر صرف ایک چیز ہے۔ کہ انصار رضؓ نے یہ سمجھتے ہی کہ اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ابوبکر رضؓ کی بیعت چاہتا ہے۔ ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یہ لوگ اسلام اس لئے نہیں لائے تھے۔ کہ اسلام کی وجہ سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کریں۔

یاد ہوگا۔ بیعتِ عقبہ کے وقت، مدینہ والوں نے حضورؐ سے کس شرط پر بیعت کی تھی۔ صرف اس شرط پر کہ "اللہ راضی ہو جائے" ایک انصاری بشیر بن سعد بن نعمان کو یہ الفاظ یاد تھے انہوں نے بیعت کے وقت یہی الفاظ دہرائے۔

مہاجرین، خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہم
انصار دین اور سابق الاسلام ہیں لیکن
ہم اسلام اس لئے نہیں لائے تھے۔ کہ اس کا
کوئی صلہ ہمیں ملے۔ ہمارا مقصد تو اللہ کی
رضا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت تھی۔ خود

سلے ابن خلدون جلد سوم (باب سقیفہ) طبری واقعات خلافتِ ابوبکر رضؓ

حضور ﷺ کی پیشین گوئی تھی کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے ۱

بعض انصار نے بھی اس کی تائید کی۔ اور بات ختم ہو گئی۔ انصارؓ کے دل صاف ہو گئے ۲

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر سب مہاجرینؓ اور انصارؓ نے اتفاق کر لیا۔ صرف چند لوگ باقی رہ گئے۔ اور یہ وہی تھے جو حضور ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ حضرت علیؓ کے متعلق بعض مورخین نے یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت محض اس لئے نہیں کی کہ وہ حضور ﷺ کے چچیرے بھائی اور داماد ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے کسی معتبر تاریخ سے ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملی۔ ابن خلدون نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تفصیل نہیں لکھی اس کے الفاظ صرف یہ ہیں :۔

> مہاجرین اور انصار نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سعدؓ بن عبادہ البتہ بیعت پر راضی نہ ہوئے۔ ان کے سوا کسی اور صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی اور شخص نے بھی بیعت سے انحراف کیا ۳

طبری نے حضرت علیؓ کی بیعت سے متعلق جو تفصیل پیش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے گو ابتدا میں بیعت نہیں کی لیکن چالیس دن

---

۱ ۲ ابن خلدون جلد سوم (سقیفہ)

۳ ابن خلدون جلد سوم (واقعات خلافت ابوبکرؓ)

کے اندر اندر بیعت کرلی اس التوا کا باعث یہ نہیں تھا کہ حضرت علیؓ کے دل میں اپنی خلافت کی خواہش تھی۔

سر ولیم میور سے غالباً آپ واقف ہوں گے اس شخص نے کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جس سے یہ اسلام اور صحابہؓ سے رائے عامہ بہکا سکتا۔ مگر اس شخص کا بیان ہے:۔

علی رضؓ سے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بیعت سے انحراف کرنے والوں میں تھے اگر اس انحراف کا باعث یہ نہ تھا کہ وہ اپنی خلافت کے خواہش مند تھے بلکہ اصل باعث تھا، حضرت فاطمہؓ کی خطرناک علالت! حضرت فاطمہؓ انتقال فرماگئیں تو انھوں نے نہایت صاف دل کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

شیعہ کا خیال ہے کہ علی رضؓ کے دل میں خلافت پانے کا جذبہ موجود تھا۔ مگر علی رضؓ کی پاکیزہ اور بے غرض زندگی میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ روایات کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت علی رضؓ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی خلافت کی گدی پر بیٹھنے کا خیال نہیں ہوا۔ البتہ حضرت عمر رضؓ کی وفات کے وقت وہ پہلی دفعہ خلافت کے امیدوار ہوئے۔ اور یہ امیدواری اس بنا پر نہ تھی کہ وہ حضورؐ کے داماد ہیں یا

انہیں حضور ؐ سے رشتہ داری کا شرف حاصل ہے ۔[۱]

غور فرمایئے کہ یہ اس شخص کی رائے ہے ۔ جو خود چاہتا ہے کہ دنیا معلوم کرے کہ اسلام عربوں سے نسبی تفاخر کے جذبات نکالنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ خود اس نے اسی باب میں قریش کے استحقاقِ خلافت کا ذکر کرتے ہوئے ۔

"نسب کے اعتبار سے افضل"

ہونے کو بھی ایک باعث قرار دیا ہے ، اگر حضرت علی رضؓ کے بارے میں اس کے سامنے ایسی روایات ہوتیں جن سے حضرت علی رضؓ کی بے غرضی کی دا کو خود غرضی کی سیاہی سے رنگا جا سکتا تو سر ولیم میور ایسا کرنے سے باز نہ رہتا ۔

اور سچ پوچھو تو حضرت علی رضؓ جیسے بلند کردار اور اسلام کے سچے فدائی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی ۔ کہ ان کے دل میں کبھی ایسا جذبہ پیدا ہوا ۔ بیعت میں التوا کا باعث جیسے کہ سر ولیم میور بھی کہتے ہیں اور طبری بھی شاہد ہیں محض حضرت فاطمہ رضؓ کی علالت تھی ۔ یہ ذرا اللہ تعالیٰ ، وصال کے دوسرے دن بعد حضرت فاطمہ رضؓ نے باغِ فدک کی وراثت کا مطالبہ کیا ۔ حضرت فاطمہ رضؓ کو باغ فدک دے دیا جاتا ۔ کوئی بڑی بات نہ تھی ۔ ابوبکر رضؓ اس سے پہلے ۔ خاندانِ نبوت پر اپنا سب کچھ نثار کر چکے تھے ۔ انھوں نے حضور ؐ کے قدموں میں اپنی ساری دولت ڈال دی تھی ۔ مگر ان کے سامنے حضور ؐ کا یہ ارشاد تھا :-

---

[۱] دی خلافت رائز ڈکلائن اینڈ فال صفحہ ۵

"لا نورث ما ترکنا صدقۃ" ؎۱

حضرت عائشہ رضؓ اس روایت کی راوی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا۔

انما یاکل ال محمد فی ھذالمال وانی واللہ لا اغیر شیئاً من صدقۃ رسول اللہ صؐ عن حالھا التی کان علیھا فی عھد رسول اللہ صؐ ولا عملن فیھا بما عمل بہ رسول اللہ صؐ ؎۲

رسول اللہ صؐ کے اہل بیت اس جائیداد کی پیداوار کھا رہے ہیں۔ خدا کی قسم حضور صؐ کے اس صدقہ اور طریق تقسیم میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں کروں گا رسول اللہ صؐ جو کرتے رہے میں وہی کروں گا انہوں نے جس طرح اس کی پیداوار کو تقسیم کیا میں بھی اسی تقسیم کو جاری رکھوں گا۔

حضرت فاطمہ رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کا یہ فیصلہ سن کر خاموش ہو گئیں۔ وہ چھ مہینے تک زندہ رہیں لیکن اس مسئلہ پر پھر کبھی گفتگو نہیں کی۔

حضرت علی رضؓ کو حضرت ابوبکر رضؓ سے ایک شکائیت تھی کہ انھوں نے بیعت سقیفہ میں ان سے کیوں مشورہ نہیں لیا۔ ایک دن، دونوں میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت

؎۱ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۰۹ (مجتبائی)

؎۲ عن عروۃ۔ عن عائشہ رضؓ۔ بخاری صفحہ ۶۰۹۔ جلد ۲

کی بنا پر اس گفتگو کی تفصیل پیش کی ہے۔ اس روایت میں حضرت علی رضؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

انا قد عرفنا فضلك وما اعطاك الله
وما ننفس عليك خيراً ساقه الله
عليك ولكنك استبددت علينا
بالامر

میں آپ کے شرف و بزرگی کا معترف ہوں
میں آپ سے اس شرف اور عطائے الٰہی پر حسد
نہیں کرتا لیکن مجھے شکایت ہے کہ آپ نے
بیعت کے معاملہ میں مجھ سے مشورہ نہیں کیا اور
ہمیں دور رکھا۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اس شکایت کے دوستانہ انداز پر رو رہے تھے۔ دوست کی طرف سے شکایت تھی اس لئے اس کا جواب بھی دوستانہ دیا گیا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ لقرابۃُ رسول اللہؐ
احب الی ان اصل من قرابتی ما الذی
شجر بینی وبینکم من ھذہ الاموال
فانی لم آل فیھا عن الخیر ولم اترك
امراً رایت رسول الله یصنعهٗ

خدا کی قسم مجھے اپنے قرابت داروں سے رسول اللہؐ
کے قرابت دار زیادہ عزیز ہیں البتہ باغ

فدک سے متعلق میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے
اس کے متعلق تم اطمینان رکھو کہ حضور اپنی زندگی
میں جو کرتے رہے میں بھی وہی کروں گا۔ اور کسی قسم
کی کمی میری طرف سے نہ ہوگی [1]

حضرت علیؓ کا دل صاف ہو گیا۔ انھوں نے بیعت کا وعدہ کیا اور دوسرے دن مسجد نبویؐ میں آکر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی [2]

[1] و [2] صحیح بخاری واقعاتِ خیبر، حدیث عروہؓ و عائشہؓ جز ۱۷

چھتیسواں باب

حضورؐ نے اپنی علالت سے پہلے حضرت زیدؓ بن حارث کی شہادت کا انتقام لینے کے لئے ایک فوج مرتب فرمائی تھی۔ حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ جو ستر ہ سال کے نوجوان تھے اس فوج کے سپہ سالار مقرر کئے گئے علالت نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ تو یہ فوج مدینہ سے باہر رک گئی۔ وصال کی خبر نے مدینہ والوں کی زندگی کو بے رونق کر دیا۔ اُسامہؓ علم نبویؐ کو لے کر مسجد نبویؐ میں آ گئے۔ لوگوں نے سمجھا شمع گل ہو گئی۔ پروانے اب کیسے جلیں گے؟ لیکن خلافت کا منصب پاتے ہی حضرت صدیقؓ نے نبوت کی شمع ہاتھ میں لے لی۔ اور پروانوں سے کہا۔ گو محبوب کا مجازی جسم ہم سے اوجھل ہو گیا لیکن اس کا مشن زندہ رہے گا! ورا سے زندہ رکھنے کے لئے پروانے مردانہ وار اپنی جانیں قربان کریں گے اور حضورؐ نے جو حکم وصال سے پہلے دیا تھا اس کی تعمیل ہو گی، حالانکہ اس وقت کے حالات بڑے نازک ہو گئے تھے حضورؐ کے وصال کی خبر عام ہوتے ہی سارے ملک میں ایک کہرام مچ گیا تھا، فاسد طبیعتیں جو اسلام کی قوت سے مغلوب ہو کر مطیع ہوئی تھیں پھر شرارت پر اُتر آئی تھیں اور مکہ، مدینہ اور طائف کو چھوڑ کر ملک کے ہر گوشے میں بغاوت اور سرکشی کی آگ پھیل گئی تھی۔

مدینہ والے پریشان تھے، اور سوچ رہے تھے۔ کہ یہ آگ کیسے بجھائی جائیگی، اور اس آگ کے شعلوں کی تاب کون لا سکے گا؟ صحابہؓ نے سوچا۔ اسامہؓ کی فوج

مدینہ سے باہر نہ بھیجی جائے۔ حضورؐ نے وصال سے پہلے زیدؓ بن حارث کے انتقام کی جو خواہش کی تھی وہ کل پر ملتوی کر دی جائے۔ مگر صدیق رضؓ نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ کہ حضورؐ کی آخری خواہش ملتوی کر دی جائے۔ حضرت عمر رضؓ نے خود اسامہؓ نے اور دوسرے بہت سے صحابہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ ان لوگوں نے صدیق رضؓ سے کہا۔ اور اگر فوج کشی ضروری ہے تو اسامہؓ کی بجائے کسی اور معمر اور تجربہ کار شخص کو اس فوج کا سپہ سالار بنا دیا جائے۔ اسامہؓ کی اپنی یہ رائے تھی اور عمر رضؓ کو انھوں نے اپنی طرف سے ایلچی بنا کر حضرت ابوبکر رضؓ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ صدیق رضؓ نے عمرؓ کی یہ بات سنی تو ان کی آنکھیں خون اُبلنے لگیں اور وہ انتہائی غصے میں بولے

سلہ خدا کی قسم اگر مدینہ میں بھوکے اور خونخوار بھیڑیوں کی فوجیں کی فوجیں آ جائیں۔ اور مجھے ان سے بچانے کے لئے ایک شخص بھی یہاں نہ رہے۔ میں تنہا رہ جاؤں، پھر بھی اسامہؓ کی فوج نہیں رک سکتی! خدا کی قسم! حضورؐ میرے آقا نے جو ارشاد فرمایا تھا اس کی تکمیل ہو گی اور ضرور ہو گی۔ دنیا کا کا کوئی حادثہ مجھے محمدؐ کے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے سے روک نہیں سکتا۔
رسول اللہؐ نے لشکر کی سیادت پر جس شخص کو مقرر فرمایا تھا۔ کیا میری مجال ہے کہ میں اس کی بجائے کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دوں؟

سلہ ابن خلدون جلد سوم واقعات خلافت ابوبکر رضؓ۔ طبری۔ واقعات خلافت صدیق رضؓ

عمرؓ! غلام کو یہ جراَت نہیں ہو سکتی!

یہ صدیقؓ کے الفاظ نہیں تھے۔ یہ ان کا ایمان بول رہا تھا۔ سچ پوچھو تو ایسا ہی ایمان محمد سیدِ کون و مکان پیدا کرنے آئے تھے اور اسی ایمان نے مسلمانوں کو زندگی بخشی۔

فوج روانہ ہوئی۔ صدیقِ اکبرؓ محمد سیدِ کون و مکانؐ کے مقرر کردہ سپہ سالار کے ساتھ سر جھکائے پیادہ پا جا رہے تھے۔ یہ خلیفۃ الرسولؐ تھے، یہ امیر المومنین تھے مگر ان کے آقا نے جسے سرداری بخشی اس کا احترام ضروری تھا لوگوں کو یہ بتانا تھا۔ کہ حضورؐ کا انتخاب کبھی غلط نہیں ہو سکتا حضورؐ نے اسامہؓ کو سرداری بخشی ہم بھی انہیں سردار سمجھتے ہیں۔

حضرت اسامہؓ اس بزرگ وجود کے بلند مقام سے واقف تھے انھوں نے عرض کیا۔

امیر المومنین یہ گستاخی ہے کہ آپ پیدل چلیں اور میں سواری پر۔ آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں سواری سے نیچے اتر آؤں گا۔

صدیقؓ نے اسامہؓ کو روک دیا۔ بولے۔

اسامہؓ میرے دوست اگر خدا کے رستہ میں میں چند قدم پیدل چل لوں گا۔ تو میں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں جانے والوں میں شامل ہو جاؤں گا، مجھے بھی یہ سعادت مل جائے گی۔ تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے۔

اسامہؓ، یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے، وہ تو مامور تھے، اور ابوبکرؓ کے

منصب سے واقف تھے۔

جرف تک حضرت ابوبکرؓ اس طرح پیدل گئے اور حضرت اسامہؓ کو دس ضروری باتیں سمجھائیں اور سچ پوچھو تو اصولِ حکمرانی کی رو سے یہ دس باتیں نظامِ حکومت کی جان ہیں۔

۱۔ خیانت سے بچنا۔
۲۔ جھوٹ نہ بولنا۔
۳۔ بدعہدی سے باز رہنا۔
۴۔ بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔
۵۔ پھل دار درختوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا۔
۶۔ بلاضرورت حلال جانوروں کو ذبح نہ کرنا۔
۷۔ دشمن کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینا۔
۸۔ لوگوں سے ملتے وقت حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا۔
۹۔ خدا کی راہ میں دشمن سے پوری قوت کے ساتھ لڑنا۔
۱۰۔ کھانے سے پہلے اللہ کی عظمت و بڑائی کا اعتراف کرنا۔

نیز کسی بات میں بھی حضورؐ کی تعلیم کی مخالفت نہ کرنا اور نہ اپنی طرف سے کسی قسم کی تحریف یا اضافہ کرنا۔

سر ولیم میور نے جہاں اس فوج کشی کے تمام جزوی واقعات کی تفصیل

۱؎ ابن خلدون۔ جلد سوم (اسامہؓ کی لشکر کشی)

پیش کی ہے۔ وہاں ان ہدایات کو فراموش کیے گئے ہیں۔ شائد اس لیئے کہ ان ہدایات سے اسلامی فوج کشی کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال موجود ہے کہ بادشاہِ وقت نے اپنی فوج کو دشمن کے مقابلہ میں روانہ کرتے وقت اس قسم کی نصیحتیں کی ہوں؟

دُنیا جانتی ہے کہ جب کوئی فوج کسی دوسرے ملک پر چڑھ کر گئی۔ تو اس کے پندار کا عجیب عالم ہوا۔ وہ جس راہ سے گزری۔ جس بستی سے گذر ہوا۔ ہر طرف تباہی ہی تباہی پھیل گئی۔ باغ ویرانے بنے بستیاں اجڑیں درخت اکھڑے اور کھیت پامال ہوئے۔

مگر صدیق رضی اللہ عنہ فوجی چڑھائی کی اس ریت کو بدلنا چاہتے تھے۔ وہ جس نظام کے پابند تھے، وہ دُنیا میں تباہی پھیلانے نہیں آیا تھا۔ وہ اس باغِ عالم کی رونق کو بڑھانا۔ اور سبزوں کو تازگی بخشنا چاہتا تھا تاریخ شاہد ہے۔ کہ مسلمانوں کی اس پہلی فوج کشی میں نہ کوئی باغ اجڑا اور نہ کوئی بستی ویران ہوئی۔

اسامہ رضی اللہ عنہ اس طرح آگے بڑھے۔ جیسے وہ کسی حلیف ملک میں سے گزر رہے ہیں۔ یا جیسے کوئی شاہی فوج اپنی مملکت کا دورہ کر رہی ہے کہیں لوٹ مار نہیں مچی کہیں کسی سے بیگار نہیں لی گئی۔

ہوتے ہوتے اسامہ رضی اللہ عنہ کی یہ فوج شامی سرحد پر پہنچ گئی۔ اور دار دن پر چھاؤنی ڈال دی۔ یہیں رومی فوج بھی آن پہنچی اس رومی فوج میں لاکھوں سپاہی تھے۔ ہر قسم کا سامانِ جنگ ان کے پاس تھا۔ زریں خیمے تھے۔ زریں لباس اور آہن پوش تھے۔ رومی سپاہیوں کو اپنے اس سازوسامان پر بڑا ناز تھا۔ ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔ بگل بج رہے تھے۔

ہوتے ہوئے دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں اتریں۔ مسلمانوں کی تعداد گو بہت کم تھی لیکن محمدؐ کی بخشی ہوئی حرارت سے ان کے سینے گرم تھے ان میں جوش تھا۔ بازوؤں میں قوت تھی۔ انہوں نے دشمن کی صفیں الٹ ڈالیں جسم نیزوں کی انیوں سے چھید ڈالے اور خیمے لوٹ لئے۔ رومی فوج بہت بڑی طرح شکست کھا کر بھاگی۔ اسامہؓ نے اس کا تعاقب کیا۔ اور جب وہ کہیں جم کر نہ لڑی تو اپنی پیشانی پر کامیابی کا سہرا باندھے، مدینہ کو لوٹ آئے۔

ارتداد کی آندھی

سینتیسواں باب

اُدھر اُسامہؓ، مدینہ سے شام کو چلے، اُدھر ارتداد کی آندھی تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ حضورؐ کے وصال نے جاہل اور بدخیال قبائل میں انتشار پیدا کر دیا۔ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایک طرف مسیلمہ کذّاب نے سر اٹھایا۔ دوسری طرف طلیحہ کو نبی بننے کا شوق ہوا۔ گو مدینہ، مکّہ اور طائف پُرسکون رہے لیکن باقی عرب کی اکثر آبادیاں اسلامی نظام سے باغی ہو گئیں۔ کسی نے زکوٰۃ بند کر دی کسی نے عامل کے ساتھ گستاخی کی اور کئی تو مدینہ سے حکومت و سیادت کی مسند چھیننے کے لئے تیار ہو گئے۔ مدینہ کی سیادت چھیننے کی خواہش رکھنے والے قبائل میں عبس و ذبیان، بنی اسد و بنی کنانہ سب سے آگے تھے۔ یہ فساد و شر کی آگ کو اپنے دامن میں بھر سے مدینہ کی طرف بڑھے، ان کا خیال تھا۔ اُسامہؓ کے ساتھ مسلمانوں کی بڑی قوت تو شام جا چکی ہے مدینہ خالی ہے خلیفہ کو اپنی قوت سے مرعوب کر کے کچھ مراعات حاصل کر لیں گے۔ فسادی قبائل کی یہ آندھی مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر پہنچ کر رک

گئی ان میں بعض لوگوں کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی انھوں نے ساتھیوں کو سمجھایا۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ ان میں آپس میں اس موضوع پر خوب تکرار ہوئی۔ ان کی یکجہتی چونکہ اس طرح ختم ہو گئی تھی اس لئے پہلے سا زور باقی نہ رہا انھوں نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ امیرالمومنین کو ڈرا دھمکا کر ان سے کچھ رعایتیں لے لیں اور واپس ہو جائیں۔ رعایتیں لینے کی خاطر ان کا ایک وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ اور یہ درخواست پیش کی۔

> ہم پر سے نماز کی پابندی اٹھالی جائے۔ اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

گو حضرت صدیقؓ کو اپنی حالت کا اچھی طرح علم تھا۔ سب لڑنے والے حضرت اسامہؓ کے ساتھ باہر جا چکے تھے۔ چند اکابر صحابہؓ مدینہ میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کے برتے پر لڑائی بظاہر سیاسی غلطی سمجھی جائے گی۔ مگر صدیقؓ کے ہاں یہ سیاست نہ تھی۔ ان کے ہاں صرف اصول کی قدر تھی۔ انھوں نے وفد کی درخواست کو سنا۔ تو ان کی آنکھیں خون اُبلنے لگیں۔ چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ انھوں نے وفد کو ڈانٹا۔ فرمایا۔

> یہ نہیں ہو سکتا! زکوٰۃ کے مال میں سے اگر وہ رسی بھی بیت المال تک نہ پہنچی جس سے اونٹ کا پاؤں باندھا جاتا ہے۔
>
> یا
>
> نماز کی ایک رکعت بھی کم کی گئی، تو میری اور مسلمانوں کی تلوار تمہارے خلاف پوری طاقت سے اٹھے گی۔

وفد کے ارکان واپس ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی حالت دیکھ لی تھی مدینہ میں سوائے عورتوں اور چند بوڑھوں کے لڑنے والا کون تھا | یہ حالت حملہ آور قبائل سے بیان کر دی گئی۔ ادھر یہ قبائل آگے بڑھے! ادھر حضرت صدیق رضؓ نے چند بہادر صحابہؓ کو مدینہ کی حفاظت پر مامور کیا۔ آس پاس کے مسلمان قبائل بھی آ گئے۔

مرتد قبائل نے مدینہ پر حملہ کیا۔ جو لوگ مستقل مزاج نہیں ہوتے۔ وہ اکثریت کے باوجود ناکام ہوتے ہیں۔ مرتد قبائل میں نہ استقلال تھا اور نہ عزم، وہ بھیڑوں کے گلوں کی طرح ارتداد کی رو میں بہ کر مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے، وہ سمجھتے تھے، کہ چند صحابی انہیں مدینہ کی فتح سے روک نہ سکیں گے مگر یہ چند صحابی مستقل مزاج اور ایماندار تھے۔ انھوں نے ان بزدلوں کو الیا مارا، ایسا کچلا، کہ یہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے، ذی خشب تک ان کا تعاقب کیا گیا۔ بزدل عموماً بہادری سے نہیں مکاری سے کام چلانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ مرتدین نے بھی ایک کوشش کی۔ دف اور باجے کے ساتھ ایک ٹولی اسلامی لشکر کے سامنے آئی۔ دف اور باجے کے شور سے اونٹ بدکے انہیں روکنے کی کوشش کی گئی۔ مگر وہ روکے نہ جا سکے! مرتدوں کے حوصلے بڑھ گئے اور مدینہ پر پلٹ کر دوبارہ حملہ کی تیاری ہونے لگی۔ حضرت صدیقؓ اب تک مدینہ میں تھے۔ باہر نہیں آئے تھے، یہ صورت حال انہیں باہر لے آئی۔ انھوں نے اکابر صحابہ کی اس مختصر سی فوج کو اسلامی نظامِ جنگ کے ماتحت مرتب فرمایا! اور مرتدین پر حملہ کر دیا۔ مرتدین نے سخت مقابلہ کیا۔ دوپہر تک جنگ ہوتی رہی۔ مگر بزدل جم نہ سکے اور بہت سا مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ نکلے!

صدیق رضؓ دور تک مرتدین کے تعاقب میں گئے۔ مال غنیمت کے ساتھ جو ایک مختصر سا دستہ مدینہ بھیج دیا گیا تھا۔ اس پر دشمن کی ایک ٹولی نے اچانک حملہ کر دیا۔ چند صحابہ شہید ہوئے۔ حضرت صدیق رضؓ تعاقب سے لوٹے۔ تو یہ افسوسناک خبر سنی۔ مگر دشمن بھاگ چکا تھا۔ اور فوراً اس کا تعاقب ممکن نہ تھا۔ حضرت صدیق رضؓ نے قسم کھائی۔ کہ ان مظلوم شہدا کا سخت انتقام لوں گا۔[1]

یہ دن تھے، کہ حضرت اسامہؓ بے شمار مال غنیمت اونٹوں پہ لادے کامیابی و کامرانی کے نعرے لگاتے۔ مدینہ پہنچے اسامہؓ کی تھکی ماندی فوج مدینہ میں ٹھیرائی گئی اور حضرت صدیق رضؓ خود کچھ صحابہؓ کو ساتھ لے کر مرتدین کی سرکوبی کو بڑھے۔

مقام ابرق پر مرتد قبائل کی ایک بہت بڑی جمعیت ڈیرے ڈالے تھی۔ حضرت صدیق رضؓ اور مرتدین میں اس جگہ بہت سخت جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے بڑی سرگرمی دکھائی گئی۔ مگر ایک طرف کے لوگوں میں نہ ایمان تھا اور نہ جرأت تھی۔ دوسروں میں ایمان اور جرأت دونوں چیزیں تھیں۔ ایمان اور جرأت کو فتح ہوئی۔ مرتد قبائل کے بہت سے افراد مارے گئے اور جو بچ نکلے انھوں نے توبہ کر لی۔ یہ توبہ پھر کبھی نہیں ٹوٹی۔

حضرت صدیق رضؓ نے اس موقع پر جس ہمت و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ اس کے نتائج بہت اچھے ہوئے۔ خیال تو فرمایئے چند صحابہ کے سوا مدینہ کے سارے لڑنے والے اسامہؓ کے ساتھ باہر چلے گئے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں مرتد قبائل مدینہ پر چڑھ آئے۔ مگر صدیق رضؓ نے چند جانباز

---

[1] ابن خلدون اور طبری دار تداد کے واقعات میں،

ساتھیوں کے ساتھ نہ صرف انہیں شکست دی بلکہ ان کی قیام گاہوں تک پہنچ کر انہیں اس گستاخی پر سخت سزا دی۔

ایسے موقعہ پر اگر حضرت صدیقؓ تھوڑی سی کمزوری بھی دکھاتے تو حالات ناقابلِ حل ہو جاتے۔ حضرت صدیقؓ کی اس کامیابی کا شہرہ چاروں طرف پھیل نکلا۔ باغی قبائل پر اس خبر کا بہت اچھا اثر ہوا۔ ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ وہ پہلے مدینہ پر چڑھ کر آنے والے تھے اب سوچنے لگے جو خلیفہ چند ساتھیوں کے ساتھ ایک بہت بڑی جمعیت کو شکست دے سکتا ہے۔ وہ ان ہزاروں صحابہ کی جمعیت کے ساتھ یقیناً ان کو کچل دے گا جنہیں اُسامہ اپنے ساتھ لے کر واپس آ رہے ہیں۔

حضرت صدیقؓ کی اس ثابت قدمی کا اثر باغی قبائل کے ساتھ ساتھ اپنوں پر بھی بہت اچھا پڑا۔ حضورؐ کے وصال کی خبر عام ہوتے ہی عرب میں جو انتشار اور پراگندگی پھیلی اس سے صحابہ بہت پریشان ہو گئے تھے۔ حضرت صدیقؓ کی اس کامیابی اور بلند ہمتی نے صحابہ کے دلوں کو بہت تسکین بخشی دلی جذبات نے الفاظ کا جامہ پہنا اور صحابہ ہر وقت حضرت صدیقؓ کی دانائی کے گیت گانے لگے۔

جو قبائل حضرت صدیقؓ کی اس کامیابی سے بہت زیادہ مرعوب ہوئے ان میں بنی تمیم اور بنی طے زیادہ ممتاز تھے ان دونوں قبائل نے از سرِ نو اپنے نذر بھیج کر حضرت صدیقؓ کو اپنے ایمان اور اطاعت کا یقین دلا دیا۔

حضرت اسامہؓ کی کامیابی سے بھی بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ باغی قبائل ایک تو آپ ہی آپ مرعوب ہو گئے اور دوسرے حضرت اسامہؓ اپنے ساتھ اتنا سامانِ جنگ لائے تھے کہ اس سے ایک بڑی مہم کا آغاز کرنے کی صورت پیدا ہو گئی ❖

اڑتیسواں باب

حضرت اسامہؓ کی واپسی کے بعد حضرت صدیقؓ بذاتِ خود مرتد قبائل کی سرکوبی کو نکلے تھے۔ مدینہ پر چڑھ کر آنے والے قبائل کو سزا دینے کے بعد حضرت صدیقؓ مدینہ لوٹ آئے۔ ان کا یہ تعاقب محض ایک ہنگامی ضرورت تھی اور حالات کا تقاضا یہ تھا۔ کہ اسلامی فوج از سر نو مرتب ہو کر پورے عرب میں پھیل جائے۔ تاکہ جہاں کہیں انتشار پیدا ہوا ہے۔ وہ وہیں دب جائے۔

ابن خلدون کی روایت کے مطابق حضرت صدیقؓ نے چند دن آرام لینے کے بعد اسلامی فوج کو گیارہ حصوں میں بانٹا۔ ہر حصہ ایک ممتاز صحابی کی قیادت میں سونپا۔ جن لوگوں کو قیادت ملی ان کے نام یہ ہیں۔

پہلا نام حضرت خالدؓ بن ولید کا ہے۔ انہیں جھوٹے نبی طلیحہ اور مالک بن نویرہ کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔

دوسرا نام حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کا ہے۔ یہ مسیلمہ کذاب کو دبانے کے لئے مامور ہوئے۔

تیسرا نام حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کا ہے۔ یہ حضرموت اور قضاعہ قبائل کو راہ راست پر لانے کے لئے بھیجے گئے۔

چوتھے۔ حضرت خالدؓ بن سعید ہیں۔ یہ شام کے باغی قبائل کی طرف بھیجے گئے۔

پانچویں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ ہیں۔ انہیں حکم ملا۔ قضاعہ کے مرتد لوگوں کے مزاج درست کریں۔

چھٹے حضرت حذیفہؓ بن محصن ہیں۔ ساتویں عرفجہؓ بن ہرثمہ۔ آٹھویں طریقہ بن حاجزؓ نویں سوید بن مقرنؓ۔ دسویں علا الحضرمیؓ۔ گیارہویں مہاجر بن امیہؓ ہیں۔ ان کے ذمہ دبا، میرہ، بنی سلیم۔ بنی ہوازن، تہامہ، بحرین اور صنعا کے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی خدمت سونپی گئی۔

روانگی سے قبل حضرت صدیق اکبرؓ نے ان لوگوں کو تقرر کے جو پروانے دیئے ان میں لکھا تھا:۔

۱ صدیق اکبرؓ نے اس شخص سے جسے انھوں نے جہاد پر مامور کیا ہے یہ عہد لیا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالٰی سے ہر کام میں ڈرتا رہے گا۔

ہماری طرف سے اسے حکم دیا گیا ہے کہ خدا کی راہ میں مرتدین سے جہاد کرے۔ جہاد سے پہلے اتمام حجت کے طور پر ان پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو انہیں اسلامی حقوق و فرائض سمجھائے۔ ان کے حقوق انہیں دیئے جائیں اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ ان پر اسلام کی طرف سے جو فرض عائد کیا گیا ہے۔ وہ ان سے وصول کیا جائے (زکوٰۃ مراد ہے) انہیں

---

۱ کامل ابن اثیر۔ جلد دوم ۲۵۴ ۲ ابن خلدون جلد سوم دو واقعات ارتداد

۳ ابن خلدون بہ حوالہ مذکور

مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے روکا جائے،
جنھوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی ہے ان
سے جنگ کی جائے جس شخص نے بظاہر اسلام
قبول کرلیا ہے۔ مگر بباطن کسی اور عقیدہ پر رہا
اس سے اللہ کے ہاں جواب طلب کیا جائے گا۔
کفار سے لڑائی کے وقت اگر فتح حاصل
ہوئی اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ تو اس میں سے
خمس بیت المال میں داخل کرنے کے لئے مرکز
کو بھیجا جائے گا۔

اس کے علاوہ سردار کو سمجھا دیا گیا ہے۔ کہ
وہ فوج کے سپاہیوں کی حرکات کی پوری
نگرانی رکھے۔ اور اپنی فوج میں کسی اجنبی کو نہ آنے
دے۔ سرداروں کو مسلمانوں سے حسنِ سلوک کی
بھی ہدایت کردی گئی۔ اور ماتحتوں کے ساتھ
شفقت اور محبت کا حکم بھی دیا گیا۔ [۱]

یہاں یہ چیز قابلِ ذکر ہے۔ کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی فوج کشی ہے اس سے
بیشتر حضور کے وقت جو جنگیں ہوئیں ان میں زیادہ تر مدافعانہ تھیں اور
بعض رفعِ شر کے لیئے۔ یہ بالکل نئی صورتِ حال تھی جس نے مسلمانوں کی زندگی
میں اس قسم کی فوج کشی کی ضرورت پیدا کی۔

اسلام میں ارتداد کی سزا قتل تجویز کی گئی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ

---

[۱] ابن خلدون۔ جلد سوم (بحوالہ سابق) کامل ابن اثیر (بحوالہ سابق)

سزا سخت ہے لیکن حقیقت دیکھی جائے تو یہ سزا کسی اعتبار سے بھی سخت نہیں
اسلام میں جبر اور زیادتی روا نہیں۔ اسلام لوگوں پر ٹھونسا نہیں گیا۔ اسلام
نے لوگوں کے سامنے اپنا نظام پیش کیا۔ اور انہیں دعوت دی۔ کہ وہ اس
نظام کو سوچنے، سمجھنے اور پرکھنے کے بعد قبول کریں۔ شروع دور میں جو مسلمان
ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ انھوں نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا
اس وقت کسی جبر کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اسلام کو ابھی دنیوی اقتدار و اختیار
نہیں ملا تھا۔ اور جب دنیوی اختیار و اقتدار حاصل ہوا۔ اس وقت بھی اسلام
نے کسی جماعت یا کسی گروہ پر اسلام لانے کے لئے دباؤ نہیں ڈالا۔

یہ قبائل جو اس وقت اسلام سے پھرے تھے۔ انھوں نے اسلام کو سوچ
سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ انھوں نے محض بھیڑ چال سے کام لیا تھا۔ فتح مکہ کے
بعد انھوں نے محض دوسرے قبائل کی دیکھا دیکھی اپنے وفد حضور کی خدمت
میں بھیجے۔ مقصد یہ تھا۔ کہ ایک بڑھتی قوت کا تعاون حاصل کر کے عیش و آرام
کی زندگی گزاریں۔ اسلام کو قبول کرتے وقت ان کی نیت صالح نہ تھی۔ یہی
وجہ تھی۔ کہ جیسے ہی حضورؐ کا وصال ہوا۔ انھوں نے گمان کر لیا۔ کہ وہ بڑا بادشاہ
تو اس دنیا سے رخصت ہوا۔ جس کے دم قدم سے مسلمانوں کو اختیار و اقتدار
ملا۔ وہ چونکہ اسلام کو سمجھتے نہ تھے اس لئے اسلام کی اندرونی قوت کی
انہیں خبر نہ تھی۔

دنیا کے ہر آئین میں دھوکے بازوں کی سزا موت ہے۔ ان لوگوں نے
بھی مسلمانوں سے دھوکا کیا تھا۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ ان کو سزا دی جاتی،
مسلمانوں کی یہ تیغی فوج، ان دھوکے بازوں کو سزا دینے کے لئے مامور
ہوئی تھی۔

پہلے قافلے کے سالار حضرت خالدؓ مقرر کئے گئے تھے۔ سب سے پہلے ان کو روانگی کا حکم ملا۔

خالدؓ بن ولید، اسلام کے سچے مجاہد تھے۔ حضورؐ نے انہیں سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے مکہ کے مشہور اور بڑے بہادر سپہ سالار تھے۔ عموماً ہر جنگ میں سواروں کا قافلہ ان کی قیادت میں رہا۔ شاہسواری میں مثال نہ رکھتے تھے۔ گھوڑے کی پشت پر اس پھرتی سے سوار ہوتے کہ بڑے بڑے شاہسوار حیران رہ جاتے۔ جس گھوڑے پر وہ ایک بار سوار ہو جاتے وہ پھر آسانی سے دوسرے سوار کے قابو میں نہ آتا۔

جنگِ احد میں جبکہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ انھوں نے دشمن کے سوار دستہ کی قیادت کی، اور درہ کی راہ مسلمانوں پر عقب سے ایسا حملہ کیا۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹ دیا۔ ۸ھ میں اسلام قبول کرنے کا شرف پایا۔ چونکہ سمجھ سوچ کر اسلام لائے تھے اس لئے اسلام لاتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ ایمان دل کے گوشہ گوشہ میں بس گیا۔

حضورؐ سے اس درجہ عقیدت اور محبت پیدا ہوئی۔ کہ ہر وقت حضورؐ کے قدموں میں پڑے رہنے کو انتہائی سعادت سمجھتے۔ اسلام لانے کے بعد، حضورؐ نے جتنی لڑائیاں لڑیں حضرت خالدؓ ان میں شریک ہوئے اور حیرت انگیز جرأت اور بہادری کے مظاہرے کئے۔ سب سے پہلے غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر انھوں نے اکیدودمہ کو گرفتار کر کے حضورِ نبویؐ میں حاضر کرنے کا فخر حاصل کیا۔ پھر غزوہ موتہ میں حیرت انگیز بہادری دکھائی۔ غزوہ موتہ کے ذکر میں ہم تفصیل کے ساتھ حضرت خالدؓ کی حیرت انگیز سیاست اور مہارتِ جنگ پر اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین

ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ ان کے مقابلہ میں دشمن ایک لاکھ سے کم نہ تھے مگر حضرت خالدؓ نے نہ صرف دشمنوں کو شکست دی۔ بلکہ ایک درجن سے زیادہ سپاہی بھی شہید نہ ہونے دیئے۔ ان کی اسی کامیابی پر حضورؐ نے انہیں سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا۔ غزوۂ موتہ کے بعد حضرت خالدؓ چند فوجی دستوں کے سردار بنا کر کئی دفعہ بھیجے گئے۔

ارتداد کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے حضرت صدیقؓ کی دوربین نگاہ نے سب سے پہلے اللہ کی اسی تلوار کو بے نیام کیا۔

سر ولیم میورؔ نے اپنے مخصوص انداز میں حضرت خالدؓ کی باعظمت شخصیت پر جو نوٹ لکھا ہے اس میں حضرت خالدؓ کو حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ کے بعد اسلام کی تیسری بڑی شخصیت قرار دیا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سر ولیم میور نے حضرت خالدؓ کی عظمت کے اعتراف میں بڑے حوصلے سے کام لیا ہے لیکن انھوں نے دو باتیں بہت ہی غلط کہی ہیں۔

(۱) اسلام لانے کے بعد صرف اسی کی فوج نے سب سے پہلے فتح مکہ کے وقت حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور خون بہایا۔

(۲) پھر بطیح قبیلہ کے خون سے ہاتھ رنگا اور حضورؐ سے ڈانٹ کھائی۔"

پہلی بات کے سمجھنے میں یا تو سر موصوف نے جان بوجھ کر غلطی کی ہے۔ یا وہ بھول گئے ہیں۔ کہ فتح مکہ کے وقت حضورؐ نے حضرت خالدؓ کے ماتحت جو فوج کعبہ کی طرف بڑھنے کے لئے نچلے حصہ سے روانہ کی تھی اس نے اپنی طرف سے کفارِ مکہ پر حملہ نہیں کیا۔ یہ حصہ جہاں سے خالدؓ کی فوج گزر

رہی تھی جنگجو قبائل کا علاقہ تھا۔ انھوں نے مسلمانوں پر پہلے تیر برسائے حضرت خالدؓ نے بہت ضبط کیا۔ مگر جب کفار نہ رُکے تو ناچار ان پر ہتھیار اٹھائے۔ حضورؐ نے دُور سے یہ ماجرا دیکھا۔ اور فرمایا میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ آج خونریزی ہو۔ حضرت خالدؓ کی طرف سے اصل واقعہ بیان کیا گیا۔ تو حضورؐ خاموش ہو گئے۔

دوسرا واقعہ غالباً بخران کا ہے۔ وہاں بھی اسی قسم کی صورت حال تھی حضرت خالدؓ نے کسی موقع پر بھی حضورؐ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی۔ غور تو فرمائیے جسے حضورؐ اللہ کی تلوار کہیں۔ وہ تلوار اللہ کے بندوں کا ناجائز خون کیسے بہا سکتی ہے؟

طلیحہ جس کی سرکوبی کے لئے حضرت خالدؓ روانہ ہوئے تھے! ان دغاباز اور فریبی دنیا داروں میں سے تھا جو محض دنیا کو لوٹنے اور فریب دینے کے لئے تقدس کا جامہ پہنتے ہیں اس شخص نے حضورؐ کی کامیابی کو دیکھ کر نبوت کا علم بلند کیا مقصد یہ تھا۔ کہ حضورؐ نے عربوں میں نبوت کی طرف جو میلان پیدا کر دیا ہے اس سے فائدہ اٹھائے اس نے عربوں کی قدیم رگ کو چھیڑ دیا تھا۔ بدو ہر شرف اپنے ہی قبیلہ سے متعلق دیکھنے کے خوگر تھے طلیحہ ان کے قبیلہ یا حلیف قبیلہ کا فرد تھا۔ انھوں نے بدوؤں کے دماغ سے سوچا کہ اپنے گھر کا نبی قریشی نبیؐ سے ہر حال میں بہتر ہے۔ مکہ اور مدینہ، نبیؐ کے وطن کی حیثیت سے عرب کے مرکز کی حیثیت حاصل کر گئے ہیں۔ کیا عجب، ان کی بستی کی قسمت بھی طلیحہ کے دم سے چمک اٹھے۔

عیینہ، ایک بدو قبیلے بنی غطفان کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ سات سو جنگجو سپاہی تھے۔ وہ ان سات سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر بزاخہ پہنچا،

جہاں طلیحہ ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ بنی غطفان کی طرح بنو اسد اور طے بھی طلیحہ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

طلیحہ نے حضورؐ کی زندگی ہی میں نبوّت کا دعویٰ کیا۔ حضورؐ نے حضرت ضرار بن الازور کو طلیحہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ جنگ جاری تھی۔ کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت ضرار مدینہ لوٹ آئے۔

بنو طے کے کچھ لوگ ابھی طلیحہ کے ساتھ نہیں ملے تھے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ بنو طے کے ان لوگوں کے سردار تھے۔ جنھوں نے ابھی طلیحہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ مدینہ سے حضرت خالدؓ کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے حضرت عدی بن حاتمؓ کو، حضرت خالدؓ کے حملہ کی خبر کے ساتھ بنو طے کے پاس بھیجا گیا۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کی حکمت عملی اور سیاست نے بنو طے کی بے راہروی کی روک تھام کر دی۔ پہلے تو یہ لوگ بہت باتیں بناتے رہے لیکن حضرت خالدؓ کی آمد نے ان کے مزاج درست کر دیئے! اور یہ ڈر کر طلیحہ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت خالدؓ سے آملے۔[1]

طلیحہ اور عیینہ کی متحدہ فوجیں بزاخہ میں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں جھوٹی نبوّت کا علم فضا میں لہرا رہا تھا۔ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی اپنے سیاہ عَلَم کو لئے میدان میں آپہنچے۔

طلیحہ کے آدمیوں نے اسلامی لشکر کے دو پہرہ داروں کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ اس وجہ سے حضرت خالدؓ اور دوسرے مسلمانوں کو بہت رنج تھا۔

---

[1] ابن خلدون۔ جلد سوم (طلیحہ کی سرکوبی کے باب میں) کامل ابن اثیر۔ جلد دوم (فتنۂ ارتداد)

دونوں فوجیں تھوڑی دیر میں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ایک طرف اپنے قبیلے کے جھوٹے نبی کی حمایت میں بنو اسد اور بنو غطفان لڑ رہے تھے۔ ان کی تعداد گو بہت زیادہ تھی، مگر تھے سب بدعقیدہ اور بے ایمان، ان کے مقابلہ میں محمد عربی سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی پاکیزہ صفت اور ایماندار جماعت تھی۔ ان کی تعداد کم تھی۔ مگر یہ ایماندار اس سے پہلے ایسی کئی اکثریتوں پر غالب آئے تھے

شروع میں مرتدین نے بڑی جرأت دکھائی۔ مگر ایمان کی حرارت میں بے ایمانی کا ملمع زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ طلیحہ ایک چادر اوڑھ کر وحی کے انتظار میں اپنے خیمے میں بیٹھا تھا۔ کہ بنو غطفان کا سردار عیینہ اس کے پاس آیا اور پوچھا۔

کیوں کوئی وحی آئی؟

ابھی تک تو نہیں۔ طلیحہ نے جواب دیا۔ عیینہ تھوڑی دیر بعد پھر آیا۔ پھر یہی سوال کیا۔ طلیحہ نے یہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ عیینہ کے سوال پر طلیحہ نے جو جواب دیا۔ وہ بڑا دلچسپ تھا۔ طلیحہ نے کہا جبرئیل آگئے تھے، کہہ گئے ہیں کہ تمہارے ساتھ آج

وہی ہو گا۔ جو تمہاری قسمت میں ہو گا۔ ۱

یہ بھی کوئی وحی ہے، عیینہ چلایا۔ اور اپنے سپاہیوں کو بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ جو سپاہی تھوڑی بہت ہمت کے ساتھ اب تک لڑ رہے تھے وہ بھی بھاگ نکلے۔ طلیحہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ شام کی طرف بھاگا۔ اور بچ کر نکل گیا۔

---

۱ ابن خلدون جلد سوم (عیینہ اور طلیحہ کی گفتگو)

اسی علاقہ میں بنی عامر، ہوازن اور سلیم قبائل بھی آباد تھے۔ یہ ارتداد کی زد میں بہنے پر آمادہ تو تھے۔ مگر بنو اسد اور غطفان کے انجام کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے طلیحہ اور عیینہ کو شکست دی تو ان قبائل کے اکثر افراد اسلام لے آئے۔ زکوٰۃ کا روپیہ ادا کیا۔ اور آئندہ اسلام پر ثابت قدم رہنے اور خدا کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کا عہد کیا۔

ان میں سے دو آدمیوں عیینہ اور زقرہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا حضرت خالدؓ نے انہیں مدینہ بھیج دیا۔ [1]

ان قبائل کے جو افراد اسلام نہیں لائے تھے۔ وہ سلمیٰ بنت مالک کے ساتھ خواب پر جمع تھے۔ سر ولیم میور کے الفاظ میں ان لوگوں کو بھی اس حقیقت سے آگاہ ہونا باقی تھا کہ

"اسلام سخت گیر اور رکھانے والا مذہب ہے"

یہ الفاظ گو بظاہر کچھ زیادہ بُرے نہیں معلوم ہوتے لیکن اگر غور کیا جائے تو سر ولیم میور نے اسلام کی تعلیمات پر بہت بڑا اعتراض کیا ہے! ہم شروع میں مرتد کے واجب القتل ہونے پر بحث کر چکے ہیں۔ اسلام کا مقابلہ اس وقت ان لوگوں سے نہیں تھا۔ جو اسلام سے واقف نہ تھے اس کا مقابلہ تو ان لوگوں سے تھا۔ جو اسلام لا کر پھر گئے تھے۔ جنھوں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا۔ ایسے لوگ کسی نرمی کے مستحق نہ تھے۔ حضرت خالدؓ نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اسی کے مستحق تھے۔

سلمیٰ بنت مالک جسے سر ولیم میور نے ام جمل کا نام دیا ہے۔ بنو غطفان اور سلیم کے بعض قبائل کی سردار تھی۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ

---

[1] ابن خلدون جلد سوم (بحوالہ سابق)، کامل ابن اثیر جلد دوم (بحوالہ سابق)

"اُس کی ماں کو محمدؐ نے بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔"

یہ بالکل جھوٹ ہے حضورؐ نے سلمیٰ کی ماں کو بے رحمی سے قتل نہیں کیا۔ اسلام عورتوں کو بے رحمی سے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ حضورؐ نے کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ نہیں کہا جا سکتا سر ولیم میور نے یہ داستان کہاں سے وضع کی۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ یہ سلمیٰ رسول اللہؐ کے زمانہ میں قید ہو کر آئی۔ حضرت عائشہؓ نے اسے آزاد کر دیا۔ ایک دن حضورؐ تشریف لائے سلمیٰ چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھی حضورؐ نے نبوت کی زبان میں فرمایا۔

"تم کتوں کی فوج کو اپنے چاروں طرف جمع کرو گی"۔

سلمیٰ آزاد کر دی گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر اپنے وطن لوٹی۔ سلمیٰ بہت خوبصورت اور دلفریب خصوصیات کی مالک تھی۔ بنو غطفان اور سلیم کے بہت سے نوجوان پروانوں کی طرح اس شمع حسن کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔

حضرت خالدؓ بھی سلمیٰ کی جنگی تیاریوں کی خبر پا کر آگے بڑھے سلمیٰ اور خالدؓ کی فوج میں سخت مقابلہ ہوا۔ سلمیٰ کے پرستار اس کی اونٹنی کے چاروں طرف گھیرا ڈالے بڑی جرأت اور مردانگی سے لڑتے رہے۔ خدا جانے حسن سلمیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں پروانوں کا سا سوز اور جل مرنے کی تڑپ کیسے پیدا کر دی۔ کہ یہ بہت دیر تک خالدؓ کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے مگر سلمیٰ کی اونٹنی کے چاروں طرف جو گھیرا یہ شروع میں ڈال چکے

تھے۔ وہ ٹوٹ نہ سکا۔ سو نوجوان بہادر دل نے سلمیٰ کی قربانگاہ پر اپنا خون بھینٹ چڑھایا۔ خالدؓ کا آج تک ایسے پروانوں سے مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ خالدؓ کے پیشِ نظر خون بہانا نہ تھا۔ فتح مقصود تھی اس لئے انھوں نے سلمیٰ کی اونٹنی کے پاؤں کٹوا دیئے۔ اونٹنی کے پاؤں کٹے تو سلمیٰ زمین پر آن گری۔ مسلمان مجاہدوں نے اس کی شمعِ حیات بہت جلد گل کر دی۔ یہ سارا جادو جو اس کے حسن سے قائم تھا ٹوٹ گیا۔ اور مرتدین بھاگ نکلے۔

بنو ہوازن وسلیم کی سرکوبی اور سلمیٰ کے استیصال کے بعد حضرت خالدؓ بنو تمیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بنو تمیم یمامہ اور فرات کے دہانہ کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے۔ دوسرے عربی قبائل کی طرح اسلام کو پھیلتا اور پھولتا دیکھ کر یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے کچھ سچے دل سے ایمان لائے تھے لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اپنی آنکھوں سے نہیں دوسروں کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ حضورؐ کے وصال پر جو لوگ اسلام سے منحرف ہوئے ان میں بنو تمیم کے چند قبائل بھی تھے۔ بنو یربوع کا ایک سردار مالک بن نویرہ فتنۂ ارتداد کا اصل بانی تھا۔ حضورؐ کے زمانہ میں یہ شخص اپنے قبیلہ پہ عامل بنایا گیا تھا۔ حضورؐ کے وصال پر اس نے بھی ارتداد کی بنا ڈال دی۔ مالک بن نویرہ اور ان لوگوں میں جو ابھی اسلام سے منحرف نہیں ہوئے تھے، جنگ چھڑ گئی[1]۔

ادھر یہ کیفیت تھی، دوسری طرف بنو تغلب کی ایک مدعیہ نبوت اور جنگجو عورت سجاح نے نبوت کا علم بلند کر دیا۔ اس کی نبوت کا کوئی خاص مشن نہ تھا۔ عبادات میں یہ اسلام کی پابند تھی۔ البتہ معاملات اور اخلاق کے باب میں اس نے بہت سی پابندیاں اٹھا دیں۔ شراب، زنا اور سؤر کا گوشت جائز قرار دے دیا

---

[1] ابن خلدون جلد سوم (واقعات ارتداد)

زکوٰۃ کو معاف کر دیا۔ بنو تغلب و بنو تمیم کے وحشی قبائل کے لیئے، غالباً اسلام کی یہی پابندیاں ناقابل برداشت تھیں۔ اور ارتداد کے دامن میں انھوں نے پناہ بھی اسی لیئے لی! سجاح ایک تو اپنی قوم کی نبیہ تھی۔ دوسرے اس نے عیاشی کے دروازے کھول رکھے تھے۔ بنو تغلب، بنو شیبان اور بنو تمر کے کچھ سردار اس سے مل گئے۔ ایک عورت دوسرے جوان اور خوبصورت، پھر کردار کی پابندیوں سے بے نیاز، نوجوانوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں اس کے علم تلے آتی گئیں۔ چند دنوں کے اندر سجاح کے مریدوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ اور یہ انہیں ساتھ لے کر حماقت اور جھوٹی نبوت کے غرور میں مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آگے کی طرف بڑھی، رستہ میں بنو تمیم کی بستیاں تھیں۔ یہاں پہنچ کر اس نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

بنو تمیم کے کچھ افراد ابھی اسلام سے منحرف نہ ہوئے تھے۔ رباب وجبہ انہیں ساتھ لے کر سجاح کے مقابلہ میں آئے۔ سجاح لڑائی ہار گئی۔ بعد میں طرفین نے مصالحت کر لی! اور سجاح مدینہ کے ارادہ سے آگے بڑھی۔ آدھی راہ سے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھی سجاح کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہو گئے سجاح کی قوت کمزور پڑ گئی۔ مدینہ پر حملہ کا جنون شاید اب اتر چکا تھا۔ یا سجاح نے اپنی کمزوری دیکھ لی تھی۔ کہ مدینہ کی بجائے، بنو حنیفہ کی آبادیوں کا رخ کیا۔

سجاح جس علاقہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہاں مسیلمہ کذاب کی حکومت تھی۔ ابن خلدون کی روایت کے مطابق، مسیلمہ نے سجاح کو مصالحت کا پیغام بھیجا۔ دونوں میں یہ طے ہو گیا۔ کہ سجاح فوج کے ساتھ نہیں تن تنہا اس کے پاس آئے۔ دونوں تبادلۂ خیال کرنے کے بعد مدینہ پر حملہ آور ہونے کی کوئی راہ نکالیں گے۔ سجاح مسیلمہ سے ملنے کے لیئے گئی۔

سجاح کے لئے مسیلمہ نے ملاقات کے لئے جو خیمہ نصب کر دیا تھا اس میں مسیلمہ اور سجاح کی پہلی اور خلوت کی ملاقات ہوئی۔ مسیلمہ ہشیار آدمی تھا پری شیشہ میں اتار لی گئی۔ سجاح نے اپنے وجود کو اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ اور دونوں فریبی شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے ایک ہو گئے۔ سجاح اور مسیلمہ تین دن تک ایک ساتھ رہے۔ مشہور کر دیا گیا کہ دونوں میں نکاح ہو گیا ہے۔ سجاح کے مذہب میں زنا جائز تھا۔ وہ اس زنا کو نکاح کا نام نہ بھی دیتے تو کوئی بات نہ تھی۔ تین دن بعد سجاح اپنی فوج میں واپس آئی۔ فوج کو اعتراض تھا کہ سجاح نے کسی مہر کے بغیر اپنے آپ کو مسیلمہ کے سپرد کیوں کیا۔ سجاح دوبارہ مسیلمہ کے پاس آئی مہر کا مطالبہ کیا۔ جھوٹے نبی نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ پانچ نمازوں میں سے دو نمازیں معاف کر دیں۔ یہ سجاح کا مہر تھا۔ مسیلمہ نے یمامہ کی نصف پیداوار بھی اپنی اس ممنوعہ نبیہ کو دی۔ اور یہ صرف تین دن اپنے شوہر کے پاس رہ کر اپنے وطن کو واپس ہو گئی۔ رستہ میں حضرت خالدؓ اور اس کی فوج میں تصادم ہوا۔ سجاح کی فوج بھاگ نکلی۔ سجاح بھی بھاگ گئی۔ اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔[۱]

سجاح کی ناکام واپسی اور حضرت خالدؓ کی آمد نے مالک بن نویرہ کے حوصلے پست کر دیئے۔ اس میں حضرت خالدؓ سے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ بطاح میں گو وہ اس وقت تک ڈیرے ڈالے پڑا تھا لیکن حضرت خالدؓ کے اس طرف آنے کی خبر پا کر بھاگ نکلا۔ بطاح پہنچ کر حضرت خالدؓ نے فوج کا جو حصہ باغیوں کی سرکوبی کو بھیجا اسے سمجھا دیا گیا تھا کہ جس بستی سے اذان کی آواز آئے وہاں کے باشندوں سے باز پرس نہ کی جائے۔ یہ دستہ فوج جب واپس

سا۔ ابن خلدون جلد سوم (سجاح) الکامل ابن اثیر جلد دوم (سجاح) طبری (سجاح)

اور اس کے ساتھ مالک بن نویرہ بھی زنجیروں میں بندھا تھا۔ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے متعلق جو شہادتیں دی گئیں ان میں قدرے اختلاف تھا۔ بعض لوگوں نے کہا۔ کہ مالک بن نویرہ کی بستی سے اذان کی آواز آئی حضرت ابو قتادہؓ بھی ان لوگوں میں تھے۔ دوسرے لوگوں کا بیان تھا کہ مالک کی بستی سے اذان کی آواز نہیں آئی۔ گویا مالک بن نویرہ نے اسلام قبول نہیں کیا۔ شہادتیں مختلف تھیں۔ حضرت خالدؓ کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو حراست میں رکھا گیا۔ حضرت ضرار بن الازورؓ مشہور جوانمرد صحابی پہرہ پر مامور کیے گئے۔

رات کا وقت تھا۔ ہر طرف تاریکی کی حکومت تھی۔ موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ موسم میں غیر معمولی ٹھنڈک پیدا ہو چکی تھی۔ کہ فضا میں حضرت خالدؓ کی پُروقار آواز گونجی۔

"ادفؤ اسراکم"

"ادفؤ اسراکم" کے دو معنی تھے! قیدیوں کو گرم کپڑے پہنا دو یا قتل کر دو، حضرت ضرارؓ کنانی تھے۔ کنانہ میں یہ جملہ اس وقت بولا جاتا تھا جب قتل کا ارادہ ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت ضرارؓ نے تلوار بے نیام کر لی۔ شور اٹھا۔ حضرت خالدؓ باہر نکلے۔ قیدیوں کے خیمے تک پہنچتے پہنچتے ضرارؓ نے سب کا کام تمام کر دیا تھا۔

مالک بن نویرہ کے قتل پر، ابو قتادہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اور وہ شکایت لے کر حضرت صدیقؓ کے پاس پہنچے۔

مالک بن نویرہ کے قتل پر بعض لوگوں نے حضرت خالدؓ کو بہت برا بھلا کہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت خالدؓ نے ایک مسلمان پر تلوار اٹھائی۔

یہ بات مسلّم ہے کہ مالک بن نویرہ نے ارتداد کی چادر اوڑھی، وہ اس ارتداد پر تائب ہوا اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت ابوقتادہ کی جو شہادت بعض مؤرخین نے درج کی ہے۔ وہ ظنی ہے یقینی نہیں۔ ظنی روائیت پر حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی۔ مالک بن نویرہ نے اسلام کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف تلوار بے نیام کی، سجاح کا ساتھ دیا۔ سجاح نبوت کی مدعی تھی: مدعیۂ نبوت کا ساتھ دینے والا، بجز توبہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ پھر گرفتاری پر حضرت خالدؓ اور مالک بن نویرہ میں جو گفتگو ہوئی اس میں اس نے حضور سید کون و مکان صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے "صاحبکم" کے الفاظ استعمال کئے گویا، حضورؐ مسلمانوں کے آقا تو تھے، آقائی و غلامی کا یہ رشتہ مالک بن نویرہ اور حضورؐ میں قائم نہ تھا۔ ایسی حالت میں حضرت خالدؓ اسے مسلمان سمجھتے اس کی توقع حضرت خالدؓ سے نہیں کی جا سکتی تھی!

پھر بھی حضرت خالدؓ کا مقصد اس شخص کا قتل نہ تھا۔ وہ غالباً اسے حضرت صدیقؓ کی خدمت میں بھیج دیتے لیکن حضرت ضرارؓ کے اجتہاد نے ٹھوکر کھائی اور مالک قتل کر دیا گیا!

ابوقتادہؓ نے حضرت صدیقؓ سے شکایت کی تھی؛ معاملہ اہم تھا۔ خالدؓ دربارِ خلافت میں طلب کئے گئے۔ خالدؓ ایک سپاہی کی شان سے دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے جنہیں ابوقتادہؓ کی روائیت پر حضرت خالدؓ کے مجرم ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ حضرت صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ خالدؓ کو مالک بن نویرہ کے قتل کے الزام میں ان کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے اور قصاص لیا جائے۔

حضرت خالدؓ نے تمام واقعہ عرض کر دیا۔ دربارِ خلافت سے ان کی

برأت کا فیصلہ صادر ہوا۔ اور حضرت خالدؓ پورے اعزاز کے ساتھ اپنے فوجی مرکز کی طرف بڑھے۔

حضرت صدیق رضؓ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کا خون بہا اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ خالدؓ کی برأت کے وقت حضرت صدیق رضؓ نے جو استدلال کیا وہ عجیب تھا۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں اللہ کی اس تلوار کو جو کفار کے لئے بے نیام ہوئی
ہے نیام میں نہیں کرنا چاہتا"۱

یاد ہوگا کہ حضور ؐ نے حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ صدیق رضؓ کو اپنے آقا ؐ کے اس خطاب کا پورا احترام تھا، وہ جانتے تھے کہ حضور ؐ جس شخص کو "اللہ کی تلوار" قرار دیں وہ مسلمان کا خون نہیں بہا سکتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت صدیق رضؓ نے خون بہا کیوں ادا کیا؟ ابو قتادہؓ کی روایت تھی، کہ مالک بن نویرہ کی بستی سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ مالک بن نویرہ کی طرف سے اذان دلوائی گئی ہو اس امکان کی موجودگی میں صورت حال مشتبہ ہو گئی اور خون بہا ادا کیا جانا ضروری سمجھا گیا۔

سر ولیم میور کا ارشاد ہے۔ کہ "خون بہا ادا کرنے کے مسئلہ کو حضرت صدیق رضؓ ٹال گئے"۔

تاریخ کی معتبر کتابیں سر موصوف کے اس بیان کی تصدیق نہیں کرتیں۔ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے۔ کہ حضرت صدیق رضؓ نے خون بہا ادا کیا۔ غیر مسلم مورخین نے (جن میں سر ولیم میور سب سے آگے ہیں) حضرت خالدؓ کے اس فعل کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔

۱۔ ابن خلدون جلد سوم (باب مالک بن نویرہ)

سر ولیم میور نے ایک افسانہ بھی گھڑا ہے۔ کہ حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے اس کے قتل کے فوراً بعد ہی شادی کرلی۔ یہ انتہائی شرمناک چیز تھی۔ کہ شوہر کا خون ابھی خشک بھی نہ ہوا ہو۔ کہ اس کی بیوی کسی دوسرے کے نکاح میں آجائے۔

اس افسانہ کی حقیقت کیا ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو درج نہیں کیا اور نہ اس روایت کو صحیح جانا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے شادی کرلی ہو۔ آئین جنگ اور اسلامی شریعت کے مطابق حضرت خالدؓ ایسا کرنے کے پورے حقدار تھے۔

مسیلمہ کا ذکر پیچھے بھی آچکا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کے نزدیک نبوت وہبی نہیں کسبی چیز تھی اس نے حضورؐ کی خدمت میں ایک نامہ لکھا۔

"میں آپ کی نبوت کو تسلیم کرتا ہوں مگر آپ اپنی
اس نبوت میں مجھے بھی شریک کر لیجئے عرب میں،
آدھے حصے پہ آپ کی حکومت رہے اور آدھے
پر میری"۔

یہ جھوٹے نبی کا خط تھا۔ اب ذرا سچے نبیؐ کا جواب سنیئے حضورؐ نے لکھا:۔

"زمین اللہ کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے حکومت
دیتا ہے۔ آخرت میں نیکو کاروں کے لئے بڑے
درجات ہیں"۔

پہلے خط میں غرض بول رہی ہے۔ دوسرے میں سچائی۔
مسیلمہ راہِ راست پر نہ لایا جا سکا۔ اس نے بنو تمیم اور بنو حنیفہ کے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ سجاح کے ذکر میں ہم لکھ چکے ہیں کہ مسیلمہ نے اس سے شادی کر لی اور دونوں کی نبوت ایک ہو گئی۔ نبوت کا یہ رشتہ شہوت کی ڈوری کے ساتھ باندھا گیا۔ یہ ڈوری ٹوٹی۔ یہ رشتہ بھی ٹوٹ گیا سجاح جھوٹی نبوت کے دعوی کی سزا میں عصمت لٹا کر واپس بھاگی۔
مسیلمہ کا غرور ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔ اس کے ساتھ چالیس ہزار کی جرار فوج تھی۔
حضرت خالدؓ سے پہلے عکرمہ بن ابوجہل اور شرجیل بن حسنہ مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے تھے۔ مگر ان کی جمعیت بہت کم تھی اس لئے کامیاب نہ ہو سکے۔
حضرت خالدؓ تیرہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ یمامہ کی طرف بڑھے۔
یمامہ سے باہر ایک کھلے میدان میں حضرت خالدؓ اور مسیلمہ کی فوجیں میدانِ جنگ میں اتریں، کفار تعداد میں مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے کفار کثرت کے گھمنڈ پر اور مسلمان ایمان کے زور پر ایک دوسرے سے بڑی جرأت کے ساتھ لڑ رہے تھے مگر کفر اور اسلام کا مقابلہ کیا تھا کفار اس لئے لڑ رہے تھے کہ ان کے بیوی بچے اور ملک مسلمانوں کے قبضہ میں نہ جانے پائیں۔ اور مسلمان اس لئے لڑ رہے تھے۔ کہ خدا کا نام بلند ہو دونوں کے مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق تھا، حق ہمیشہ باطل پر فتح پایا کرتا ہے بیوی بچوں اور ذاتی اغراض کے لئے جو لوگ تلوار اٹھاتے ہیں۔ وہ زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔
مرتدین کے میمنہ کی صفیں جو بنو حنیفہ کے افراد پر مشتمل تھیں بھاگ نکلیں یہ محکم بن طفیل[1] میسرہ پر تھا۔ اس نے اس موقع پر بڑی جرأت دکھائی۔

---
[1] ابن خلدون جلد سوم (باب مسیلمہ کذاب)

بنو حنیفہ اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ تاکہ بنو حنیفہ بھاگ کر الیمامہ کے شاہی باغ میں جا چھپیں۔ جو مرتدین میدان میں جم کر ابھی تک لڑ رہے تھے ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ یہ لوگ بھی بھاگ کر باغ میں محصور ہو گئے باغ کے دروازے پر بڑی سخت جنگ ہوئی۔ باغ کی بیرونی دیواریں بہت اونچی تھیں ان پر چڑھنا آسان نہ تھا

براء بن مالکؓ ایک بہادر صحابی حضرت خالدؓ کے اشارہ سے باغ کی دیوار پر چڑھ کر اندر کی طرف کود گئے۔ یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ہزاروں تلواریں ان کے استقبال کو چمکیں مگر بہادر کبھی ایسے مناظر سے ڈرا کرتے ہیں براء کے ہاتھ میں بھی تلوار تھی۔ وہ استقبال کرنے والوں کے جسموں میں تیرتی رہی۔ اور براءؓ دروازے کی طرف بڑھ گئے انھوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا مسلمانوں کا سیلاب بنو حنیفہ کے ناپاک جسموں کو بہا لے جانے کے لئے آگے بڑھا۔

گھمسان کا رن پڑا۔ بنو حنیفہ کے ہزاروں افراد قتل ہوئے۔ صحابہ میں سے بھی کافی مشہور اور نامور صحابہ شہید ہوئے۔ مقتولین کی کثرت کی وجہ سے اس باغ کو اصحاب سیر نے "باغ مرگ" کا نام دیا ہے۔ ہر طرف خون ہی خون بہ رہا تھا۔ انسانی جسموں کے اعضا کے ڈھیر لگے تھے کہیں۔ کٹے ہوئے بازو پڑے تھے۔ اور کہیں خون آلودہ سر۔ ان سروں میں زیادہ تعداد ان کی تھی۔ جنھوں نے اسلام پر کفر کی زندگی کو ترجیح دی اور دنیا و عاقبت دونوں میں خسارہ پایا۔ کچھ سر وہ بھی تھے جو خدا کے لئے کٹے جن کے پیشِ نظر سچائی کا بول بالا کرنے کا پاکیزہ مشن تھا۔ یہ سر وہی تھے جنھوں نے سید کون و مکاںؐ کے ساتھ بدر، احد، جنگِ احزاب، خیبر، موتہ کے

معرکے سر کئے تھے۔ کتنے بلند تھے یہ سر، اور کتنے مقدس تھے۔ وہ جسم جن پر یہ سر زیب دیے رہے تھے۔ یہ سر آج کٹ کر زمین پر پڑے تھے۔ اور ان کو جو انہیں دیکھ رہے تھے "حیاتِ جاوید" کے حصول کا ایک غیر فانی درس دے رہے تھے۔

طبری، واقدی اور ابنِ کثیر کی روایت کے مطابق، سات سو صحابہؓ نے شہادت پائی۔ جن میں ۹ ۳ ممتاز صحابہؓ تھے۔

حضورﷺ کے وصال کے بعد یہ کفر اور اسلام کی بہت بڑی جنگ تھی۔ مسیلمہ کذاب، چالیس ہزار اشخاص کے برتے پر اسلام کے نور کو سیاہی میں بدلنا چاہتا تھا۔ سیاہی پھیلے اور روشنی ختم ہو جائے۔ قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ مسیلمہ اپنی پوری قوت اور اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ ہلاکت کی موت مرا۔

کہتے ہیں وحشی نامی اس حبشی نے جس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا اور اب مسلمان ہو گیا تھا مسیلمہ کو قتل کیا۔ مسیلمہ گھوڑے پر سوار بھاگ جانے کے لئے باغ سے نکلا۔ حبشی کی اس پر نگاہ پڑ گئی۔ حبشی نے اس پر خنجر پھینکا۔ مسیلمہ خنجر کھا کر گھوڑے سے گرا۔ اور ہلاک ہو گیا۔

تیس ہزار مرتدین میں سے زیادہ قتل ہوئے۔ جو باقی بچے وہ اسلام لے آئے۔ اسلامی فوج اب سارے علاقے میں پھیل گئی۔ اور ہر طرف سے قیدیوں کے قافلے کے قافلے اسلامی کیمپ میں آنے لگے۔

مجاعہ بنو حنیفہ کا ایک ہوشمند اور مسیلمہ کا معتمد دوست تھا۔ مسیلمہ اور بنو حنیفہ کی ہلاکت کے بعد اس نے ایک چال چلی۔ الیمامہ کی عورتوں اور بچوں کو سپاہیوں کا لباس پہنا کر شہر پناہ پر کھڑا کر دیا۔ اور اس طرح حضرت خالدؓ کو اپنی طاقت سے مرعوب کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی

اس جنگ میں صحابہؓ کی کافی تعداد شہید ہو چکی تھی۔ اتنی تعداد آج تک کسی جنگ میں کام نہیں آئی تھی۔ حضرت خالدؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ اب جنگ پر مصالحت کو ترجیح دی جائے۔ مقصد جنگ نہ تھا۔ اسلام کی اشاعت تھی۔ معاہدہ ہو گیا۔ شرائط بہت نرم تھے۔ قلعہ کے مال واسباب اور پیداوار واملاک کی چوتھائی کی وصولی معاہدہ کی اہم شرط تھی۔

بعد میں جب حقیقت کھلی۔ کہ شہر میں عورتوں اور بچوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ تو حضرت خالدؓ کو مجاعہ کی مکاری پر بہت افسوس ہوا۔ مگر معاہدہ توڑا نہ جا سکتا تھا۔ اسلام معاہدوں کا احترام سکھاتا ہے۔ اس کے مشن میں معاہدہ کے احترام کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ معاہدے خواہ کسی قوم سے بھی کیوں نہ کئے جائیں ان کی پابندی اسلام میں بہت ضروری ہے [1]

اس جنگ میں جہاں بہت سے نامور صحابہؓ شہید ہوئے، وہاں حضرت عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب نے بھی شہادت پائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے۔ وہ جنگ کے بعد مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

> شرم کا مقام ہے۔ کہ تم اپنے چچا کی شہادت کے بعد کیسے زندہ رہے۔

عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا۔

> بزرگ باپ! چچا نے اللہ سے شہادت کی درخواست کی تھی انہیں یہ بلند منصب مل گیا۔ میں نے بھی یہی آرزو کی تھی اور اس کے لئے بہت کوشش کی

---

[1] ابن خلدون۔ جلد سوم طبری۔ واقعہ حدیقہ۔ ابن اثیر (مسیلمہ کذاب)

مگر مجھے یہ رتبہ نہ مل سکا۔

حضرت عمرؓ کی سمجھ میں یہ لطیف بات آگئی۔ سچ پوچھو تو صحابہ کا یہی پاک جذبہ تھا۔ جس کے فیض سے انہوں نے کفر کی جڑیں کھود دیں۔ اکثریتوں کو انتہائی اقلیت میں ہونے کے باوجود حیرت انگیز شکستیں دیں۔ اسی جنگ میں چالیس ہزار مرتدین پورے سازوسامان کے ساتھ اسلام کے تیرہ ہزار مجاہدوں کے مقابلہ میں اترے۔ مگر ان تیرہ ہزار نے چالیس ہزار کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ اور ان میں سے جو بچے انہوں نے اسلام کی حقیقت کو اب اس طرح سمجھا کہ پھر کبھی بھولنے نہ پائے۔

بنو حنیفہ کے جو لوگ بچ گئے تھے۔ ان میں سے چند ممتاز افراد کو حضرت خالدؓ نے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت صدیق رضہ اس وفد سے بہت خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے ملے۔ اس سے مسیلمہ کذّاب کے حالات معلوم کئے۔ وفد نے چند وہ جملے بھی سنائے جنہیں مسیلمہ خدا کا کلام کہتا تھا۔ حضرت صدیقؓ نے یہ جملے سُنکر فرمایا۔

خدا کی قسم یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ
پاک ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔
اور جسے چاہتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے۔

یہ وفد نہایت عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا گیا۔[۱]
حضرت خالدؓ کی اس کامیاب فتح نے آس پاس کے تمام علاقوں

---

[۱] ابن خلدون۔ جلد سوم (واقعات مابعد جنگ مسیلمہ)
طبری۔ (بہ حوالہ سابق)

میں اسلام کی روشنی عام کردی۔ کفر کے وہ سیاہ بادل، جو حضورؐ کے وصال فرماتے ہی ایمامہ کی سمت سے اُفقِ اسلام پر چھا گئے تھے۔ دفعتاً چھٹ گئے۔ اور الیمامہ کا تمام علاقہ اسلام کے دائرہ میں آگیا۔

اُنتالیسواں باب (۳۹)

اسی وقت جب حضرت خالدؓ الیمامہ کے علاقہ میں مصروف تھے دوسری طرف، بحرین، ہجر اور حطم کے علاقہ میں، حضرت علا ابن حضرمیؓ نے مرتد قبائل سے جنگ کی طرح ڈالی۔

الیمامہ سے پچھلی طرف الکتیف اور عمان کے مابین ہجر اور بحرین کے دو صوبے واقع ہیں۔ شروع باب میں ہم ان دونوں صوبوں کے محلِ وقوع کی کیفیت لکھ چکے ہیں۔

ابن اسحاقؒ[۱] کی روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو بطونِ ربیعہ کا ریذیڈنٹ مقرر فرمایا تھا۔ حضورؐ کے وصال پر بطونِ ربیعہ کے کچھ قبائل اسلام سے پھر گئے۔ ان ہی قبائل کی سرکوبی کے لیے حضرت صدیقؓ نے علاء بن الحضرمی کو مقرر فرمایا

حضرت علاءؓ جس وقت بحرین پہنچے اس وقت بحرین۔ ہجر اور حطم کے مسلمان اور مرتد قبائل میں جنگ ہو رہی تھی۔ بطونِ ربیعہ اور حیرہ پر منذر بن النعمان کی حکومت تسلیم کر لی گئی تھی۔ مرتد قبائل اسی کی ماتحتی میں مسلمان قبائل سے لڑ رہے تھے۔ حطم مرتدین کا فوجی مرکز تھا۔ شہر کے چاروں طرف گہری خندق کھدی تھی۔ حضرت علاء اور مرتدین میں اسی مقام پر ایک مہینہ تک سخت جنگ ہوئی۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

۱؎ ابن اسحاق بحوالہ ابن خلدون جلد سوم (باب ارتداد حطم و بحرین)

سلاھ کی ایک تاریک رات تھی۔ حضرت علاءؓ اپنے خیمہ میں لیٹے محاصرہ کی طوالت کے اسباب پر غور کر رہے تھے۔ کہ فضا میں شور و غل کی آوازیں پھیلی سنائی دیں۔ حضرت علاءؓ کے کان کھڑے ہوئے۔ تحقیقات پر معلوم ہوا۔ کہ آج قلعہ میں کوئی دلچسپ تقریب ہے اور دشمن شراب کے نشے میں بدمست ہیں۔ خدا کی طرف سے یہ سنہری موقع ملا تھا۔ اسے ضائع نہ کیا گیا۔ علاءؓ مسلمانوں کو ساتھ لے کر خندق عبور کر گئے۔ رات کی تاریکی میں مسلمانوں کی تلواریں قلعہ کے ہر کونہ اور ہر گوشہ میں چمک رہی تھیں۔ شراب نے اہل شہر کے حواس پہلے ہی کھو رکھے تھے اسلامی مجاہدوں نے رہی سہی کسر نکال دی۔ شہر والے نہ بھاگ سکے اور نہ لڑ سکے۔ مولی گاجر کی طرح کٹتے رہے کچھ لوگ جنہوں نے یہ منظر خود کی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھا بھاگ بھی نکلے لیکن زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اور اس طرح اسلام سے پھر نے کی سزا پائی۔ صبح تک تلواریں چمکتی رہیں! اس جنگ میں بہت سے قیدی عورتیں بچے اور سامان غنیمت مسلمانوں کو ملا۔

مال غنیمت کی تقسیم کے بعد حضرت علاءؓ دارین کی طرف بڑھے دارین میں اس علاقہ کے مرتد جمع ہو گئے۔ دارین دریا کے کنارے ایک جزیرہ نما قلعہ تھا۔ دریا پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جزیرہ تک جانے کے لئے جتنی کشتیاں تھیں وہ بھاگنے والے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

سامنے دریا موجیں مار رہا تھا۔ دشمن اور مسلمانوں میں پانی کی یہ گہری خلیج حائل تھی۔ علاء کے سامنے سوال یہ تھا۔ کہ اسے کیسے عبور کیا جائے؟ اور یہ سوال بھی حل ہو گیا۔ علاءؓ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ پانی کی موجیں، اٹھ اٹھ کر، ان سے ٹکرائیں۔ مگر مجاہد کے عزم میں تزلزل نہ پیدا کر سکیں،

دوسرے مجاہدین نے بھی اس بہادر سپہ سالار کا ساتھ دیا۔ یہ بھی کیا عجیب منظر تھا۔ گھوڑے دریا میں تیرتے ہوئے مجاہدوں کو جزیرہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ یہ گھوڑے آج سے پہلے کبھی دریا میں نہ تیرے تھے۔ صحرا میں چلنے کے یہ عادی گھوڑے اپنے سواروں کے ایمان کے فیض سے دریا کو پار کر گئے۔

بھگوڑے، بزدلوں کے سروں پر موت منڈلانے لگی۔ چھکے سفید پڑ گئے صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ آٹھ ہزار مرتد ارتداد کی سزا میں زندگی کی نعمتوں سے محروم ہوئے۔ کچھ لوگ قید بھی ہوئے۔

فتح کے ساتھ بہادر مجاہدوں کو اس غیر معمولی بہادری اور جرأت کا غیر معمولی صلہ بھی ملا۔ دارین، دولت و ثروت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ چاندی سونے، روپے پیسے کی افراط تھی۔ یہ ساری دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اور بحرین کے سارے علاقہ میں پھر اسلامی علم پھریرے لینے لگا۔

حضورؐ کی بعثت سے پہلے عمان میں یکے بعد دیگرے دو خاندان حکومت کرتے رہے۔ پہلے ازدی اور پھر بنو جلندی، رسول اللہؐ کی کامیابی پر جب چاروں طرف اسلام پھیلا تو عمان و مہرہ کے لوگ بھی اسلام لے آئے، مگر حضورؐ کے وصال پر دوسرے کمزور اور بدعقیدہ قبائل کی طرح یہ لوگ بھی اسلام سے پھر گئے

ازدی قبیلہ کے سردار لقیط بن مالک نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے حضرت حذیفہؓ اور عرفجہؓ کو عمان اور مہرہ کے سرکش قبائل کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل بھی ان لوگوں کے

ساتھ۔ عمان اور مہرہ بھیجے گئے۔ لقیط اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر دبا میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ یہ تینوں اسلامی دستے بھی وہیں جا پہنچے۔ دبا کے کھلے میدان میں مرتد اور مسلمان ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ اسلامی فوج نشیب میں مرتد بلندی پر تھے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا۔ کہ مرتد مسلمانوں کو بلندی پر ہونے کے باعث دبا لے جاتے لیکن مسلمانوں کا پلہ شروع سے لے کر آخر تک بھاری رہا۔ مسلمان بڑی جرأت اور مردانگی سے لڑے۔ مرتد حملہ کی تاب نہ لاکر پیچھے کی طرف ہٹتے گئے۔ لقیط نے بہت کوشش کی کہ اس کی فوج ہمت نہ ہارنے پائے۔ مگر کبھی دوسروں کے ہمت دلانے سے بزدلوں میں بہادری پیدا ہوئی جو اس وقت ہوتی۔ بزدل اکثریت کے باوجود بھاگے اس لڑائی میں دس ہزار مرتد مارے گئے۔ کئی ہزار قیدی بنے اور بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا۔

حذیفہ رض عمان کے عامل کی حیثیت سے یہاں ٹھیر گئے لیکن حضرت عکرمہ رض مہرہ کی طرف بڑھے۔ عمان، عرب کی مشرقی جانب کا آخری حصہ تھا۔ مہرہ شمال مغرب میں واقع تھا۔ یہاں دو قبائل آباد تھے۔ بنی سعید اور بنی عبدالقیس۔ حضرت عکرمہ رض نے ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ایک قبیلہ تو اسلام لے آیا لیکن دوسرے نے ارتداد سے منہ موڑنا غیرت کے منافی جانا۔ حضرت عکرمہ رض مسلم قبیلہ کے ساتھ مرتد قبیلہ سے لڑے۔ اور بہت بڑی فتح حاصل کی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ، بہت سے ہتھیار اور بار برداری کے جانور ملے۔

اب یہ علاقہ اسلام کے تابع فرمان تھا۔ فتنہ ارتداد کو سر اٹھاتے ہی دبا دیا گیا۔[1]

[1] ابن خلدون۔ جلد سوم (واقعات ارتداد عمان و مہرہ)

حضورؐ کی زندگی میں ہی یمن والے اسود عنسی کی وجہ سے ارتداد کی رَو میں بہ گئے تھے۔ اسود مارا گیا اسلام پھر یمن میں پھیل گیا لیکن معلوم ہوتا ہے یمن والوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد دوسروں کی طرح یمنی ایک دفعہ اور اسلام سے پھر گئے۔ حضورؐ کی طرف سے صنعا پر حضرت فیروزؓ کو عامل مقرر کیا گیا تھا۔ یمن کی اکثر آبادی جب اسلام سے پھر گئی۔ تو حضرت چاروں طرف سے خطرات میں گھر گئے۔ دشمنوں نے انہیں کئی دفعہ دھوکہ سے قتل کرنے کی سازش کی مگر وہ بچ کر نکل آئے۔ اور حضرت صدیقؓ سے امداد طلب کی۔ حضرت صدیقؓ نے طاہرؓ اور عکاشہؓ کو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ان کی مدد کو بھیجا۔ مرتدین کی جماعتیں قیس کی سرکردگی میں حضرت فیروزؓ سے لڑنے کے لئے آئیں۔ صنعا کے کھلے میدان میں ایک دن اور ایک رات سخت لڑائی ہوئی۔ قیس اور اس کے ساتھی ایمانداروں کا مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ نکلے۔ قیس کے ساتھ عمرو بن معدیکرب بھی آملا۔ یہ شخص پہلے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا تھا لیکن وصال پر ایمان سے پھر گیا قیس اور معدیکرب سے حضرت مہاجر بن امیہؓ نے، دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مل کر سخت لڑائی کی۔ مرتدین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر اسلام نے بالآخر فتح پائی۔ اور دشمن ناکام و نامراد ہوا۔ اس جنگ میں بے شمار مرتد ہلاک ہوئے جو بچے انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر کبھی اسلام سے نہیں پھرے۔

یہاں سے حضرت مہاجرؓ بن امیہ، حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل مل کر حضر موت کے قبائل کندہ کے مرتدین پر حملہ آور ہوئے نجیر الزبرقان کے میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ اشعث بن قیس مرتدین کا سرلشکر تھا۔ مگر میدان

جنگ میں جم کر نہ لڑ سکا۔ اور ساتھیوں سمیت بھاگ کر قلعہ نجیر میں محصور ہو گیا۔ حضرت عکرمہ رضؓ بن ابی جہل نے چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ میں اس درجہ سختی کی گئی۔ کہ اشعث کو مصالحت پر مجبور ہونا پڑا۔ اس نے قلعہ کی کنجیاں اسلامی فوج کے حوالے کر دیں۔ یہ یمن کے مرتدین کا آخری معرکہ تھا اس کے بعد یمن اور حضرموت کی تمام مخالف قوتیں ختم ہو گئیں۔ یمن کے تمام بدفطرت اور شرارت پسند اشخاص ہلاک ہو گئے اور اسلام کو اس علاقہ میں امن و سلامتی کا قانون عام کرنے کے تمام مواقع مل گئے۔

حضرت ابوبکر رضؓ کی طرف سے حضرت مہاجرؓ اور فیروز رضؓ یمن کے حاکم بنائے گئے۔ حضرموت حضرت زیادؓ کی عملداری میں رکھا گیا۔

یمن اور حضرموت کے بعد اب عرب کے تمام گوشے ارتداد کے سیلاب سے محفوظ ہو گئے اسلام اب ایک اٹل اور ناقابل تبدیل مذہب کی حیثیت سے عرب کے چاروں طرف پھیل گیا۔ ارتداد کی یہ کالی گھٹا جو بڑی تیزی کے ساتھ اٹھی تھی۔ چھٹ گئی۔ اور عرب نے اس دن کے بعد پھر کبھی یہ کالی گھٹا اٹھتی نہیں دیکھی۔

سچ تو یہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس نازک اور بڑی حد تک خطرناک موقع پر جس تدبر، جرأت اور استقلال کا ثبوت دیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت صدیق رضؓ نے حضور صلعم کے وصال کے بعد اسلام کو عرب میں دوبارہ زندگی بخشی۔ وہ ناسپاس طبائع جو اسلام لانے کے بعد ذاتی اغراض

کی بنا پر اسلام سے پھر گئی تھیں محض حضرت صدیق رضہ کی بدولت پھر نیکی اور سچائی کی خوگر ہوئیں۔ حضرت صدیق رضہ کا یہ کارنامہ منتہیٔ دنیا تک یادگار رہے گا۔ اور دنیائے اسلام حضرت صدیق رضہ کی اس کارگزاری کو کبھی نہیں بھول سکے گی ؏

نئے اُفق

چالیسواں باب

حیرت کا مقام ہے۔ کہ ارتداد کی یہ آندھی جو مکہ، مدینہ اور طائف کو چھوڑ کر عرب کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پھیل چکی تھی۔ حضرت صدیق رضؓ کی کوششوں سے صرف ایک سال کے اندر اندر نہ صرف رُک گئی۔ بلکہ اس کی وجہ سے طبائع انسانی میں فساد و بدنیتی کا جو میل پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بھی دُور ہو گیا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت صدیقؓ جب خلافت کی گدّی پر بیٹھے۔ اس وقت اسلامی حکومت کی حالت کتنی مایوس کن تھی۔ حضرت صدیق رضؓ نے اپنے ایمان کی حرارت اور سوز سے اس مایوسی کو امید سے بدل دیا اور محرم ۱۲ھ کا چاند جب طلوع ہوا۔ تو عرب میں ہر طرف امن و سکون پھیلا نظر آیا۔ اور نہ صرف سارے عرب اسلامی عَلَم تلے جمع ہو گئے۔ بلکہ اسلام ایک اٹل اور کبھی نہ مٹنے والے پیغامِ الٰہی کی طرح۔ عراق، شام اور ایران و روم کے حدود میں داخل ہوا اور فاران کی چوٹی پر سے طلوع ہونے والے چاند نے عرب کے گوشے گوشے اور کونے کونے کو روشن کرنے کے

بعد اپنی لوٹ مار کرنے کے لئے نئے نئے افق پیدا کئے۔

سر ولیم میور نے اس سال کی کارگزاری اور بیرونی ممالک پر اسلامی فوجوں کی چڑھائی کے سلسلہ میں اپنی کتاب میں چار صفحات کا ایک مضمون لکھا ہے۔ [1]

ان کا بیان ہے کہ اسلام صرف عرب کے لئے آیا تھا۔ حضورؐ نے صرف عرب کو دعوت دی تھی۔ ان کے مخاطب صرف عرب تھے اسلام عرب سے آگے کیوں بڑھا؟ اور اگر بڑھا تو اس نے حضورؐ کے مشن کی خلاف ورزی کی۔ حضورؐ نے مرض الموت میں عرب کو کفر سے پاک کرنے کا حکم دیا تھا۔ نہ کہ دنیائے عالم کو؟

سر ولیم میور نے غالباً قرآن نہیں پڑھا تھا! گر انھوں نے قرآن پڑھا ہوتا تو یہ اعتراض کبھی نہ کرتے۔ اس لئے کہ قرآن کا تو دعویٰ ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ہم نے تمہیں دنیا و جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

حضورؐ سارے جہان کے لئے آئے تھے۔ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے آخری الفاظ تھے۔

"جو لوگ یہاں حاضر ہیں وہ میرا یہ پیغام غیر حاضر لوگوں کو پہنچا دیں"۔

یہ غیر حاضر لوگ کون تھے۔ وہ جو دنیا کے دوسرے گوشوں میں آباد

[1] دی خلافت رائز ڈکلائن اینڈ فال صفحہ ۲۲ تا ۲۵

تھے۔ صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کے یہ الفاظ غیر حاضر لوگوں کو پہنچانے کی کوشش کی حجۃ الوداع کے اس خطبہ کے الفاظ نے تمام مسلمانوں پر ایک فرض عائد کر دیا تھا۔ اور یہی فرض صحابہ رضؓ کو عرب کی زمین سے عراق، شام، ایران و روم کی طرف لایا۔

اس فوج کشی کا ایک دوسرا سبب بھی قابلِ ذکر ہے۔ اور سچ پوچھو تو فتنۂ ارتداد کے ختم ہونے کے فوراً بعد فوج کشی کی ضرورت بھی اسی وجہ سے لاحق ہوئی۔

ارتداد کی آندھی کو چلتا دیکھ کر، جو لوگ خوشیاں منا رہے تھے! ان میں عراق، شام اور ایران و روم کی حکومتیں بھی تھیں اسلامی طاقت اگر ذرا بھی کمزور ہوتی۔ یا حضرت صدیق رضؓ کو فتنہ ارتداد کے دبانے میں زیادہ دیر لگتی۔ تو بہت ممکن تھا کہ رومی اور ایرانی فوجیں عرب کے حدود میں داخل ہو جاتیں اور اس نئی قوت کو جوان کے لئے کئی سال سے ایک مستقل خطرہ کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ دبانے کی انتہائی کوشش کی جاتی۔

عراق اور شام کے حدود پر جو اسلامی مخبر متعین تھے انھوں نے حضرت صدیق رضؓ کو اس چیز سے باخبر کر دیا تھا۔ کہ کس طرح ایرانی اور رومی حکومتیں اسلام کے کچلنے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ اتنے بڑے خطرے کو سامنے دیکھ کر کیسے آنکھیں بند کر لیتے۔ اسلام کا کوئی جاں نثار اس اعتراض سے نہیں ڈرتا۔ کہ مسلمان فوجیں اپنے حلقہ سے نکل کر کیوں آگے بڑھیں۔ مسلمانوں نے اس وقت جو کیا۔ یا صدیق اکبرؓ نے جو تدبیر اختیار کی۔ وہ صورتِ حال کا بہترین علاج تھی اور آپ خود آگے چل کر دیکھیں گے کہ حضرت صدیق رضؓ کی اس تدبیر نے ملت کو کتنا بڑا فائدہ پہنچایا اور اسلام

بیرونی قوتوں کے حملوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔
ایران نے اپنے پچھلے دور میں کتنی ترقی کی، روم کس بلندی تک پہنچا، یہ باتیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ہم تو صرف اس وقت کی تصویر پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جبکہ اسلامی فوجیں عراق اور شام کی طرف بڑھیں اس وقت ایران انتہائی تنزل کی حالت میں تھا۔ سال کے اندر اندر کئی بادشاہ بدلے، بہت سے کم سن بچے، تخت حکومت پر بیٹھے اور بہت رؤسا کی ہوس اختیار کے شکار ہوئے۔ اردشیر اس بساط سیاست کا آخری مہرہ تھا جس کی قسمت میں مسلمانوں کے ہاتھوں پٹنا تھا۔ روم کی سیاسی حالت ایران سے کسی قدر بہتر تھی۔ ہرقل شاہ روم اردشیر سے کسی قدر بہتر تھا۔

عراق میں

اکتالیسواں باب

اسلام کے اس کارواں میں جو عراق کی حدود میں داخل ہوا حضرت مثنیٰؓ ایک بہادر مسلمان بہت آگے آگے نظر آتے ہیں۔ یہ قبیلہ بکر کے ایک بہادر فرد تھے۔ آخر دور میں اسلام لائے اور اس طرح لائے کہ اپنی زندگی خدا کے رستہ میں جہاد کرنے کے لئے وقف کر دی۔ یہی مثنیٰ حضرت صدیقؓ کا حکم پا کر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ عراق میں داخل ہوئے۔ ان کی حیثیت ایک مقدمۃ الجیش کی تھی۔ وہ بڑھنے کارواں کے لئے راہ ہموار کرنے کی خاطر آگے آئے تھے، یمامہ فتح ہو گیا۔ تو حضرت خالدؓ کو عراق میں بڑھنے کا حکم ملا۔ خالدؓ سے بہتر سپہ سالار اس اہم مہم کے لئے اور کوئی نہ تھا۔ عراق ایک وسیع دنیا تھی لڑنے والوں کی۔ عراق کی پشت پر ایرانیوں کی ساری قوت تھی اس منظم قوت کے مقابلہ کے لئے کسی آزمودہ کار جرنیل کی ضرورت تھی۔ حضرت صدیقؓ نے ان کا انتخاب کیا۔ ایک طرف سے خالدؓ بڑھے دوسری طرف سے عیاذ بن غنمؓ خالدؓ کو حکم تھا کہ مثنیٰ کو ساتھ لیکر عراق

کے زیریں حصہ سے آئیں اور عیاذ حصہ بالائی سے۔

حرملہ پر، حضرت خالدؓ اور مثنیؓ کی فوجیں یکجا ہوئیں۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ دس ہزار سپاہی تھے! اور مثنیٰ کے ساتھ آٹھ ہزار، گویا اس فوج کی جو ایک بہت بڑی منظم حکومت سے لڑنے جا رہی تھی کل تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

عراق ایک نئی اور بالکل عجیب دنیا تھی ان صحرا نشینوں کے لئے، جنہوں نے کبھی ایسا علاقہ دیکھا نہ تھا۔ ان صحرا نشینوں کو یہاں بھی ایک ویو ریگستان دکھائی دیا۔ یہ ریگستان خلیج فارس سے لیکر بحیرۂ مردار تک پھیلا تھا۔ یہاں بھی پتھر ہی پتھر تھے۔ یہاں بھی دُور دُور تک کہیں پانی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مگر حملہ آوروں کا رُخ جس طرف تھا اس طرف ایک زرخیز اور شاداب دنیا تھی۔ قدم قدم پر سبزہ بکھرا تھا۔ ہرے بھرے درخت عجیب بہار دے رہے تھے! دجلہ اور فرات دو دریا، اس سرسبزی اور شادابی کو پھیلاتے دور تک کی طرف نکل گئے تھے۔ ان دونوں دریاؤں کے درمیان جو لوگ آباد تھے، ان میں سے زیادہ عیسائی تھے۔ شامی سرحد کے باشندے، رومی حکومت کے باج گزار تھے۔ اور مشرقی حصے کے لوگ ایران کے ماتحت تھے۔ اسلامی کاروان نے عراق کی سرحد کو ابھی پار نہیں کیا تھا۔ کہ اس کے بڑھنے کی خبریں عام ہوگئیں۔ اور عراق کے سرحدی صوبہ کے ایرانی گورنر ہرمز نے اس کا رستہ روکنے کے لئے پر تولے۔

خالدؓ نے اسلامی اصولِ جنگ کے مطابق ہرمز کو ایک خط لکھا۔ ان کا یہ خط بہت مختصر تھا۔ صرف تین باتیں لکھی گئی تھیں۔ اسلام سب سے اچھا اور پاکیزہ مذہب ہے اسے قبول کرلو۔ نجات پا جاؤ گے، اسلام قبول نہ کرو۔ تو خراج دو۔ امان میں رہو گے۔ اور اگر خراج بھی نہ دو۔ تو مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ

تمہارا مقابلہ ایک ایسی فوج سے ہو گا جو موت سے ڈرنا نہیں جانتی۔ ہرمز نے حضرت خالدؓ کا خط پاتے ہی اردشیر کسریٰ کو اسلامی فوج کی آمد کی خبر دی۔ اور ایک بہت بڑی فوج ساتھ لے کر حیفہ کی طرف بڑھا، حضرت خالدؓ نے مقدمۃ الجیش مثنیٰ کو دیا۔ قلب پر عدیؓ کو حاکم بنایا۔ اور عقب کو اپنی نگرانی میں لے کر حیفہ آپہنچے۔ دونوں فوجیں حفیرہ کے ایک کھلے میدان میں صف آرا ہوئیں۔ دشمنوں کی صفیں آہنی زنجیروں میں بندھی تھیں۔ مقصد یہ تھا۔ کہ ایرانی بہادر میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر بھاگ نہ سکیں۔ اسلامی فوج جہاں اُتری تھی، وہاں پانی نہ تھا۔ مگر اتفاق یا صحابہؓ کی موجودگی کا فیض سمجھو کہ اُسی وقت اس حصہ پر موسلا دھار بارش ہوئی۔ اور آس پاس کے تمام کھڈ پانی سے بھر گئے۔ اور پانی نہ ملنے کی شکایت دُور ہو گئی۔

عربی طریق جنگ کے مطابق حضرت خالدؓ نے جنگ کی طرح ڈالی۔ وہ سیدھے سادے عربی لباس میں ملبوس تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور دوسرا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھا تھا۔ وہ اپنے برق سامان گھوڑے پر بیٹھے تھے۔ گویا یہ ان کی طرف سے اعلان تھا کہ اس لڑائی کا آغاز دونوں فوجوں کے سپہ سالار کریں۔ ہرمز نے اس چیلنج کو قبول کر لیا۔ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق سامنے آیا۔ اور خالدؓ کو اشارہ کیا۔ حملہ کریں۔ خالدؓ نے حملہ کیا۔ اللہ کی تلوار چمکی۔ ہرمز نے اسے ڈھال پر لیا۔ اب ہرمز کی باری تھی، ہرمز اپنی جگہ سے اُچھلا۔ تلوار چمکی۔ مگر خالدؓ نے آگے بڑھ کر ہرمز کی کلائی پکڑ لی۔ اور کمر میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے کی پیٹھ سے اٹھا لیا۔ اور زمین پر پٹخ دیا۔ خالدؓ نے ہرمز کا سر کاٹ لیا۔ اسے نیزہ کے زور سے ایرانی صفوں

کی طرف اس طرح اچھالا۔ جیسے فٹ بال کا کھلاڑی فٹ بال کو اچھالتا ہے ایرانی زنجیریں باندھ کر میدان میں اترے تھے۔ سپہ سالار کا سر فٹ بال کی طرح اچھلتا اپنی صفوں میں گرتا دیکھا۔ تو بُزدل کانپ گئے۔ زنجیریں بجنے لگیں۔ اور وہی زنجیریں جن کی مدد سے وہ میدان میں جم کر لڑنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے سنگ راہ بن گئیں۔ وہ پیچھے کو بھاگ رہے تھے۔ مسلمانوں کی تلواریں ان کے خون میں تیر رہی تھیں۔ ان بدنصیبوں نے زنجیروں پر خنجر مار مار کر انہیں کند کر لیا۔ خنجر بھی ہاتھ سے گئے۔ اور زنجیریں بھی نہ ٹوٹیں۔ اور موت کا پھندا بن گئیں۔

ابن خلدون کی روایت ہے۔ ایرانی فوج بے لڑے بھاگی۔ مگر طبری اور واقدی کا بیان ہے۔ کہ ایرانی فوج خاص طور پر زنجیروں میں جکڑی ہوئی صفیں۔ کچھ دیر تک تلواریں چلاتی نظر آئیں لیکن ان کی مثال بالکل اس ڈوبنے والے کی تھی۔ جو بیچ دریا میں ڈوب رہا ہو۔ اور اضطراب کے عالم میں ہاتھ پھینک رہا ہو۔

اسلامی کارواں کے رستے کی یہ پہلی رکاوٹ تھی! ایرانیوں نے اس دروازہ پر لوہے کے پترے چڑھائے تھے۔ اس میں لوہے کی لمبی لمبی اور موٹی موٹی سلاخیں بھی نصب کی تھیں مگر یہ دروازہ ایک ہی ٹھوکر میں ٹوٹا۔

بہادر خالدؓ نے اسے انتہائی حقارت کے ساتھ اس زور سے ٹھوکر ماری کہ کیل بھی اکھڑ گئے۔ اور پترے بھی اور دروازہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا۔

عراق کی سرحد پر یہ پہلی لڑائی تھی۔ اور اس کی فتح کے معنی یہ تھے۔ کہ ایرانی حکومت کوئی دم خم نہیں رکھتی۔ اگر اس میں دم خم ہوتا۔ تو وہ سرحد کی

حفاظت کرتی، متمدن قومیں اور دانا حکومتیں۔ سرحدوں کی حفاظت کا سب سے زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ اور جو سرحد کو غیر محفوظ چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ حملہ کے سیلاب کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔

ایرانی فوج نے۔ جو اس جگہ لڑنے آئی۔ مسلمانوں کو بہت کچھ دیا۔ ہتھیار دیئے، سامانِ جنگ دیا۔ کھانے پینے کی چیزیں دیں۔ اور زر و جواہر دیئے۔

ہرمز نے اس پہلی جنگ کی طرح ڈالنے سے پہلے، مسلمانوں کی آمد کی خبر بادشاہ کو لکھ بھیجی تھی۔ بادشاہ نے یہ خبر پاتے ہی ایک لشکر جرار بھیجا۔ مگر یہ لشکرِ جرار ابھی رستہ میں تھا۔ کہ ہرمز صاحب حضرت خالدؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے، کہتے ہیں۔ نئی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اور یہ تعداد اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب بھگوڑی فوج اس سے آن ملی۔ گویا ایک طرف ۱۸ ہزار تلواریں تھیں۔ اور دوسری طرف سوا لاکھ۔ دونوں فوجوں نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ڈیرے ڈال لئے۔

ایک طرف انسانی جاہ و حشم، ساز و سامان، اور اکثریت کا نظارہ تھا۔ دوسری طرف پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس۔ بے تکے نیزے اور تلواریں ہاتھوں میں لئے چند ہزار مسلمان تھے۔ یہ مسلمان کیا تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کتنی طاقت تھی اس کا ٹھیک اندازہ تو ایرانی فوج ہی کر سکی۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا۔ تلواریں چمکیں، نیزے ابھرے، تنے اور گرے۔ اور ایرانی صفیں الٹ گئیں۔ اور وہ جو لاکھوں کی تعداد میں لڑنے آئے تھے چند ہزار کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ سپہ سالار بھی مارا گیا۔ اور کئی دوسرے بڑے سردار بھی ہلاک ہوئے۔ اور اپنے پیچھے مسلمانوں کے لئے دولت کے انبار کے انبار چھوڑ گئے۔ اس شکست کی خبر بادشاہ کو بھی پہنچ گئی۔ وہ غصہ سے

تلملایا تو بہت. مگر اس کے سوا اور کیا کر سکتا تھا. کہ ایک اور فوج بھیج دے اس نئی فوج میں کئی عرب قبائل بھی شامل تھے اندرزغر اس کا سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ ولجہ کے میدان میں دونوں طرف کے جوانمرد ایک دوسرے کے مقابلہ میں اُترے۔ ہتھیار بجنے لگے، تلواریں چمکنے لگیں۔ اور نیزے تن گئے۔ خالدؓ کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ ان کا تدبر دیکھو کہ انھوں نے اس فوج میں کا ایک حصہ بھی کڑے وقت کے لئے ریزرو رکھ لیا۔ دو حصے میدان میں اتارے۔ اور ایک حصہ چھپا دیا۔ پہلے دو حصوں کو وہ خود لڑا رہے تھے، اچانک انہیں لڑاتے لڑاتے پیچھے ہٹنے لگے۔ ایرانیوں کا حوصلہ بڑھا۔ وہ سمجھے مسلمان فوج حملہ کی تاب نہیں لا سکی۔ حضرت خالدؓ اس جگہ تک پیچھے ہٹتے آئے۔ جہاں تر و تازہ تیسرا حصہ چھپا بیٹھا تھا۔ جیسے ہی ایرانی فوج لڑتی لڑتی آگے بڑھی اس حصہ نے اس پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے الجھ گئے۔ تلواریں چمک رہی تھیں اور نیزے برس رہے تھے۔ اور خود خالدؓ چند سو سورماؤں کو جلو میں لئے میدانِ جنگ سے بہت پیچھے ہٹ آئے تھے، انھوں نے ایک میل کا چکر کاٹا، اور اچانک ایرانی فوج کے دائیں بازو پر اس طرح آن گرے۔ کہ ایرانی صفیں الٹ گئیں۔ اور بزدل ایرانی ہزاروں لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں نے خوب زور باندھا۔

ایک صحابی ضرار بن ازورؓ نے جو حضرت خالدؓ کے شاگرد تھے۔ ایک نیزہ سے کئی سو ایرانی چھید ڈالے۔

مسلمانوں میں ایسے سینکڑوں سپاہی تھے۔ جن میں سے ہر ایک نے بیس بیس اور تیس تیس ایرانی قتل کئے۔ یہ ایرانی سپاہی کیا تھے۔ سپاہی کے

لباس میں گاجریں اور مولیاں تھیں۔

بزدل، لوہے کے لباسوں میں اپنی کمزوریاں چھپا کر لڑنے آئے تھے، لڑنا جانتے نہ تھے۔ میدان میں جم نہ سکے۔ بھاگنے والوں میں بڑے بڑے نامی گرامی ایرانی سردار بھی تھے۔ غسانی عیسائی عرب بھی تھے۔ جو سرحدی علاقوں سے ہتھیار سجاتے اور رجز پڑھتے آئے تھے۔ ان میں [redacted] تھے۔ جن کا دعویٰ تھا ہم بھوکے مسلمانوں کو نگل جائیں گے۔ ہماری تلواریں ان کا خون چوس لیں گی۔ اور نیزے ان کی ہڈیاں توڑ ڈالیں گے۔

مگر نہ جانے یہ دعوے کیا ہوئے۔ نہ جانے یہ ارادے کیوں ٹوٹ گئے اور وہ کیوں سر کٹوا بیٹھے۔

اس جنگ میں خود اندرزغر بھی مارا گیا اور اس کے لفٹنٹ بھی۔

جو مالِ غنیمت مسلمانوں کو ہاتھ لگا۔ وہ بے حد حساب تھا۔ خدا نے نیکو کاروں سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا۔

محمد عربیؐ نے خندق کھودتے وقت پہلا پھاوڑہ چلاتے وقت فرمایا تھا۔

"مجھے عراق کی کنجیاں دی گئیں"

اس لڑائی میں عیسائی قبائل نے بھی حصہ لیا تھا۔ اور ان کے بہت سے آدمی کام آئے تھے۔ ان کے قبیلے والے مسلمانوں سے ان کا انتقام لینے آئے یہ سب لیس کے مقام پر جمع ہوئے۔ طبلِ جنگ بج رہے تھے۔ جنگی ناچ ناچے جا رہے تھے اور ڈھول پیٹ رہے تھے۔ اردشیر نے اس ہنگامہ سے دھوکا کھایا۔ اور ایک اور ایرانی فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیج دی۔ اسے خیال ہوا۔ عیسائی عربوں کا انتقام جاگا ہے۔ وہ کہیں سو نہ جائے۔ نئی ایرانی

فوج کے سپہ سالار کا نام جابان تھا۔ وہ اس فوج کو ساتھ لے کر اس جگہ آن ٹھیرا جہاں عرب عیسائی قبائل ڈھول سجا رہے تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس نئی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے کم نہ تھی۔

حضرت خالدؓ نے اس جنگ کا آغاز بھی خود کیا۔ سب سے پہلے وہ خود میدانِ جنگ میں اترے۔ دشمن کی طرف سے مالک بن قیس مشہور عیسائی عرب سردار سامنے آیا۔ دونوں فوجیں ہمہ تن شوق بن گئیں۔ ہر سپاہی کی نگاہ دونوں کی تلواروں کے قبضوں پر تھی۔ اچانک خالدؓ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا دوسری ساعت ایک بجلی سی کوندی۔ اور قیس خاک و خون میں لوٹنے لگا۔ قیس کے قتل پر عام لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے آج غیر معمولی جرأت دکھائی۔ بزدل دشمن میں مقابلہ کی تاب کہاں تھی۔ بھاگا۔ مگر ستر ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ گیا۔ ستر ہزار آدمیوں کا خون ندی کی صورت میں بہ نکلا۔ اور یہ سرزمین برسوں تک اپنی پیشانی سے بزدلی اور بےشرمی کا یہ سرخ داغ دھو نہ سکی۔

تھوڑے دن بعد حضرت خالدؓ امعیشیا پر حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ اتنا تیز تھا۔ کہ اہلِ شہر سنبھل نہ سکے۔ سارے شہر کے خزانے مسلمانوں پر کھل گئے۔ ایماندار مگر غریب مسلمانوں کی جیبیں قدرت نے بہادری اور ایمانداری کے صلے میں خوب بھریں۔ وہ جن کے پاس کپڑے تک نہ تھے۔ سونے کے انباروں سے کھیلنے لگے۔ اور وہ جنہیں باہر کے لوگ وحشی کہتے عراق کی سرسبز وادیوں کو روندتے ہوئے حیرہ کی طرف بڑھے۔ حیرہ کے حاکم نے اپنا فرض پورا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو ایک بڑی فوج دی۔ کہ مسلمان کارواں کو آگے بڑھنے سے روک لے۔ مگر یہ کارواں تو نور کا

کارواں تھا۔ اسے کون روک سکتا تھا۔ یہ تو آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ اس کی شعاعوں کو آگے بڑھنے اور پھیلنے سے روکنا کس کے بس کی چیز تھی۔ گورنر حیرہ کا بیٹا اور اس کے ساتھ ساتھ ستر ہزار ایرانی اس ناکام کوشش میں مارے گئے۔ اور خود گورنر حیرہ اپنے بیٹے کے قتل اور فوج کی تباہی کی خبر پاکر غزیین چھوڑ بھاگا۔ حضرت خالدؓ غزیین آئے اسلامی فوج حیرہ کے چاروں طرف پھیل گئی۔ حیرہ میں کئی قلعے تھے۔ ایک قلعہ پر مسلمانوں نے بزور قوت فتح پائی۔ دوسرے قلعوں والے محاصرہ کی شدت سے تنگ آکر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ عمرو بن عبدالمسیح چند دوسرے سرداروں کی معیت میں صلح کا سفیر بن کر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بٹوہ تھا۔ خالدؓ نے پوچھا اس بٹوہ میں کیا ہے؟ وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ بٹوہ کھولا گیا۔ تو اس میں سے زہر نکلا۔ یہ زہر تم اپنے ساتھ کیوں لائے؟ خالدؓ نے پوچھا۔

"اس لئے کہ میں ناکام واپسی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں" سفیر نے جواب دیا۔

"بہت خوب مگر موت تو اللہ کے اختیار میں ہے"۔

یہ کہہ کر حضرت خالدؓ نے زہر کی پڑیا پھانک لی۔

ابن خلدون کا بیان ہے۔ کہ حضرت خالدؓ پر اس زہر کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔

قیاس شاید اس بات کو تسلیم نہ کرے۔ مگر واقعہ نویس کا بیان یہی ہے۔ اور ابن خلدون جیسے معتبر راوی نے اسے بیان کیا ہے۔ دو لاکھ روپیہ پر معاہدہ ہو گیا۔ اور حیرہ والے ذمیوں کے گروہ میں شامل کر لئے گئے حیرہ کو عراق کے مرکزی شہر کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی فتح کے معنی

یہ سمجھتے۔ کہ مسلمانوں کو اب عراق سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ حیرہ کو فوجی مستقر بنا کر حضرت خالدؓ نے آس پاس کے علاقوں میں چند فوجی دستے بھیجے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حیرہ کی تمام قریبی بستیاں اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئیں اور حیرہ سے دریائے دجلہ تک کے علاقہ میں اسلامی علم پھریرے لینے لگا۔

حضرت خالدؓ نے ایک سال تک حیرہ میں قیام فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ اس وقت تک جتنے حصے میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ اسے ایک منظم صورت دے دیں۔

حیرہ کی آبادی نے جزیہ پر رضامند ہونے کے بعد حضرت خالدؓ پر اپنی حفاظت کی ذمہ داری ڈال دی تھی۔ حیرہ والے خوش تھے۔ کہ انھوں نے اپنی حفاظت کے لئے پہلے سے زیادہ قوی بازوؤں کا انتخاب کیا ہے۔ حیرہ کے علاقہ کے دیہاتی خوش تھے۔ کہ حملہ آور فوج نے نہ کہیں ان کے کھیت جلائے۔ نہ پیداوار لوٹی اور نہ پھلوں کو نقصان پہنچایا معمولی سی سالانہ رقم پر ان کے جان و املاک کی ذمہ داری لے لی اس سے پہلے ایرانی حکومت کے دور میں ان سے بیگار بھی لی جاتی۔ ان کے کھیت بھی جلائے جاتے۔ ان کی پیداوار بھی لوٹی جاتی۔ مگر اب ایسی کوئی حرکت بھی نہ کی گئی! اور سچ پوچھو تو اسلام دنیا کے لئے امن کا پیغام لایا ہے نہ کہ فتنہ و فساد کا۔

حیرہ والوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا ضروری سمجھا۔ حضرت خالدؓ نے ان پر ذرہ برابر سختی نہیں کی! انہیں اسلام کی خوبیاں ضرور سمجھائیں انہیں یہ ضرور بتایا کہ اسلام تمہاری زندگی میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر دے گا۔ کہ تم رنج، مصیبت، دکھ اور تکلیف کو بھول جاؤ گے تمہاری

زندگی ہمہ تن مصروف ہو جائے گی۔ جو لوگ مان گئے اسلام لے آئے ان کا ہر حق یوم کیا گیا۔ جو اسلام نہ لائے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ان کے معبدوں کی۔ ان کے پیشواؤں کی ان کے رسم و رواج کی حفاظت مسلمانوں نے اپنے ذمہ لے لی۔

محرم سنہ ۱۲ھ میں عراق کی مہم شروع ہوئی۔ اس تاریخ سے لے کر حیرہ کی فتح تک جتنی جنگیں ہوئیں ان میں سے کسی ایک میں بھی ایسا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا کہ مسلمانوں نے ان لوگوں پر ہتھیار اٹھائے ہوں جنہوں نے لڑائی میں شرکت نہیں کی۔ اسلام نے تلوار اٹھائی، مسلمان میدان کارزار میں اترے۔ مگر انہی لوگوں سے لڑے۔ جو لڑنا چاہتے تھے۔ جن لوگوں نے لڑائی نہیں کی یا مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کیا ان کے ساتھ انتہائی شرافت کا سلوک کیا گیا۔ ان کے حقوق کی پوری حفاظت کی گئی۔

دنیا کی اقوام کی تاریخ پڑھ جائیے جو قوم بھی فتح کے ارادے سے کسی دوسرے ملک میں داخل ہوئی مظالم کی داستانیں چھوڑ گئیں۔ ہر سپہ سالار کی حیثیت شرابیوں [illegible] عزت و حرمت لٹی۔ قرآن حکیم نے فاتح اقوام کی فطرت اور کارگزاری کے متعلق کیا خوب بات کہی ہے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

سچ پوچھو تو فاتح اقوام کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا لیکن عرب کی یہ فاتح قوم اپنی فطرت کے اعتبار سے بالکل نرالی تھی۔ [illegible] صدیق اکبرؓ نے اسلام کی پہلی فوج کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمائی تھی۔

کوئی بستی نہ جلائی جائے۔ کوئی ہرا بھرا کھیت ویران نہ کیا جائے۔ کوئی پھل دار درخت تباہ نہ ہونے۔

پائے، بزورِ قوت بچے قتل نہ کئے جائیں جو ہتھیار نہ
اٹھائے اس پر ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔
مسلمانوں نے اس اصول کی ہر جگہ پابندی کی اور کہیں کسی جگہ بھی انھوں نے زیادتی سے کام نہیں لیا۔
الحیرہ کی حکومت یہاں کے بڑے آدمیوں کے سپرد کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے سارے مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق پر توجہ فرمائی۔ حضرت خالدؓ کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر بڑے بڑے زمیندار حلقۂ اطاعت میں آپ ہی آپ آتے گئے۔ اور مالگزاری ادا کرنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت دانشمندی سے کام لے کر حضرت خالدؓ کو حکم بھیجا کہ کسانوں اور زمینداروں کو پہلے ہی کی طرح ان کی زمینوں کا مالک رہنے دیا جائے۔ مالیہ کی رقم میں بھی کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا گیا۔
الحیرہ کے صوبے کے قریب قریب تمام لوگ اب اسلام کی پناہ میں آگئے۔ یہ لوگ ذمی کہلاتے۔ یعنی وہ لوگ جن کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں نے اپنے اوپر لے لی۔ اور ان لوگوں نے یہ عہد کیا کہ اگر انھوں نے کسی سمت سے دشمن کو حملہ آور ہوتے پایا۔ تو حضرت خالدؓ کو فوراً اطلاع دیں گے۔
دشمن کی روک تھام کرنے کیلئے حضرت خالدؓ نے اس علاقہ کی اہمیت رکھنے والی جگہوں پر مضبوط چوکیاں قائم کیں اور بہت سے دستے ان کی حفاظت پر متعین کئے۔ حضرت خالدؓ کے یہ انتظامات فرات کے قریب قریب سارے مغربی علاقہ تک حاوی تھے اس کے علاوہ نہرین دوآبہ کا کچھ مشرقی علاقہ بھی اس میں شامل تھا۔
سردست اس علاقہ میں لڑائی کی آگ کہیں مشتعل نہ تھی اور مسلمان سپاہی

کو سستانے کی مہلت مل گئی تھی۔ ان کی ہمتیں بڑھانے کے لئے ان میں سارا مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ اور ان کے تھکے اعضا آرام پانے لگے۔

جس وقت الحیرہ میں ڈیرے ڈالے تھے اس وقت ایران کی بادشاہت دم توڑ رہی تھی۔ شاہی خاندان کئی گروہوں اور جماعتوں میں بٹ چکا تھا اور ہر جماعت اقتدار کی خواہش میں دوسری جماعت کے حامیوں کو ختم کر دینے پر تلی تھی خصوصیت سے شاہی نسل کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا شہزادوں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا۔ اور حالت یہ ہو گئی تھی کہ کہیں کوئی شاہزادہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور ایرانی تخت پر یکے بعد دیگرے شہزادیاں جلوہ فرما ہونے لگی تھیں۔ اور شاہزادیاں ایک تو یوں ہی کمزور تھیں پھر حکومت کرنے کے آداب سے ناواقف تھیں اس لئے ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی۔

یوں شاہی فوج کی تعداد بہت تھی۔ مگر اس فوج کے اکثر افراد بزدل اور نکمے تھے۔ سردار بھی محض نمائشی تھے اور سپاہی بھی۔ انہیں یقیناً المدائن کی حفاظت مقصود تھی۔ مگر وہ آگے بڑھ کر اسلامی فوج کی یلغار کو روکنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے صرف المدائن کے مقابل علاقہ کی حفاظت پر توجہ کی۔ اور نہر شیر تک کے علاقہ میں دبک کر رہ گئے۔ اگر حضرت صدیقؓ حضرت مثنیٰ کو آگے بڑھنے سے نہ روک دیتے تو یہ علاقہ بھی ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ ادھر شمال اور مغرب میں بڑھنے والی اسلامی فوج کی کارروائیاں جاری تھیں۔

اسلامی فوج الانبار پہنچ چکی تھی اور محاصرہ شروع کر دیا تھا۔ الانبار اس وقت فرات کے کنارہ پر ایک مضبوط قلعہ تھا جس کے چاروں طرف گہری اور ناقابلِ عبور خندق پھیلی تھی۔ محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ اس سبب

قلعہ کے دروازوں تک پہنچنے کی کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔ تو اسلامی فوج کے سارے بوڑھے اور کمزور اونٹ ذبح کر دیئے گئے اور انہیں خندق کے اس حصے میں ڈال دیا گیا۔ جو دروازہ کے سامنے تھا۔ یہ نئی قسم کا پل تیار ہوا مسلمان سپاہی اس پر ہوتے ہوئے دروازہ تک پہنچے اور مضبوط قلعہ سر ہو گیا۔ شہر پر قبضہ کے وقت الانبار کے گورنر نے مصالحت کی درخواست کی۔ یہ درخواست قبول ہوئی۔ اور اسے واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ الانبار کا علاقہ خوب شاداب تھا اس پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی فوج مغرب کی سمت آگے بڑھی۔ رستہ میں عین التمر پڑا صحرا کی سرحد پر یہ ایک اچھی مضبوط چوکی تھی اس کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی تھی۔ کہ تغلب قبائل کے بہت سے عیسائی افراد، ایرانیوں کی حمایت میں لڑنے کے لئے قلعہ میں آن آباد ہوئے تھے۔ یوں یہ قلعہ سرحد پر واقع ہونے کے باعث بہت مضبوط تھا۔ شروع میں تغلب قبائل نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور قلعہ بند ہو گئے۔ ایرانی گورنر کا سہارا ان ہی قبائل پر تھا۔ جب انہوں نے شکست کھائی تو وہ ایک پوشیدہ رستہ سے اپنے چند معتمدین کو ساتھ لے کر بھاگ نکلا۔ اور عین التمر کو تغلب قبائل کے سپرد کر گیا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان بدوی قبائل نے بڑی جرأت دکھائی۔ اور کئی دن تک مسلمانوں کو قلعہ کے قریب آنے نہ دیا لیکن خالدؓ کے ناخن تدبیر نے یہ گرہ بھی کھول لی اور قلعہ سر ہو گیا۔

اس دوران میں حضرت عیاضؓ دومہ پر الجھے تھے انہیں حکم دیا گیا تھا۔ کہ دومہ کو فتح کرنے کے بعد حضرت خالدؓ سے آن ملیں لیکن دشمن کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں نے انہیں وہیں روک لیا تھا۔ اور نہ صرف روک لیا

تھا۔ بلکہ واپسی کی راہ مسدود کر دی تھی۔ حضرت عیاض کے ساتھ بہت کم سپاہ تھی اور جس وقت وہ دومہ کی طرف بڑھے تھے انہیں یہ خیال نہ تھا کہ یہاں دشمن کی طاقت بہت مضبوط ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کو لحظہ بہ لحظہ کی حالت سے مطلع کیا جا رہا تھا۔ اسی بنا پر انھوں نے الولید کو کچھ سپاہی دے کر عیاض کی مدد کو بھیجا لیکن دشمن کی تعداد پہلے کی نسبت اور بڑھ گئی تھی۔ اور مسلمان فوج ہر طرف سے نرغہ میں آ چکی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر الولید نے عیاض سے درخواست کی۔ خالدؓ سے مدد مانگو۔ جس وقت نامہ بر خالدؓ کے پاس عیاض کا پیغام لایا۔ تو انھوں نے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم تھا۔

"اے میرے ندیم! میرا انتظار کر۔ میں بادلوں کے
دوش پر اڑتا ہوا تیرے پاس آ رہا ہوں۔ میرا نیزہ
چمک رہا ہے اور تلوار لہرا رہی ہے۔"

خالدؓ یہ جواب بھیج کر الحیرہ آئے۔ القعقاع کو اپنا نائب بنایا اور خود چند چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر عیاض کی مدد کو بڑھے۔ عیاض کی حالت اس وقت واقعی نازک ہو گئی تھی۔ بنی کلب، اور بنی غسان موج در موج اور صف در صف دومہ پہنچ رہے تھے! اور ان کی مدد سے اکیدر، دومہ اور الجودی کے نہ صرف حوصلے بڑھ گئے تھے بلکہ وہ ہر طرف سے عیاض پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔

شام ہو چکی تھی۔ لڑائی کی آگ پورے زور سے مشتعل تھی جب دفعتاً شور اٹھا۔ خالدؓ آن پہنچے۔ اکیدر دومہ اور دوسرے غسانی، اللہ کے اس شیر کے کارناموں سے خوب واقف تھے۔ اکیدر تو ان کے ہاتھ بھی دیکھ چکا تھا۔ چند

سال پہلے بھی خالدؓ اسی اُکیدر کو پکڑ کر مدینے لے گئے تھے اور اسی بہادرانہ کارنامہ پر سرکارِ دو عالمؐ کے دربار سے خالدؓ کو اللہ کی تلوار کا خطاب عطا ہوا تھا۔

خالدؓ کی آمد آمد کا شور اٹھا۔ تو دشمنوں کے دل دہل گئے۔ اور اکیدر کی حالت تو یہ ہوئی۔ کہ وہ میدان چھوڑ کر پیچھے کو بھاگا۔ مگر اس کے ایک ساتھی نے جو اس سے زیادہ باغیرت تھا۔ اسے راہ میں ہی مار ڈالا۔ میدانِ جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ ایک طرف سے عیاضؓ اور دوسری طرف سے خالدؓ نے حملہ کیا۔ اور دشمن بری طرح ہلاک ہوا۔ قلعہ کے دروازے کھل گئے۔ اور دومہ پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔

حضرت خالدؓ آس پاس کے قبائل کی مزاج پرسی اور نظم و نسق قائم کرنے کے لئے کچھ دن دومہ ٹھیرے اور پھر الحیرہ لوٹے۔

خالدؓ جس وقت الحیرہ کے قریب آئے۔ تو فضا خوشی کے نعروں سے گونج اٹھی اور سپاہیوں کو ایسا محسوس ہوا۔ کہ ان پر چودھویں رات کے چاند نے طلوع فرمایا۔

الحیرہ سے حضرت خالدؓ کی غیر حاضری کے باعث حالات کچھ بگڑ گئے تھے۔ خالدؓ دومہ چلے گئے تو ایرانیوں اور ان کے ساتھی غیر مسلم عرب قبائل کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ خاص طور پر بنی تغلب خوب کھل کھیلے اور آگے بڑھ بڑھ کر اسلامی حدود پر حملے کرنے لگے۔ القعقاعؓ یوں تو بڑے بہادر اور معاملہ فہم تھے لیکن وہ اس وقت الانبار کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ان کو یہ خبریں متواتر پہنچ رہی تھیں۔ کہ اندرونِ ملک سے الانبار پر ایک بڑا حملہ ہونے والا ہے اور دشمن کی فوجیں اس حملہ کے لئے پر تول رہی ہیں۔

خالدؓ کو یہ خبریں ملتے ہی [illegible] ہوگئیں۔ اور انھوں نے وقت ضائع کئے بغیر اپنی جگہ عیاض کو الحیرہ چھوڑا۔ القعقاع کو فرات کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور خود عین التمر پہنچ کر قبائل [illegible] ہو کر دیئے انھوں نے قسم کھائی تھی۔ کہ وہ ان لوگوں کو ان کی سرکشی کی سزا ان کے گھروں میں پہنچ کر دیں گے۔

ادھر مشرقی کنارہ پر القعقاع آگے بڑھے اور اس ایرانی سپاہ اور سرداروں کو کچل ڈالا جو حملہ کے لئے پر تول رہے تھے۔ خود خالدؓ مغربی کنارے پر بڑھے۔ یہاں زیادہ تعداد عرب قبائل کی آباد تھی۔ خالدؓ نے ان کی بستیوں پر شب خون مارے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں ان کی شرارت پسندی دم توڑ گئی۔ خالدؓ آگے کی طرف بڑھتے بڑھتے شام کی سرحد تک پہنچ گئے۔ الفرید پہنچ کر خالدؓ اور ان کی فوج نے دم لیا۔ رمضان آگیا تھا۔ خالدؓ اور ان کی فوج نے رمضان کا مبارک مہینہ یہیں کاٹا۔

الفرید پر خالدؓ کے اتنے لمبے قیام سے ایرانیوں کی بے چینی بہت بڑھ گئی۔ سرحدی پہرہ دار فوج کو خیال ہوا۔ خالدؓ شام میں داخل ہونے والے ہیں، یہ ایک بڑا خطرہ تھا! ایرانی سرحدی سپاہ نے اسے محسوس کرتے ہی خالدؓ کا رستہ روک لیا۔ وہ بڑی شان وشکوہ سے فرات کے کنارے کنارے آئی۔ اور ڈیرے ڈال دیئے۔ ان کی شان بان کا عجب عالم تھا۔ کہیں زربفت و ریشم کے شامیانے تھے۔ اور کہیں مخمل کے فرش بچھے تھے۔ ایرانی سپاہ نے خالدؓ کو پیغام بھیجا۔ دریا عبور کر کے ادھر آجاؤ۔ خالدؓ نے جواب بھیجا۔ تم خود مشرقی کنارے پر کیوں نہیں آجاتے۔ ایرانی دماغ سرخوشی سے بھرے تھے! انھوں نے دعوت قبول کر لی اور دریا کو عبور کر کے آ گئے۔

دونوں فوجوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ ایرانی اپنی کثرت کے باوجود ہار کر بھاگ نکلے، صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے کم نہ تھی۔ اور جو لوگ اس لڑائی میں کام آئے وہ ایک لاکھ تھے مسلمانوں کے ہاتھ بے شمار مال غنیمت لگا بہت سے ایرانی مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں

اس سرحد پر یہ سب سے بڑی لڑائی تھی۔ ایرانی اپنے سارے حلیف قبائل کے ساتھ میدان میں اترے تھے۔ اور جس شان سے اترے تھے اسی پراگندگی کے ساتھ بھاگے۔ ریشمین خیمے، عمدہ عمدہ ہتھیار کسی کام نہ آئے۔ ہتھیار یا خوبصورت کپڑے۔ تو صرف زینت بڑھاتے ہیں۔ اور جو سینے انسانوں جیسے دل اپنے پاس نہیں رکھتے وہ ہزار اچھے لباس بھی کیوں نہ پہن لیں۔ ان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

بہرحال یہ بڑی تیاری کے بعد کی لڑائی تھی۔ اور اس میں شکست کا اثر کافی دور دور پڑا۔ نہ کہیں ایرانی سپاہی نظر آتے۔ اور نہ بدوی قبائل ہی سر اٹھاتے۔

سنہ ۱۲ھ میں حج کے دن قریب آگئے۔ خالدؓ نے ہر طرف امن وامان دیکھا۔ تو انھوں نے سوچا حج کر آئیں۔ خانہ کعبہ کی محبت انہیں بیت اللہ لے گئی۔ انھوں نے اپنے اس سفر کو کسی پر ظاہر نہیں کیا، چپ چاپ روانہ ہوئے اور چپ چاپ واپس آگئے۔ سپاہیوں کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ بھی یہ جان نہ سکے۔ کہ خالدؓ حج کرنے گئے تھے۔ کچھ دن بعد جب یہ خبر حضرت ابوبکرؓ کو ملی تو انہیں رنج ہوا۔

شام میں

بیالیسواں باب

شام کی مہم جس سپہ سالار کے ذمہ کی گئی تھی ان کا نام حضرت خالدؓ بن سعد تھا۔ وہ بھی خالدؓ تھے۔ مگر خالد بن ولید سے بہت مختلف، وہ اپنے اتقا اور پرہیزگاری کی وجہ سے صحابہ میں بہت ممتاز تھے، رسول اللہ کے وصال کے وقت وہ جنوبی عرب میں مامور تھے حضورؐ وصال پا گئے تو انہیں واپس آنا پڑا۔ اور انہوں نے نئی خدمت کی درخواست کی حضرتؓ عمر فاروقؓ انہیں شام بھیجنا نہ چاہتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں شام کی سرحد کی طرف جانے والی فوج کی کمان دے دی۔ اور روانگی کے وقت انہیں ہدایت کر دی۔ کہ صرف قبائل سے دوستی پیدا کریں۔ اور جب تک وہ ان پر حملہ نہ کریں اس وقت تک جوابی کارروائی سے مجتنب رہیں۔

حضرت خالدؓ بن سعد نے ایسا ہی کیا۔ وہ شام کی سرحد کے ساتھ ساتھ بغیر کسی حملہ کے بڑھتے رہے۔ انھوں نے قبائل سے دوستی پیدا کرنے کی

کوشش بھی کی لیکن یونانی سرحدی فوج نے کسی بڑی جنگ چھیڑنے کی خاطر نہیں نہ خالد کے قافلے کے اونٹ لوٹنے کے لئے ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ یونانی سپاہی کئی بار ان کے اونٹ لوٹ لے گئے۔ حضرت خالد بن سعد نے اس کیفیت سے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی۔ اور آگے بڑھنے کی اجازت مانگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں آگے بڑھنے کی اجازت تو دے دی مگر یہ ہدایت بھی فرمادی کہ بڑی احتیاط سے کام لیں اور جتنا آگے بڑھیں اتنا ہی پیچھے کا خیال کریں۔

حضرت خالدؓ آگے تو بڑھے۔ مگر پیچھے کا خیال نہ رکھ سکے۔ شامی فوج نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور ان کی فوج کی حالت سخت مخدوش ہوگئی، خالدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو لکھا اور ابوبکرؓ نے عکرمہؓ بن ابی جہل اور ولیدؓ بن عقبہ کو حکم دیا کہ وہ خالدؓ بن سعد کی مدد کو پہنچیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ جب حضرت ابوبکرؓ کے دل میں شام کو فتح کرنے کا خیال آیا۔ اور انھوں نے عرب کے کونہ کونہ میں عام جہاد کی منادی کر دی۔

خالدؓ بن سعد اچھے جرنیل نہ تھے۔ انہیں تھوڑی بہت کمک مل گئی، تو وہ خلیفہ کی ہدایات پھر بھول گئے۔ اور بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ یونانی سپہ سالاروں نے سمجھ سے کام لیا اور انہیں آگے بڑھنے دیا۔ کہیں مزاحمت نہ کی اور جب وہ کافی آگے بڑھ گئے۔ تو پیچھے سے ان کی واپسی کی راہ مسدود کر دی۔ اور دوسری طرف سے ان پر زور کا حملہ کیا۔ اس اچانک حملہ نے خالدؓ بن سعد کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ اور پیچھے کی طرف بھاگے۔ ان کے صاحبزادے لڑائی میں کام آئے۔

اس ناکامی کے زیر اثر حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم منظم طریق پر شروع

کی انھوں نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ دو حصے شرجیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان کے ماتحت کئے اور تیسرا عمرو بن العاص کے سپرد کیا۔ ہر حصہ میں پانچ پانچ ہزار سپاہی تھے۔ عمرو بن العاص کو حکم ملا۔ ایلہ کی طرف بڑھیں اور وہاں سے فلسطین میں داخل ہوں۔ شرجیل اور یزید کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ تبوک کی پیش قدمی کریں۔ پھر آگے جا کر ایک دمشق کو چلا جائے اور دوسرا وسطی شام پر چڑھائی کرے۔

یزید بن ابی سفیان جس فوج کے سپہ سالار ہے اس کا علم ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان۔ کے ہاتھ میں تھا اور امیر معاویہؓ کو اس پر ساری عمر فخر رہا۔

یہ مہم ۱۳ھ میں شروع ہوئی اس مہم کی خصوصیت یہ تھی۔ کہ اس میں بڑے بڑے صحابہؓ نے حصہ لیا۔ حضرت امین امت ابوعبیدہ بن الجراح شام کی مہم کے سپہ سالار چنے گئے۔

شام کی طرف روانہ ہونے والی فوج کی تعداد راویوں نے مختلف بیان کی ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے۔ کہ یہ تعداد چوبیس ہزار تھی جس میں ایک ہزار صحابہ تھے۔ اور سو وہ صحابی تھے جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا تھا اور یہ عجیب بات ہے۔ کہ خلیفہ محترم نے جس شخص کے ہاتھ میں کمان دے دی۔ اسی کے علم تلے ان بزرگ صحابہ نے لڑنا پسند کیا۔ انھیں نام نمود کی کوئی خواہش نہ تھی۔ وہ شام محض اس لئے جا رہے تھے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور شام کے افق سے کفر کے بادل چھٹ جائیں۔ خود خلیفہ محترم کے جذبہ کا یہ عالم تھا۔ کہ انھوں نے چوبیس ہزار سپاہیوں کے بل پہ بیک وقت اس وقت کی دو سب سے بڑی سلطنتوں کو چیلنج کیا اور

مشرق اور مغرب کی دو بڑی سلطنتوں کو ان چوبیس ہزار سپاہیوں کی مدد سے الٹ دینا چاہا۔ یہ ایک بڑا عزم تھا اس مقدس خلیفہ کا جس کے بدن پر کئی پیوندوں والے ایک کمبل کا کرتہ تھا۔ اور جس کی خوراک جو کی روٹی تھی۔

یہ چوبیس ہزار سپاہی مدینہ کے باہر خیمے ڈالے پڑے تھے۔ اور جیسے جیسے اس کے دستے شام کو روانہ ہوتے جاتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس کے سوار سردار کے ساتھ ساتھ پا پیادہ چلتے اور اسے فرماتے۔ خبردار میری ان باتوں کا لحاظ کرنا۔

"کسی کو دھوکا نہ دینا۔ اور کسی کی کوئی چیز نہ چرانا۔ کسی بچے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجوریں نہ خراب کرنا۔ انہیں نہ جلانا۔ باغات کا پھل بھی خراب نہ کرنا۔ اور نہ آگ کی نذر کرنا۔ جانوروں کو قتل نہ کرنا۔ البتہ ضرورت کے مطابق ذبح کر سکتے ہو۔ زاہدوں، اور عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے تعرض نہ کرنا۔ اور ان کو ان کے مذہب پر رہنے دینا۔"

اسی قسم کی کچھ اور ہدایات بھی انھوں نے دیں۔ انھوں نے سرداروں کو سمجھایا:۔

مفتوحین سے اچھا سلوک کرنا۔ ان سے کئے گئے وعدوں کی پابندی کرنا۔ ایک وقت میں زیادہ باتیں نہ کرنا۔ ہمیشہ صاف اور مناسب باتیں کہنا۔ سفیروں کا احترام کرنا۔ انہیں زیادہ

دیر تک نہ ٹھیرانا۔ کہیں وہ جاسوسی ہی نہ کرنے
لگیں۔ جو باتیں خفیہ رکھنے کے قابل ہوں انہیں
ظاہر نہ کرنا۔ رات اور دن پہرہ داروں کو دیکھنا
اور کیمپ کے گرد چکر لگانا۔

جس وقت اسلامی فوجیں شام کی مہم پر روانہ کی گئیں اس وقت شام کے حالات چڑھائی کے لئے بہت موزوں تھے۔ بدوی قبائل کو بیزنطینی بادشاہ کی طرف سے ہر سال جو امداد ملتی تھی۔ وہ بادشاہ کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے بند ہو چکی تھی اس لئے بدوی قبائل آزاد تھے اور جیسے ہی اسلامی فوجیں ان کے علاقوں سے گزرتی گئیں وہ ان میں شامل ہوتے گئے۔
خود شام کے لوگ، بیزنطینی بادشاہوں کے ظالمانہ ٹیکسوں سے سخت بد دل تھے اور وہ ایسی حکومت کے زیر سایہ آنا چاہتے تھے جو ان پر ظلم و ستم نہ کرے۔
شام کی طرف بڑھنے والی اسلامی فوج کا راستہ سب سے پہلے اعرابہ پر روکا گیا تین ہزار یونانی سپاہی مقابلہ کو آئے مگر شکست کھائی۔
حملہ کی خبریں عام ہوتی جا رہی تھیں۔ فلسطین کے گورنر سرجیس نے یہ خبر کہیں شکار سے واپسی پر سنی۔ وہ اقتدار کے نشہ میں تھا اسے خیال ہوا کوئی عرب قبیلہ لوٹ مار کی حرص میں آگے بڑھ رہا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی اس وقت دور ہو گئی۔ جب وہ تین سو آزمودہ کار سپاہیوں کو لے کر حملہ آور مسلمانوں کے مقابلہ کو بڑھا۔ اس کا مقابلہ حضرت عمرو بن العاص سے ہوا۔ وہ بھی مارا گیا اور اس کے تین سو ساتھی بھی کام آ گئے۔
ان فتوحات سے گو اسلامی یلغار کا ڈر دور دور تک پھیل گیا۔ مگر حضرت

عمرو بن العاص چونکہ بہت محتاط قسم کے سپہ سالار تھے اس لئے وہ آگے بڑھنے کی بجائے العرابہ کی طرف پلٹ آئے البتہ شرجیل بن حسنہ، یزید بن ابو سفیان اور ابو عبیدہؓ کو بلقی اور حوران کی طرف جانے دیا۔ درون

حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابو بکر رضؓ سے مزید کمک طلب کی تو حضرت ابو بکر رضؓ کے نزدیک شام کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ وہ خود اس مہم کو بہت اہم سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے خالدؓ بن ولید کو لکھا۔ عراق سے شام جاؤ! حضرت خالدؓ عراق کی مہم کو نا تمام چھوڑ کر شام جانا نہیں چاہتے تھے مگر حضرت صدیق رضؓ کے فرمان کی تعمیل ضروری جانی اور حضرت صدیقؓ کے ارشاد کے مطابق آدھی فوج مثنیٰؓ بن حارثہ کے سپرد کی اور آدھی اپنی کمان میں لی اور عراق سے شام کو چلے۔ حضرت مثنیٰؓ نے اپنے سردار کا ساتھ صحرا کی سرحد تک دیا اور الحیرہ کو لوٹ گئے۔

مورخین اس باب میں مختلف ہیں۔ کہ حضرت خالدؓ نے عراق سے شام جانے کے لئے کونسی راہ اختیار کی لیکن اس بات پر سب متفق ہیں۔ کہ حضرت خالدؓ عین التمر سے روانہ ہوئے اور عین التمر اس صحرا میں واقع ہے جو فرات کے مغرب پر پھیلا ہے۔ ابن الاثیرؒ کا بیان ہے۔ کہ حضرت خالدؓ عین التمر سے عراق آئے۔ اور دومۃ الجندل کی راہ اختیار کی۔ یہ صحرا جس میں سے حضرت خالدؓ کی فوج کو گزرنا پڑا۔ بالکل بے آب و گیاہ تھا میلوں تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ صحیح روایت کے مطابق حضرت خالدؓ کے ساتھ نو ہزار آدمی تھے۔ اور نو ہزار آدمیوں کے پینے کے لئے پانی کی کافی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بنجر اور بے آب و گیاہ صحرا میں کہیں کہیں چشمے تو تھے۔ مگر

سلہ کامل ابن اثیر۔ باب۔ خالدؓ کا سفر عراق سے شام کی طرف۔

بہت دُور دُور۔ اور حضرت خالدؓ اور ان کی فوج کو کئی بار بڑی پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ خاص طور پر قراقیر اور سوی کے مابین تو ان کی حالت تخدوش تھی۔ وہ صحرا کے ایک ایسے حصے میں پہنچ چکے تھے۔ جہاں کئی سو میل تک کوئی چشمہ نہ تھا۔ اور اسلامی فوج کے اونٹ پانچ دن کی مسافت کے لئے کافی پانی اٹھا نہ سکتے تھے۔ حضرت خالدؓ کو اس صحرا کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ خدا کی مہربانی سے انہیں ایک ایسا رہنما مل گیا جس نے ان کی بڑی مدد کی۔ کامل ابن اثیر کی روایت کے مطابق اس رہنما کا نام رفیع بن عمیرہ تھا۔ اس کی آنکھیں جا چکی تھیں لیکن اس نے غضب کا حافظہ پایا تھا۔ اس کی قوت حافظہ نے مسلمانوں کی بڑی مدد کی۔ یہ بات یقینی تھی۔ کہ پانچ دن تک پانی نہیں ملے گا۔ اور اس مصیبت پر قابو پانے کی تجویز یہ کی گئی۔ کہ قافلے کو مختلف حصوں میں بانٹا گیا۔ اور ہر قافلے کے لئے اونٹوں کی کچھ اتنی تعداد مخصوص کر دی گئی۔ جو ان کی ضرورت کے لئے پانچ دن تک پانی محفوظ رکھ سکتے تھے۔ عرب میں یہ عام بات تھی کہ جس علاقہ میں پانی نہ ملتا وہاں کا سفر کرتے وقت بہت کافی پانی پینے والے اونٹوں کو خوب اچھی طرح پانی پلا دیا جاتا۔ ان کے اندر کی پانی کی تھیلیاں خوب بھر جاتیں اونٹوں کے کان اور منہ باندھ دیئے جاتے تاکہ وہ جگالی نہ کر سکیں۔ اور پانی اپنی ہیئت بدلنے نہ پائے۔ یہاں بھی یہی کیا گیا۔ اونٹوں کو خوب پانی پلا دیا گیا۔ ان کے کان اور منہ باندھ دیئے گئے تاکہ پانی کے ذخیرے پانچ دن تک محفوظ رہ سکیں

سفر شروع ہوا۔ اور پانچ دن کی جان لیوا مسافت ختم ہو گئی۔ پانی نے بھی جواب دے دیا۔ چشمہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ تک تھے رفیع نے دھوکا دیا۔ دور اور نزدیک پانی کے کوئی آثار نہ تھے۔ اور فوج کے آدمیوں اور جانوروں

کی حالت یہ تھی کہ اگر انہیں چند گھڑیوں تک پانی نہ ملتا۔ تو وہ دم توڑ دیتے۔

رافع اندھا تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا یہیں کہیں ایک درخت ہوگا اس درخت کے نیچے چشمہ ہے۔ ڈھونڈنے والوں کو نہ درخت ملا اور نہ چشمہ، رافع کے پاس لوگ پھر آئے اور قریب تھا کہ اسے برا بھلا کہتے، مگر اس نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے یہاں چشمہ دیکھا ہے۔ ایک بار بچپن میں، میں اور میرا باپ اس صحرا سے گذرے تھے۔ اور عقاقیر سے پانچ یا پانچ دن کی مسافت پر ایک چشمہ تھا۔ لوگ پھر تلاش کرنے گئے۔ ایک جگہ درخت تو نہیں البتہ ایک درخت کا ٹوٹا ہوا تنا زمین میں گڑا دیکھا گیا۔ لوگوں نے یہ بات رافع سے کہی۔ ہم نے پھر یہ پریشانی آگئی۔ لوگ اس جگہ کو کھود اس کے نیچے اس جگہ کو کھودا گیا۔ تو پانی کا ایک شیریں چشمہ دستیاب ہو گیا سپاہیوں نے خود بھی پانی پیا۔ اور جانوروں کو بھی پلایا۔ خوب نہائے دھوئے اور آگے کو بڑھے۔

رافع کے حافظہ کی بہت تعریف ہوئی اور اسے انعام و اکرام دیا گیا۔ صحرا کی وسعتیں اب ختم ہو گئیں۔ اور دمشق بہت تھوڑے سے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

صحرا عبور کر لیا گیا۔ تو دمشق سامنے نظر آنے لگا۔ حضرت خالدؓ رک گئے اور فوج کو سستانے کا حکم دیا۔ آپ پہلی دفعہ شام کی سرزمین میں داخل ہوئے اس بہادر بندے خالد بن ولید نے محمد رسول اللہ کا عطا کردہ پرچم لہرایا۔ خالدؓ کے ہاتھ میں پرچم تھا، وہ اسے لہراتے رہے اور اپنے رب سے کچھ کہتے رہے تھے

اپنے رب سے اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

سچا نبی بنا کر بھیجنے والے خداوندا تیرے بندے
تیرا نام بلند کرنے کے لئے اس سرزمین میں پہنچے ہیں
تو ان کی مدد فرما!

پرچم ہوا میں پھریرے لے رہا تھا۔ سپاہی جوش میں بھرے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اور خالدؓ کی آواز، آسمان کے پردے چیرتی محمد عربی کو بھیجنے والے خدا کے حضور پہنچ رہی تھی۔

ابن اثیر کہتے ہیں یہی مقام تھا۔ جہاں سے محمد رسول اللہ ؐ نے اپنے بچپن میں شام کے سفر کے وقت اس سرسبز سرزمین میں جھانکا تھا۔ اسے اتفاق کہئے۔ کہ خالدؓ نے پرچم لہرانے کے لئے یہی مبارک جگہ تجویز کی۔ آسمان دیکھ رہا تھا اور شاید ہنس رہا تھا۔ کہ بہادر خالدؓ نے فتح کو یقینی بنانے کے لئے کونسی جگہ تجویز کی ہے۔

نو ہزار بہادروں کے اس میر قافلہ خالدؓ نے دمشق کی دیوار تلے نہ جانے کیوں تھوڑی دیر رکنا پسند کیا۔ وہ شاید دمشق والوں سے کہنا چاہتے تھے۔ ہم آن پہنچے۔

وہ جس وقت یہاں آئے ہیں، کچھ غسانی عرب بچوں اور عورتوں کے ساتھ ایک تقریب منا رہے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے اور کھانے پک رہے تھے۔ خالدؓ نے ان کی اس تقریب میں مداخلت ضروری نہ سمجھی اور فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

اب وہ بصرہ میں تھے اور شرحبیل، یزید اور ابو عبیدہؓ سے گلے مل رہے تھے۔ ہر طرف اللہ اکبر کی صدائیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ سارے مسلمان سپاہی اس طرح خوش تھے۔ جیسے اندھیری رات میں آسمان پر پھیلے بادل اچانک چھٹ گئے ہوں اور چاند کا نورانی چہرہ پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا ہو۔

سارے ساتھی، بہادر خالدؓ کی عظمت سے آگاہ تھے۔ اس لئے اب وہی میر قافلہ ٹھیرے، بصرہ کے گورنر نے رسمی سی اطاعت قبول کرلی اور بہادران اسلام کا یہ قافلہ موج در موج، اور صف در صف اعرابہ کی طرف بڑھا جہاں عمرو بن العاص ٹھیرے کمک، کا انتظار کر رہے تھے۔

عمرو بن العاص کا رستہ روکنے کے لئے یونانی بڑی تیاریاں کر رہے تھے۔ دو لاکھ چالیس ہزار کا ایک لشکر جرار سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا۔ اعرابہ سے تھوڑے فاصلے پر امنڈتا چلا آرہا تھا۔ ہرقل جانتا تھا۔ کہ عربوں کے ارادے کیا ہیں اس لئے ان کی راہ روکنے کے لئے نہ صرف اتنی بڑی فوج بھیجی بلکہ بڑے بڑے سردار اکٹھے کئے انہیں ہر قسم کا ساز و سامان دیا۔ خود تو آنہ سکا۔ بلکہ اپنے بھائی تھیوڈور کو کمان دی۔ اور اس کے سینے پر جواہرات سے بنی ہوئی صلیب لگا کر میدان جنگ میں بھیجا۔

شاہی خیمے کیا تھے جنگل میں منگل تھا۔ زرق برق لباس پہنے ہوئے سپاہی، اس طرح اکڑ رہے تھے جیسے ناکامی کوئی چیز نہیں۔ پادری سینوں پر صلیبیں لٹکائے ہر طرف پھر رہے تھے اور دلجمعی کی تلقین کر رہے تھے۔

اور ادھر چالیس ہزار مسلمان تھے۔ کچھ ساز و سامان نہ رکھتے تھے۔ کچھ پیادہ تھے، کچھ سوار، بے تکے نیزے، تلواریں اور ڈھالیں ان کا کل سامان تھا۔ مگر دل بیدار تھے۔ وہ فرض پورا کرنے آئے تھے۔ ان کے لئے موت بھی کامرانی تھی اور زندگی بھی۔ وہ خدا کے لئے لڑنے اکٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کا صلہ اپنے خدا سے چاہتے تھے۔ اجنادین کے میدان میں رملہ اور بیت جبرین کے مابین دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں۔ ہفتہ کا دن تھا اور جمادی الاول ۱۳ھ کا مہینہ، لڑائی چھڑی پہلے

عام قاعدہ کے مطابق دونوں طرف کے پہلوان میدان میں اترے اور پھر بڑے بڑے حملے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کا جوش بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان میں ایک ہزار صحابی تھے اور سو بدری جانباز۔ اور پھر ان کی کمان کرنے والے اس وقت کے بہترین سپہ سالار تھے۔ یونانی سپاہ بری طرح کٹ رہی تھی۔ سونے چاندی کی صلیبیں ان کے سینوں سے کٹ کٹ کر گر رہی تھیں اور خون میں اس طرح تیر رہی تھیں۔ جیسے ان بزدلوں کا ماتم کر رہی ہوں۔ پچاس ہزار سے زائد یونانی اس میدانِ جنگ میں کام آگئے باقی بزدل بھاگ اٹھے، بھاگنے والوں میں بادشاہ کا بھائی بھی تھا۔

یہ بہت بڑی فتح تھی اور یہ فتح نتیجہ تھی اس دانائی کا جو ابو بکر صدیق رضؓ نے خالدؓ کو عراق سے بلا کر شام کی کمان عطا کرنے میں فرمائی۔

اس فتح کے اثرات بہت دُور رس تھے۔ اور شام میں یونانی بادشاہت کا ایوان متزلزل ہو گیا۔ اور غزا اور اس کے آس پاس کے سارے شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے

غزا پر قبضہ سارا پر قبضہ کے بعد ہوا اس کے بعد لبنرا، عمس، جافہ، اور بیت جبرین اسلامی قبضہ میں آگئے۔ مفتوحہ شہروں میں بسنے والوں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ اس وقت تک اسلامی سپاہ ایک ساتھ رہی۔ اور ساری لڑائیاں ایک ساتھ لڑیں اصولاً عمرو بن العاص سپہ سالار سمجھے جاتے۔ البتہ عملاً جب بھی لڑائی ہوتی۔ کمان خالدؓ کے ہاتھ میں ہوتی اور ان ہی کے مشورہ پر نقشۂ جنگ تیار ہوتا۔

بیت جبرین پر قبضہ کے بعد چونکہ اسلامی یلغار کا اثر بہت بڑھ گیا تھا اس لئے اسلامی فوج حضرت ابوبکرؓ کی ہدایات کے مطابق کئی حصوں

میں بٹ گئی۔ ایک حصہ عمرو بن العاص کے ساتھ رہا۔ وہ فلسطین کی طرف بڑھے، اور خالدؓ نے جرجان کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

اسلامی فتوحات کا سیلاب جس طرح بڑھا اور اس نے یونانی حکومت کے لئے جو پریشانیاں پیدا کیں ان کا اندازہ اس خطبہ سے کیا جا سکتا ہے جو یروشلم کے لاٹ پادری سوفرانیوس نے ۶۳۴ء کے یوم کرسمس پر پڑھا اور نے اعتراف کیا۔ کہ اسلامی فتوحات کا سیلاب اتنا پھیل گیا ہے۔ کہ عیسائی زائرین بیت اللحم کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکتے۔ ان کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں۔ قبیودور کی کمان میں جو جرار فوج اجنادین کے میدان میں جمع ہوئی تھیں۔ وہ مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد بھاگ نکلی تھی۔ اس کے کچھ افسر اور جرجان وادی میں جمع ہو رہے تھے۔ بادشاہ نے ان کی مدد کے لئے کچھ اور تازہ دم دستے بھی بھیج دیئے تھے۔

اس فوج نے اپنے لئے دریا کا اُدھر کا کنارہ پسند کیا اور اپنے پیچھے دریا پر پل باندھا تا کہ اگر پسپائی کی ضرورت ہو تو فوج واپس جا سکے۔

اس علاقہ میں بے شمار ندیاں پھیلی تھیں۔ یونانیوں نے ان ندیوں کے بند توڑ دیئے۔ مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں اور ان کی پیش قدمی کی راہوں میں پانی ہی پانی پھیل گیا۔ یونانیوں نے اس طرح مسلمانوں کی پیش قدمی روکنی چاہی تھی لیکن یہ بھاری نقصان تھا اور ان کے ساتھی رک نہ سکے۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے فحل کے مقام پر یونانیوں کو ایک اور شکست دی۔ یونانی بھاگے۔ اور ان میں سے کافی سپاہی بھاگتے ہوئے اس سیلاب کی نذر ہو گئے فحل پر انہوں نے پھر جمع کر لڑنے کی ٹھانی تھی۔ مگر یہاں بھی شکست کھائی اور جولان کا سارا صوبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اب مسلمان دمشق سے صرف

دو دن کے فاصلے پر رہ گئے۔

یہاں خالد بن سعیدؓ ایک دفعہ پھر نمایاں نظر آتے ہیں وہ سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ لے کر مرج الصفار کی طرف بڑھ گئے۔ تھے وہ اپنی فوج سے کٹ گئے۔ اور ان پر اچانک چار ہزار یونانیوں نے حملہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ بن سعید اور ان کے ساتھیوں نے باوجود تھوڑے ہونے کے بہت سخت مقابلہ کیا۔ لڑائی اس درجہ تند اور تیز تھی کہ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ کہا جاتا ہے۔ خون اس تندی سے بہا کہ رکی ہوئی پن چکی چل پڑی۔ خالدؓ بن سعید مارے گئے، خالدؓ بن سعید کی بیوہ نے خیمہ کی چوب سے سات یونانی مار ڈالے۔

محرم کی پہلی تاریخ تھی، جب یہ خونیں معرکہ پیش آیا۔

مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ

تینتالیسواں (۴۳) باب

شام روانہ ہونے سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے بہت دانائی سے کام لیا اور بیمار، زخمی، کمزور، بچے، بوڑھے اور عورتیں مدینہ بھجوا دیا۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آدھے آدمی رہ گئے ہیں اس لئے خطرہ بڑھ گیا ہے۔ یہ خیال صحیح نکلا اور جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی کہ "اللہ کی تلوار" عراق سے شام میں چمکنے کے لئے شام چلی گئی۔ تو ایرانیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کے حوصلے اس لئے بھی بڑھے کہ ایران کے تخت پر نیا بادشاہ بیٹھا اور اس نے ہرمز کی کمان میں ایک جرّار فوج اس مقصد سے تیار کی۔ کہ مسلمانوں کو عراق سے باہر نکال دیا جائے۔ خالد رضی اللہ عنہ کے چلے جانے سے وہ اس کام کو بہت آسان سمجھا اور اس نے مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو گستاخانہ خط لکھا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب بڑی جرأت سے دیا اور جواب دینے کے بعد۔ ہرمز سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ انھوں نے حیرہ چھوڑ دیا اور فرات کے کنارے پر اس جگہ آن ٹھیرے جہاں ہر طرف بابل کے کھنڈر پھیلے تھے مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی سی فوج کو جو ایرانی فوج کے مقابلہ میں بہت کم تھی تین حصوں

پر تقسیم کیا۔ دائیں اور بائیں بازو اپنے دونوں بھائیوں کے سپرد کیے اور خود مرکز میں ٹھیرے۔

ہرمز کا لشکر بھی آن پہنچا۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ ہرمز کی فوج میں ایک بدمست ہاتھی تھا۔ سب سے پہلے ہرمز نے اسے آگے بڑھایا۔ عرب گھوڑوں کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ فیل مست سے دوچار ہوئے، وہ ہنہنا کر پیچھے کو بھاگے اور پہلی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ مثنیٰؓ نے یہ صورت دیکھی تو تلوار ہاتھ میں لیکر آگے بڑھے۔ ہاتھی کے سامنے آئے، تلوار اس کی سونڈ پہ ماری اور اسے کاٹ کر زمین پہ ڈال دیا۔ مثنیٰؓ کے اس کارنامے نے ایرانی صفوں میں حیرت اور ڈر کی لہر دوڑا دی اور وہ منتشر ہو گئیں۔ انتشار پھیلا تو مسلمانوں نے حملے تیز کر دیئے۔ ایرانی لڑائی کے ساز و سامان کو وہیں چھوڑ کر پچھلے پاؤں بھاگے۔ بہت سے مارے گئے۔ اسی دن سے مثنیٰؓ کو صاحب فیل کہا جانے لگا۔ شاعروں نے ان کی بہادری کی شان میں شعر لکھے اور عربی ادب میں یہ شعر زندۂ جاوید ہو گئے۔

مثنیٰؓ نے دشمن کا تعاقب کیا اور المدائن کے دروازوں تک پہنچ گئے۔

گو مثنیٰؓ کی حالت فاتحانہ تھی مگر وہ جانتے تھے کہ ان کی فوج بہت مختصر ہے اور اتنی تھوڑی فوج کے ساتھ اتنے بڑے علاقہ کی حفاظت نہیں کی جا سکتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایرانی پایۂ تخت کی حالت بھی اچھی نہ تھی، بادشاہ مر چکا تھا اور اس کی جگہ [illegible] بادشاہ بنی۔ وہ دربار کے ایک طاقتور وزیر کے ہاتھوں مارا گیا لیکن پھر بھی مثنیٰؓ فاتح کو اپنی حالت مضبوط بنانا مقصود تھا۔ اس لئے انھوں نے حضرت صدیقؓ کو لکھا کہ کمک بھیجیں۔ جواب میں تاخیر ہوئی تو وہ خود مدینہ آئے۔ جس وقت مدینہ پہنچے حضرت صدیقؓ بستر مرگ پر پڑے تھے۔

حضرت صدیقؓ جانتے تھے ان کا وقت قریب ہے اور حضرت عمرؓ کو بلوایا اور فرمایا۔

عمرؓ! مثنیٰ کی مدد کے لئے ایک فوج تیار کر دو۔ اس میں تاخیر نہ کرنا۔ اگر میں آج مرگیا جیسے کہ توقع ہے تو شام ہی کو مثنیٰ کی مدد کے لئے فوج روانہ کر دینا۔ اور اگر میں اس وقت نہ مرا اور شام تک زندہ رہا۔ تو دوسری صبح یہ کام انجام دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا غم تمہیں اس کام میں سست بنا دے میری مثال اپنے سامنے رکھنا۔ حضورؐ کے وصال کے وقت جو میں نے کیا وہی تم کرنا۔ اور تم جانتے ہو حضورؐ کے وصال سے زیادہ غم کوئی اور نہیں ہو سکتا! اور اگر میں اس وقت تساہل کرتا اور غم مجھ پر قابو پالیتا تو اسلام کو کافی نقصان پہنچتا۔ بغاوت کی آگ مدینہ تک آن پہنچی تھی، اور عمرؓ! سنو! جب شام میں اللہ فتح دے تو عراق کی فوج عراق بھیج دینا۔ کیونکہ۔ وہ فوج اور اس کا کمانڈر انتظام کو خوب سمجھتا اور حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقؓ کی آخری وصیّت سنی۔ اور وعدہ کیا کہ اسے حرف بہ حرف پورا کریں گے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت صدیقؓ جانتے تھے کہ جب خالدؓ کو عراق بھیجا گیا تو میں نے مخالفت کی تھی اس لئے انھوں نے خالدؓ کا نام نہیں لیا اور صرف فوج اور اس کے کمانڈر کا ذکر کیا۔

ستارہ ڈوبا

چوالیسواں باب

موسم کچھ اچھا نہ تھا۔ صدیق رضؓ نے ایک ٹھنڈے دن کو غسل فرمایا۔ تو بخار چڑھ آیا۔ بخار بہت سخت تھا اتنا سخت کہ وہ نماز پڑھانے کے لئے مسجد تک جا نہ سکے انہوں نے حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ بخار پندرہ دن تک نہ ٹوٹا تو خطرہ بڑھا، اور لوگوں نے حضرت صدیقؓ سے حکیم منگوانے کی اجازت مانگی۔ حضرت صدیقؓ انتہائی آرام کے ساتھ بولے حکیم میرے پاس آ چکے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا پھر حکیم نے کیا کہا آپ سے؟ صدیقؓ نے فرمایا۔ میں تمہارے ساتھ وہی کرنے والا ہوں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ لوگ اس بات کا مطلب سمجھتے تھے اس لئے خاموش ہو گئے۔

یہ جان کر کہ وقت قریب آن پہنچا۔ حضرت صدیقؓ نے اپنے جانشین کے تقرر کی تیاریاں کیں۔ ان کے نزدیک حضرت عمر فاروقؓ سے زیادہ کوئی اس منصب کے اہل نہ تھا مگر وہ اپنی رائے کی اصابت معلوم کرنے کے لئے دوسروں سے بھی مشورہ کرنا چاہتے تھے انھوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلایا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ممتاز ترین صحابہ میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کی بہت تعریف کی مگر ان کی

سخت گیری کا شکوہ کیا اس کے جواب میں حضرت صدیق رض نے فرمایا عمر رض اس لئے سخت ہیں کہ مجھے بہت زیادہ نرم پاتے ہیں لیکن جب وہ خود امیر بنیں گے تو اس وقت نرم ہو جائیں گے۔ میں نے اس کا اندازہ کیا ہے میں جب کبھی کسی سے نا راض ہوتا تو عمر رض اس سے نرمی کرنے کو کہتے اور جب کسی سے ضرورت سے زیادہ نرمی کرتا تو سختی کرتے۔

حضرت عثمان رض نے بھی یہی مشورہ دیا انہوں نے کہا عمر رض کا باطن ظاہر سے زیادہ اچھا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم میں ان جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ جب طلحہ رض کو بلایا گیا۔ تو طلحہ رض نے حضرت عمر رض کے انتخاب کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا۔ اب جبکہ آپ ہم میں زندہ موجود ہیں۔ عمر رض ہم پر کافی سختی کرتے ہیں لیکن جب آپ نہ ہوں گے اور عمر رض ہی سب کچھ ہوں گے۔ تو ان کی سختی بڑھ جائے گی۔ تم خدا کے ہاں جارہے ہو اس کو کیا جواب دو گے۔ کہ اس کے بندوں کی قسمتیں اتنے سخت گیر شخص کے سپرد کر آئے۔

حضرت صدیق رض کو حضرت طلحہ رض کی اس بات سے بہت رنج پہنچا۔ وہ بستر مرگ پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور انتہائی جوش کے ساتھ فرمایا۔

میں اپنے رب سے کہوں گا۔ اے رب میں نے تیرے بندوں پر
اس کو حاکم بنایا۔ جو ان میں سب سے بہتر تھا۔

پھر صدیق رض نے عثمان رض کو طلب کیا اور حضرت عمر رض کے تقرر کا فرمان لکھوایا جس وقت یہ فرمان لکھا جا رہا تھا۔ حضرت صدیق رض بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو آپ نے فرمان کی عبارت سننے کی خواہش ظاہر کی۔ عبارت سن لی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ اس نے انہیں فرمان لکھوانے کی مہلت بخشی ورنہ لوگ پریشانی میں پڑ جاتے۔ فرمان لکھوانے کے بعد آپ نے حکم دیا۔ اسے عوام کے مجمع میں پڑھ کر سنا دیا جائے۔ جب فرمان تیار

سنایا گیا۔ تو خود عمر فاروق رضؓ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت
ہ کے مکان میں تھے۔ جس کی کھڑکی مسجد نبوی میں کھلتی تھی۔ سب لوگ مسجد میں جمع
تھے۔ حضرت صدیق رضؓ نے حضرت اسماءؓ کو حکم دیا۔ مجھے اٹھا کر کھڑکی میں کر دو،
ب انہیں کھڑکی میں کر دیا گیا۔ تو آپنے لوگوں کو مخاطب کیا۔

میرے نزدیک سب سے بہتر جو شخص تھا میں نے اسے تمہارا حاکم بنایا۔ کیا تم اس شخص سے مطمئن ہو۔ یہ میرا کوئی رشتہ دار قریبی نہیں۔ یہ عمرؓ ہیں خطاب کے بیٹے۔ اس لئے تمہارا فرض ہو گا کہ تم ان کی اطاعت کرو۔

لوگوں نے ابوبکرؓ کے آخری الفاظ سُنے تو بیک وقت بولے۔

"ہمیں منظور ہے۔ ہم ان کی فرمانبرداری کریں گے"۔

انتقال سے تھوڑی دیر پہلے انھوں نے حضرت عمرؓ کو سمجھایا۔

"لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا"۔

حضرت عائشہؓ ان کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں انھوں نے باپ کو مرتے دیکھا تو انتہائی درد کے ساتھ کسی شاعر کا کوئی غمناک شعر پڑھا۔ حضرت صدیقؓ ناراض ہوئے اور قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے۔

موت ضرور آئے گی اور یہ اے انسان ایسی چیز ہے
جسے تو روکنے کی کوشش کرتا رہا۔

پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھی:۔

اے رب، مجھے اسلام پر مار اور ان لوگوں کے
ساتھ ملا جو تیرے بزرگ اور پسندیدہ بندے ہیں،

حضرت ابوبکرؓ نے دو سال تین مہینے خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ ان کی خواہش کے مطابق ان کی بیوی جناب اسماءؓ نے انہیں نہلایا۔ حضرت صدیقؓ

نے وصیت کی تھی انہیں ان ہی کپڑوں میں دفنایا جائے۔ جو انھوں نے پہنے ہیں انھوں نے فرمایا، نئے کپڑے زندوں کے لئے موزوں ہیں اور پرانے مُردوں کے لئے ان ہی صحابہ نے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتارا تھا حضرت صدیق رضؓ کو قبر میں اتارا۔ اور حضورؐ کے پہلو میں دفنایا صدیق رضؓ کا سر حضورؐ کے کندھے کے قریب رکھا گیا۔ حضرت عمر رضؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حضرت صدیقؓ مسجد نبوی کے حجروں میں ہی رہتے تھے۔ خلافت کے سال میں وہ چھ مہینے اسی مکان میں رہے جہاں رسول اللہؐ کے زمانہ میں رہتے اور نہایت سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے، ہر صبح وہ دالسناء السنا کے مکان میں تھے) مسجد نبویؐ میں آتے۔ خلافت کے کام سرانجام نماز پڑھاتے۔ وہ جب نہ ہوتے حضرت عمرؓ ان کی نمائندگی کرتے۔

حضرت صدیق رضؓ کی سادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود اپنے گھر کے اکثر کام خود کرتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے! صرف اپنی بکریوں کا دودھ دوہتے۔ بلکہ محلّہ بھر کی بے چاری اور بیوہ کی بکریوں کا دودھ بھی وہی دوہتے۔

خلافت کا کام سنبھالنے کے بعد کچھ مدت تک وہ پہلے کی تجارت کر کے اپنے گھر کا خرچ چلاتے رہے۔ پھر لوگوں کے اصرار پر اور خیال سے کہ اس طرح خلافت کے کام پر پوری توجہ نہیں دی جا سکتی انھوں نے بیت المال سے تنخواہ لینی شروع کر دی اس وقت کے حساب آپ کو چھ ہزار درہم سالانہ ملتے۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ ایک درہم قریب قریب ایک چونی کے برابر ہوتا ہے۔ چھ ہزار درہم کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت

نہ اتنے بڑے خلیفہ ہونے کے باوجود صرف سواسو روپئے ماہوار تنخواہ پاتے
ال سنا کا مکان چونکہ دور تھا اس لئے لوگوں کے اصرار پر آپ مسجد
کے حجروں میں اٹھ آئے۔

مسجد نبوی ان کا دفتر تھا۔ وہیں ان کا دربار لگتا۔ وہیں سے وہ احکام
ی کرتے اور وہیں ان کی خدمت میں بیرونی سفیر حاضر ہوتے۔ محاصل سے
ہی کوئی روپیہ آتا۔ یا جیسے ہی کوئی مال غنیمت ان تک پہنچتا۔ وہ جیسے ہی
اور مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا ہر ایک کو ایک جیسا حصہ دیا جاتا۔ غلام مولی
اور عورتوں کو بھی اس میں برابر کا شریک کیا جاتا۔

یہاں یہ نکتہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ صدیق اکبرؓ کی نگاہ
ہدین کے غلام اور لونڈیاں بیت المال میں سے حصہ پانے کے ویسے ہی
ر کے مستحق تھے۔ جیسے دوسرے مسلمان، ان کے نزدیک پہلے مسلمان ہونا،
بعد میں مسلمان ہونا ایک برابر تھا۔ جب کبھی ان سے کہا گیا۔ کہ فلاں صحابی
لے اسلام لایا اس کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ تو صدیقؓ فرماتے، جو پہلے
سلام لایا ہے اس کا صلہ خدا کے دربار سے ملے گا۔ یہ جو کچھ ملتا ہے یہ تو وقتی
ر دریات کے لئے ہے اس سے پہلے یا بعد میں اسلام لانے کا کیا تعلق۔
صدیقؓ کی وفات کے بعد جب فاروقؓ نے بیت المال کھولا۔ تو اس میں سے
صرف ایک طلائی مہر برآمد ہوئی۔ اس کے سوا بیت المال کے خزانے میں
کچھ نہ تھا۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو حضرت مرحوم کے لئے ان کی آنکھوں
میں آنسو چھلک آئے۔

مرض الموت میں آپ نے وصیت کی کہ ان کی فلاں زمین فروخت کر دی جائے
اور اس سے جو روپیہ حاصل ہو وہ بیت المال کو لوٹا دیا جائے۔ اس تنخواہ کے

غرض جو انھوں نے خلافت کے دوران میں عوام کے خزانہ سے لی حضرت محترم کو یہ بات ہمیشہ کھٹکی کہ وہ عوام کے خزانہ سے اپنے خرچ کے لئے لیتے ہیں اور اسی لئے مرنے سے پہلے انھوں نے یہ روپیہ لوٹا دیا۔

وہ مجسمہ رحمت و شفقت تھے محمد رسول اللہ ؐ کے بعد کوئی ایسا شخص نہ تھا جو عوام سے اتنی محبت اور شفقت کا سلوک کرتا جتنی شفقت حضرت صدیق رضؓ فرماتے اور یہی وجہ تھی کہ سب مسلمان ان کو پسند کرتے فاروق رضؓ فرمایا کرتے کہ مسلمانوں نے جتنی محبت سے اپنی جانیں صدیق رضؓ کے حکم پہ دیں اتنی کسی اور کی خاطر نہ دیں۔

حضرت صدیق رضؓ کی صرف تین بیویاں تھیں۔ دو بیویاں ہجرت سے پہلے مکہ میں تھیں۔ جب ہجرت فرمائی۔ تو جنگ موتہ کے بعد حضرت جعفرؓ کی بیوی حضرت اسماءؓ سے نکاح فرمایا۔ تینوں بیویوں سے اولاد ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ ان کی سب سے پیاری بیٹی تھیں اور یہ بیٹی انھوں نے حضورؐ سے بیاہ دی۔

حضرت صدیق رضؓ ہر بات میں حضورؐ کے نقش قدم پر چلتے ان کا کوئی محافظ نہ تھا۔ نہ خدام ہی تھے۔ نہ کوئی نشان و شوکت تھی اور نہ نمائش عمرؓ ان کے سب سے بڑے مشیر کار تھے۔ اور ان کی رائے کا وہ ہمیشہ احترام کرتے رات کے وقت وہ خود پہرہ دیتے۔ اور حاجت مندوں کے دکھڑے سنتے اور ان کی مدد فرماتے۔ حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ ایک رات انہیں معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک اندھی عورت ضرورت مند ہے، وہ اسی رات اس کی مدد کو پہنچے لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ صدیق رضؓ وہاں بیٹھے تھے اور اس کی ضروریات کی چیزیں اسے دے رہے تھے۔

حضرت صدیق رض یوں تو خلافت کا سارا کام خود کرتے لیکن سب کام مشورہ سے ہوتا ان کے مشیروں کی کونسل میں حضرت فاروق رض۔ حضرت علی رض۔ حضرت عثمان رض۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض۔ اور طلحہ رض و زبیر رض تھے۔ دوسرے صحابہ سے بھی برابر مشورے لئے جاتے۔ اور کوئی کام صحابہ کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جاتا۔

عمر رض چیف جسٹس کے فرائض انجام دیتے۔ مگر پورے ایک سال میں صرف دو مقدمے ان کے حضور آئے۔ اس وقت کی زندگی اتنی پیاری اور اتنی سچی تھی کہ لوگ ایک دوسرے سے بالکل نہ جھگڑتے۔

حضرت علی رض چیف سیکرٹری تھے۔ سارے خطوط ان ہی سے لکھوائے جاتے۔ ان کے ساتھ عثمان رض اور زید رض بھی یہ کام کرتے۔

حضرت صدیق رض نے مناصب کی تقسیم میں کبھی جانب داری سے کام نہیں لیا۔ ہر ایک کو وہ استحقاق کے مطابق کام دیتے۔ اس لئے ان سے کوئی ناخوش نہ تھا۔ انھوں نے حکومت کا کام اس لئے نہیں سنبھالا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں پر حکومت کریں۔ وہ تو اسلام کی سربلندی چاہتے تھے۔ اور انھوں نے اپنے اختیارات کو اسی مقصد کی تکمیل میں استعمال کیا۔

صدیق رض کو رسول اللہ صلعم سے جتنی محبت تھی اس کے مظاہر اسلام کے آغاز میں بارہا ہو چکے۔ رسول صلعم کے مقابلہ میں ان کی اپنی کوئی ذات نہ تھی۔ وہ تو حضور صلعم کا سایہ تھے۔ انھوں نے اپنی ذات حضور صلعم کی ذات میں ملا دی تھی۔ اسی لئے انھوں نے خلیفۃ اللہ کہلوانا پسند نہ کیا۔ اور حکم دیا مجھے رسول اللہ کا نائب کہو۔ وہ ہمیشہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیتے۔ کہ حضور صلعم نے اس باب میں کیا حکم دیا یا کیا کارروائی کی۔ حضرت اسامہ رض بن زید رض کی روانگی کے وقت اس کا سب سے بڑا ثبوت

ملا۔ لوگوں نے اُسامہؓ کو بدلنا چاہا مگر صدیق رضؓ کی جبیں پر شکن پڑ گئے۔ بولے جسے محمدؐ مقرر فرمائیں۔ اسے کون بدل سکتا ہے رسول اللہؐ کے بعد جتنا فیض مسلمانوں کو صدیق رضؓ سے پہنچا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود حضورؐ فرمایا کرتے مجھ پر صدیق کے جتنے احسانات ہیں کسی اور کے نہیں۔

پہلا حصہ ختم ہوا

شفیق احمد شفیق



رشید اختر ندوی

مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن

54

طلوعِ اسلام

حصہ اوّل



رشید اختر ندوی

تاج کمپنی لمیٹڈ قرآن منزل لاہور